CORRUPTION

کرپشن کا بھوت ناچ

طارق اسمٰعیل ساگر

WITH

CORRUPTION

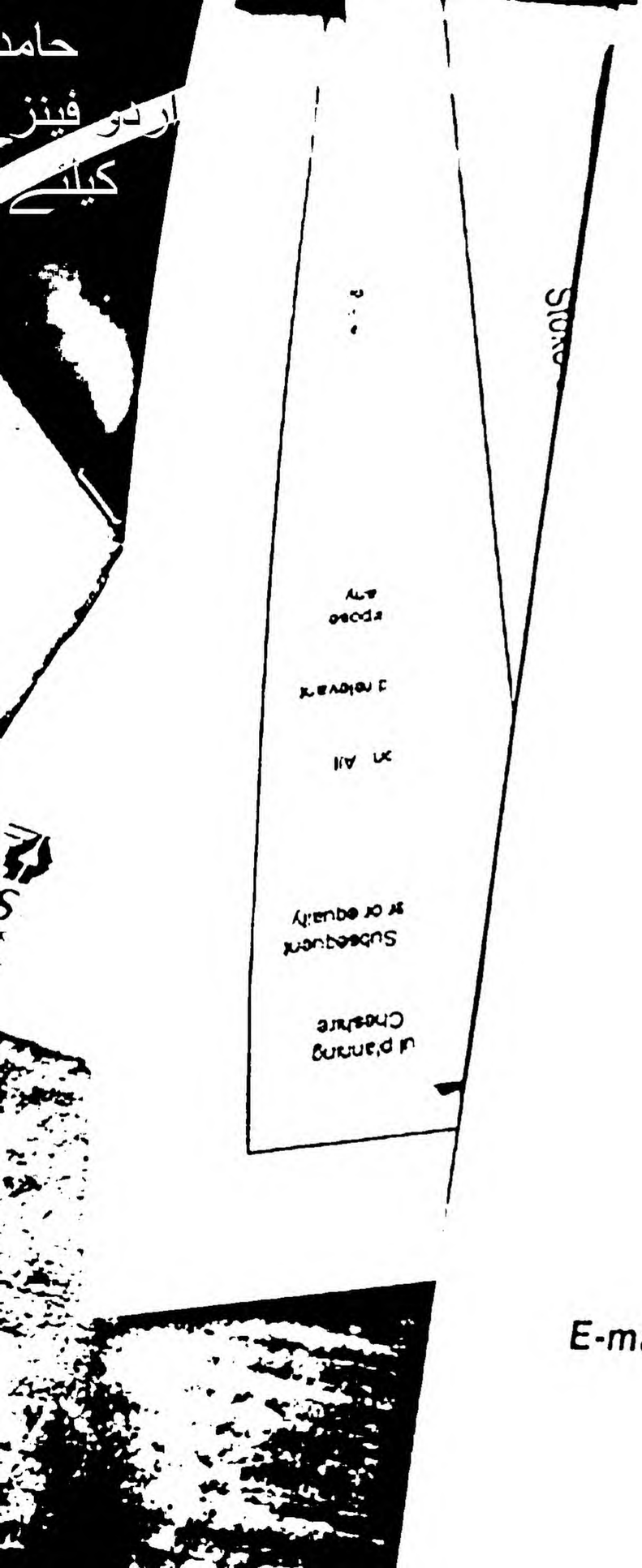

کرپشن کا بھوت ناچ

طارق اسمٰعیل ساگر

ساگر پبلی کیشنز

16-ای ٹیمپل روڈ مہتہ سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور

Cell: 0300-9468248, Ph: 042-36361089

E-mail: ti_sagar@yahoo.com Web: www.nayajahan.com

پیش لفظ

یہ کتاب ان سیاہ چہروں کو بے نقاب کرتی ہے جو ہمارے ووٹوں سے ہمیں جمہوریت، روٹی، کپڑا، مکان، روزگار، انصاف وغیرہ کا لالچ دے کر برسر اقتدار آتے ہیں اور جیسے ہی وہ ایوان اقتدار میں پہنچتے ہیں اپنے تمام وعدے، ارادے، قسمیں وغیرہ بھول کر انسانوں سے آدم خور بن جاتے ہیں۔ نمرود، فرعون بن جاتے ہیں۔ اُن کے منہ کو انسانی خون کی ایسی چاٹ لگ جاتی ہے کہ وہ خون آشام بھیڑیے بن کر بے کس، بے بس عوام کا خون پینے لگتے ہیں۔

حیرت اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ ان انسان نما درندوں نے پاکستانی عوام کی ہڈیوں سے گودا نکال لیا ہے لیکن ان کی خون کی پیاس نہیں بجھتی اور یہ ''ہل من مزید'' کی تکرار کرتے رہتے ہیں۔ یورپ، امریکہ کے محلات، مڈل ایسٹ کی فیکٹریاں، غیر ملکی بینکوں میں کھربوں روپے کے اکاؤنٹس رکھنے کے باوجود یہ انسان نما بھیڑیے مطمئن نہیں ہوتے اور دن رات لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھے ہوئے ہیں۔ اپنے خونی پنجوں سے پاکستانی عوام جوان کے نزدیک بھیڑوں کا ریوڑ ہے کی ہڈیوں سے چمٹا گوشت اُتارتے رہتے ہیں۔ یقیناً جہنم کی

آگ ہی ان کے پیٹ بھرے گی۔

کرپشن، لوٹ مار، بے حیائی اور حرامکاری کے اس حمام میں ایسے ایسے پردہ نشین ننگے ہوئے کہ الامان الحفیظ! کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں، اب اللہ تعالیٰ نے اس بے بس قوم کی حالت پر رحم فرماتے ہوئے ایک آزاد عدلیہ نصیب فرمائی ہے جو اپنی بساط بھر کوششوں کے ساتھ ان پر گرفت کر رہی ہے اور پاکستانی عوام کی واحد اُمید بن گئی ہے۔

یہ مضامین ماہنامہ نیا جہان انٹرنیشنل کے گزشتہ ایک سال کے شماروں میں شائع ہوئے اور بلاشبہ تحقیقی صحافت کی اعلیٰ ترین روایات رکھتے ہیں۔ افسوس یہ دور اپنے الگ تقاضے رکھتا ہے جن پر کوئی غیرت مند صحافی شاید پورا نہیں اُتر سکتا یہی وجہ ہے کہ صحافت کی اعلیٰ اقدار کے امین وہ پرچے جنہیں سرکاری یا غیر سرکاری سرپرستی حاصل نہیں عوام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ لیکن تا بہ کے؟

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنی بقاء کے لئے ہی سہی، اپنے افعال و کردار پر نظر ثانی کریں۔

طارق اسمٰعیل ساگر

عنوان	صفحہ نمبر
لوڈ شیڈنگ حقیقت یا سازش	7
شوگر مافیا کو بیورو کریسی نے بچالیا	22
پاکستانی معیشت کا کینسر	28
پاکستان کو بنجر کرنے کا خوفناک بھارتی منصوبہ	35
600 ارب روپے کے نئے ٹیکس	44
ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ہم	47
خاطر زرعی پالیسیاں	55
کیری لوگر بل کیا دے گیا کیا لے گیا	59
لٹ کے کھا گئے	75
اقتصاد و نہیں سونے کے ذخائر	83
30 ارب کے اور ٹیکس	92
بینک ڈکیتی اور FIA کا کردار	98
پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ	108
کرپشن، حسد لی کا کینسر	112
فاٹا کی مفلوج معیشت	119
تیرا ہی دل نہ ہو تو بہانے ہزار ہیں	123
پاکستان برائے فروخت نہیں	138
بجلی کی قیمتوں میں اضافہ	144

اردو فینز کیلئے

سرکاری دفاتر میں	147
مہنگائی کے تباہ کن	156
وی اے ٹی کا عذاب	160
معاشی ترقی کی حقیقت	165
لوڈ شیڈنگ مہنگائی، ہنگامہ آرائی	171
توانائی کا بحران	176
اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیجئے	183
لوٹ مار، دھونس دھاندلی کب تک؟	189
جھوٹ کا دھندہ	197
آپ کے دعوے اور زمینی سچائیاں	203
ٹرانزٹ ٹریڈ اور بھارتی راہداری	208
معاشی گورکھ دھندہ	212
اقتصادیات کا جنازہ	216
پاک افغان تجارتی معاہدہ	225
کرپشن کا بھوت ناچ جاری ہے	233

حامد
اردو فینز
کیلئے

لوڈ شیڈنگ! حقیقت یا سازش

ملک میں جاری 20,20 گھنٹوں پر مشتمل اعلانیہ اور غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ نے اہل پاکستان کی زندگیوں کو اجیرن کر دیا ہے۔ بجلی کے مسلسل تعطل کے باعث معاشی ترقی کی رفتار تقریباً ٹھپ کر صد تک سست ہو چکی ہے۔ دفتری امور معطل ہیں، گھریلو زندگی اذیت ناک ہو چکی ہے۔ گرمی و حبس کی وجہ سے کئی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ گزشتہ دو ماہ کے اخبارات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب گرمی، حبس اور لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے چھ ہلاکتوں کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ ہسپتالوں میں مریض گرمی اور آپریشن وقت پر نہ ہونے کی وجہ سے جان کی بازی ہار رہے ہیں۔ طلبا کو پڑھنے اور امتحان کی تیاری کے لئے موم بتیاں خریدنی پڑ رہی ہیں۔

کاروباری طبقہ الگ پریشان ہے، ان کے کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئے ہیں، صنعتیں بجلی کے اس بحران کی وجہ سے بند ہو رہی ہیں یا ان میں ڈاؤن سائزنگ ہو رہی جس کی وجہ سے لاکھوں افراد بے روزگار ہو گئے ہیں اور ان کے گھروں میں چولہے ٹھنڈے پڑ چکے ہیں۔ گزشتہ ایک عشرے میں ہونے والی تیز معاشی ترقی الٹے قدموں پیچھے کی طرف رواں ہے، پیداوار میں قابل لحاظ کمی واقع ہو رہی جس کے باعث قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں۔ راتوں کو مسلسل وقفے وقفے سے

عدالت عالیہ سے ماتحت عدالتوں کو حکم جاری کریں۔ ازخود نوٹس سے متعلق پہلے سپریم کورٹ نے متعدد بار یہ فیصلہ دیا تھا کہ عدالت عالیہ کی طرف سے مقدمات کی سماعت کے دوران ریفرنس کا فیصلہ ہونے تک ماتحت عدالتوں کو کارروائی روک دینی چاہیے۔ اس فیصلے کی وجہ سے ملک بھر میں ہزاروں مقدمات کی سماعت رک گئی تھی۔ اس فیصلے کو بعد میں سپریم کورٹ نے ہی کالعدم قرار دیا تھا۔

ازخود نوٹس کے اختیار کے بارے میں سپریم کورٹ کے ایک سابق جج جسٹس (ر) وجیہ الدین احمد کا کہنا ہے کہ ازخود نوٹس کا اختیار آئین کے آرٹیکل 184 کی شق 3 کے تحت سپریم کورٹ کو دیا گیا ہے۔ اس کے تحت سپریم کورٹ کسی بھی ایسے معاملے کا ازخود نوٹس لے سکتی ہے جس کا تعلق بنیادی انسانی حقوق سے ہو اور وہ عوامی اہمیت کا حامل ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ ماضی میں سپریم کورٹ نے اس اختیار کو بہت محدود انداز میں استعمال کیا ہے۔ ان کے بقول ماضی میں سپریم کورٹ نے ازخود نوٹس کے اختیار کو صرف اس وقت استعمال کیا ہے جب کسی شخص کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہوئی ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ ماضی میں سپریم کورٹ نے کبھی بھی ازخود نوٹس کے اختیار کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال نہیں کیا۔

جسٹس (ر) وجیہ الدین احمد کا کہنا ہے کہ ازخود نوٹس کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے سپریم کورٹ کے رولز میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ازخود نوٹس کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے سپریم کورٹ کے رولز میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ازخود نوٹس کے اختیار کو استعمال کرنے کے لیے سپریم کورٹ کے رولز میں ترمیم کی ضرورت ہے۔

لوڈشیڈنگ کے وقت دکانوں کی بندش نہیں ہوتی جس کی وجہ سے پڑھا لکھا نوجوان بیکار رہتا ہے اور اغوا کی وارداتیں بڑھتی ہیں۔ بجلی کے نرخوں میں اضافے اور لوڈشیڈنگ کے خاتمے کے لیے ملک بھر میں احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔

لوڈشیڈنگ کے خلاف ملک بھر میں جاری احتجاج کی وجہ سے ملک کی معیشت بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔

لوڈشیڈنگ کے خلاف ملک بھر میں جاری احتجاج کی وجہ سے ملک کی معیشت بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔

لوڈشیڈنگ کے خلاف ملک بھر میں جاری احتجاج کی وجہ سے ملک کی معیشت بری طرح متاثر ہو رہی ہے۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔ بڑے شہروں میں روزانہ کی بنیادوں پر احتجاج اور مظاہرے ہو رہے ہیں۔

پاکستان کی آئل ریفائنریز کو یکساں منافع ہوا، مثال کے طور پر اٹک ریفائنری کا منافع 1398 فیصد بڑھا، شیل پاکستان کا منافع 483 فیصد، پاکستان شیل آئل کا منافع 440 فیصد، پاکستان کا 170 فیصد، اٹک ریفائنری کا منافع 830 فیصد، بیشتر آئل ریفائنری کا 768 فیصد اور پاک عرب ریفائنری کا منافع 567 فیصد رہا۔ جب حکومت کی طرف سے کاربن ٹیکس عائد کیا گیا تو اس رپورٹ کی سفارش کے مطابق سپریم کورٹ نے از خود نوٹس لیتے ہوئے کاربن ٹیکس کے نتیجے میں ہونے والی پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کو روک دیا، جس پر صدر مملکت نے راتوں رات پی ڈی ایل کا نفاذ کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے از خود نوٹس کے اثر کو زائل کر دیا۔ عوام کو ریلیف پہنچانے کی یہ عدالتی کوشش ناکام ہوئی اور آئل کمپنیوں کے منافع کو محفوظ اور آئی ایم ایف کی شرطوں کی پاسداری کرتے ہوئے صدارتی آرڈی نینس فوری طور پر نافذ ہو گیا۔ اخباری رپورٹوں کے مطابق آئی ایم ایف نے پی ڈی ایل کے نفاذ کی صورت میں ہی پاکستان کو قرض کی تیسری قسط 84 کروڑ ڈالر فراہم کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ گزشتہ سال بھی حکومت نے پٹرولیم مصنوعات کی مد میں 129 ارب روپے وصول کئے، اور یہ سوچے بغیر کے پچھلے سال بھی پٹرولیم کی بلند قیمتوں کی وجہ سے عام آدمی کی زندگی اجیرن بنی رہی، اس سال بھی حکومت نے منصوبہ بنایا کہ اسی آسان راستہ اختیار کیا جائے اور عوام کی رگوں سے جتنا خون نچوڑا جا سکتا ہے نچوڑا جائے۔ کاربن ٹیکس بنیادی طور پر ماحولیات کو بہتر بنانے اور آلودگی کو روکنے کے لئے عائد کیا جاتا ہے جبکہ پاکستان میں یہ ٹیکس اس شعبے کی ماحولیاتی آلودگی پر ہے جو ترقی یافتہ صنعتی ملکوں میں پائی جانے والی آلودگی کے مقابلے میں انتہائی کم ہے۔ پٹرولیم مصنوعات پر مزید ٹیکس ادا کرنے کی اس میں اتنی طاقت ہے۔ [illegible] عوام تک پہنچنے والا ریلیف یکدم ختم ہو گیا جو سپریم کورٹ کے فیصلے سے [illegible] کاربن ٹیکس جیسے ٹیکس لاگو کر کے عوام کی مشکل زندگی کو مزید مشکل [illegible] اخراجات کو ایڈجسٹ کرتی۔ شاہی

اخراجات میں کمی لانی اور بھاری سالانہ خسارے کو محدود کرنی تھی۔ پٹرولیم اس نے سرمایہ داروں سے مخصوص نوٹ سے مفادات کو زک اور غریب صارفین و ریلیف ملنے کا خطرہ تھا اس لئے اس سال بھی پٹرولیم پر ٹیکس لگا کر بہت سے روپے اکٹھے کرنے کی کوشش کی گئی۔ پی ڈی ایل کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جا چکا ہے اور درخواست میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ آئین کے آرٹیکل 77 کے تحت صدر کے پاس ٹیکس عائد کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے۔ ریلیف کو ترستی قوم کی نظریں اب سپریم کورٹ کے فیصلے پر ہیں۔

لوڈ شیڈنگ کے بحران پر قابو پانے کے لئے فوری طور پر کرنے کا کام یہ ہے کہ نجی تھرمل کمپنیوں کو واجب الادا رقوم ادا کی جائیں۔ حکومت اس وقت بھی 100 ارب روپے ان کمپنیوں کو دینے ہیں اور اگر یہ دے دیئے جاتے ہیں تو لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ عارضی طور پر حل ہو جائے گا۔ آئی پی پیز کو ادائیگی کے لئے کاربن ٹیکس اور پی ڈی ایل جیسے آرڈی نینس کے نفاذ کے بجائے شاہی اخراجات، وزیروں کی فوج، بیرونی دوروں اور غیر ضروری اخراجات میں تخفیف کی جائے۔ کچھ دن قبل وزیر اعظم نے ارکان پارلیمنٹ کو ان کے علاقے کے ترقیاتی کاموں کے لئے مختص رقم کو دوگنا کرتے ہوئے ایک کروڑ سے بڑھا کر دو کروڑ کر دیا ہے۔ معلوم نہیں کہ مانگے تانگے کے خزانے میں اتنی رقم کہاں سے آ گئی اور اس رقم کو دوگنا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کیونکہ پاکستان کا عام شہری بھی اب یہ جاننے لگا ہے کہ ترقیاتی کاموں کے لئے ارکان پارلیمنٹ کے یہ صوابدیدی فنڈز دراصل ایک قسم کی رشوت ہوتے ہیں جو خود کو ارکان پارلیمنٹ میں مقبول بنانے کے لئے دی جاتی ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ رقم ترقیاتی منصوبوں پر نہیں بلکہ ارکان اسمبلی کی جیبوں میں جاتی ہے۔ ان اخراجات کو محدود کر کے تھرمل کمپنیوں کو واجب الادا رقم ادا کی جائے تاکہ لوڈ شیڈنگ کے عذاب سے بے حال لوگوں کو گرمیوں اور شدید حبس کے ان دنوں میں کوئی سکھ کا سانس نصیب ہو۔

یقیناً یہ بجلی کے بحران اور توانائی کی کمی کے مسئلے کا دیرپا حل نہیں بلکہ وقتی ہے، دیرپا حل کے لئے

ضروری ہے کہ واپڈا اور نیپرا سمیت بجلی فراہم کرنے والے اور ترسیل کا انتظام کرنے والے
اداروں سے کرپشن ختم کی جائے، بجلی چوری کو روکا جائے، آبی ذخائر تعمیر کئے جائیں، تھر اور داود
میں موجود کوئلے کے ذخائر کو بجلی پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جائے، ایٹمی، شمسی اور ہوا کی
توانائی کو پاور سٹیشنوں کے لئے استعمال کیا جائے اور ڈیموں پر سیاست چمکانے اور فیصلے صادر
کرنے کی بجائے ان کی بلا تاخیر تعمیر شروع کی جائے۔ واپڈا اہلکاروں کی غفلت اور نااہلی کا عالم یہ
ہے کہ اس دوران جہاں ملک بجلی کے شدید بحران کا شکار ہے ان دنوں منگلا پاور ہاؤس میں ٹرانسمشن
لائن کے جلنے سے 1100 میگاواٹ بجلی کی مزید کمی ہوگئی جس کی وجہ سے شاٹ فال کی مقدار
4000 میگاواٹ تک جا پہنچی۔ اس حادثے پر فرانس سے غفلت برتنے پر واپڈا کے 4 اہلکاروں کو
معطل کر دیا گیا، تحقیقات کے لئے حسب معمول کمیٹی قائم کر دی گئی جو پندرہ دن میں اپنی رپورٹ
پیش کرے گی، اس کے بعد ایسے حادثات پر مہذب ملکوں میں وزیر شذیب استعفیٰ دیا کرتے ہیں۔ کہا جا رہا
ہے کہ 25 جولائی تک ٹرانسمشن لائن مرمت ہو کر قابل استعمال ہو جائے گی۔

ایشیائی ترقیاتی بینک نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ پاکستان حکومت سب سے زیادہ
توانائی ضائع کرتی ہے۔ پاکستان صرف گیس کی ترسیل کے نظام کو بہتر بنا کر 58 کروڑ ڈالر کی
بچت کر سکتا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ گیس کی ترسیل کے فرسودہ نظام کی وجہ سے 30 فیصد
گیس ضائع ہو جاتی ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صرف گھروں میں بجلی کے بہتر بلبوں
سے 880 میگاواٹ بجلی بچائی جا سکتی ہے۔ بجلی کی پیداوار اور ترسیل کے ذمہ دار
ادارے میں کرپشن اور صلاحیت کی نااہلی کا عالم یہ ہے کہ عالمی بنک کی ایک رپورٹ ان کی
[illegible] پاکستان میں بجلی کے کنکشن کے حصول کے لئے 84 فیصد اور
[illegible] 62 فیصد رشوت کی ادائیگیاں کرتی ہیں بجلی چوری کی وارداتیں
[illegible] قبائلی علاقوں تک ہی محدود نہیں بلکہ کراچی جیسے بڑے

شہروں میں بھی ڈنکے کی چوٹ پر بجلی چوری کی جاری ہے مگر حکومت اپنی سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے
خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ بجلی کے بحران کے فوری خاتمے کے لئے مندرجہ بالا کوتاہیوں اور
سسٹم میں موجود کرپشن اور بجلی چوری کو روکنے کی شدید ضرورت ہے۔

مستقبل کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی اور بجلی و توانائی کی بڑھتی ہوئی طلب کے لئے ضروری ہے
کہ فیول کی بنیاد پر پیدا کی جانے والی مہنگی بجلی کی بجائے ملک میں موجود بے تحاشا قدرتی وسائل کو
استعمال میں لایا جائے۔ بھارت مسلسل پاکستان کی طرف بہنے والے دریاؤں پر ڈیم بنا کر اور
سرنگوں کے ذریعے پانی چوری کر کے آبی دہشت گردی کا مرتکب ہو رہا ہے جس پر آج تک مقتدر
حلقوں کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی گئی ہے۔ دریائے راوی اور ستلج کے بعد بھارت بگلیہار
ڈیم بنا کر چناب کا پانی بھی روکنے کی پوزیشن میں آ گیا ہے۔ بھارت اگلے چھ برسوں میں دریائے
سندھ کے 90 ملین کیوبک فٹ پانی پر قبضہ کرنے کے لئے کشن گنگا ڈیم بنا رہا ہے جو دریائے
سندھ کے 80 فیصد پانی کو سٹور کر لے گا۔ بھارت کی تین بڑی ڈونر ایجنسیوں نے گزشتہ
15 برسوں میں کالا باغ ڈیم کی مخالفت میں کمی نہ آنے کے لئے ڈیم مخالف تنظیموں میں 10 ارب
روپے بانٹے ہیں۔ سندھ واٹر کونسل کے چیئرمین کے مطابق بھارت پاکستانی دریاؤں پر 62 ڈیم
بنا رہا ہے جن میں سے 32 ڈیم مکمل کر لئے گئے ہیں اور باقی زیر تعمیر ڈیموں کی بھارت نے
2014 تک تکمیل کرنی ہے۔ اگر یہ ڈیم بن گئے تو پاکستان کے لئے ایک قطرہ پانی نہیں بچے گا۔

آبی ماہرین کے مطابق قومی تقاضا یہی ہے کہ کالا باغ ڈیم کی فوری تعمیر کی جائے، کیونکہ یہ ملکی
ضروریات کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے اور اسی سے پاکستان کے سرسبز لہلہاتے کھیتوں اور وادیوں کو
بنجر ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ کالا باغ ڈیم کو التوا میں پڑے ہوئے چالیس سال کا عرصہ گزر
چکا ہے۔ موجودہ برسر اقتدار پیپلز پارٹی کی حکومت نے مسند اقتدار سنبھالتے ہی قومی مفادات کو پس
پشت ڈالتے ہوئے اس منصوبے کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ ڈیم کی فزیبلٹی، واپڈا ملازمین کی

خواہوں اور مزدوں کی تعمیر پر 180 ارب روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ ڈیم کی تعمیر کے لئے جائزہ
روپوں کی چوتھائی پر ایک ارب روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ امریکہ سمیت بڑی طاقتیں کالا باغ ڈیم
کی جلد از جلد تعمیر میں دلچسپی رکھتی ہیں، کیونکہ مذکورہ ڈیم کی تعمیر سے قراقرم ہائے وے کا
چوتھا حصہ مکمل ہو جائے گا جس کی وجہ سے بھارت کے مقابلے میں چین کے سٹریٹیجک مفادکو نقصان
پہنچ سکتا ہے۔ کالا باغ ڈیم کا منصوبہ ہمیشہ کے لئے ترک کر کے دوری منتخب جمہوری حکومت نے
بڑی کا ثبوت دیا ہے۔ پاکستان کو قدرت نے پانی کے معاملے میں فیاضی سے نوازا ہے جس سے
ہم اپنی بجلی کی ضروریات با آسانی پوری کر سکتے ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صرف
آزاد کشمیر میں آبی وسائل سے 17000 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہے جبکہ ملک
بھر میں ہائیڈل پاور منصوبوں کے تحت 54 ہزار میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش موجود ہے جبکہ
اس وقت صرف 6500 میگاواٹ بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔

تھرمل پاور کے برعکس ہائیڈل طریقے سے بجلی کی پیداوار کے لئے ایندھن کا ایک قطرہ بھی خرچ
نہیں ہوتا۔ گزشتہ دس برسوں میں واپڈا نے اپنے سسٹم میں سوائے غازی بروتھا سے پیدا ہونے
والے چند میگاواٹ کے علاوہ کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں کیا۔ اس وقت اشد ضرورت ہے کہ نہ صرف
کالا باغ اور دیگر بڑے ڈیم بنائے جائیں بلکہ جہاں ممکن ہو کئی چھوٹے ڈیم بھی تعمیر کئے جائیں۔
اگر کالا باغ ڈیم کا منصوبہ آج سے 5 سال پہلے شروع ہو جاتا تو آج ہم جس بحران کا شکار ہیں اس کا
کافی حد تک ازالہ ہو جاتا کیونکہ اس سے 3600 میگاواٹ بجلی پیدا ہونی تھی جبکہ اس وقت بجلی کا شارٹ فال
2000 میگاواٹ سے 4000 میگاواٹ کے درمیان ہے جس کو پورا کرنے کے لئے لوڈ شیڈنگ
کی بدولت ہم سے چھٹی ہوئی ہے۔ کالا باغ ڈیم قومی اہمیت کا انتہائی نازک معاملہ ہے اور اسے
تمام سیاسی جماعتوں کو قومی نقطہ نظر سے پیش نظر رکھنا چاہئے نہ کہ اسے خود غرضانہ سیاسی مفادات
کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔

مشرف دور حکومت میں ملک کے ترقیاتی بجٹ میں ریکارڈ اضافہ ہوا لیکن افسوس ناک امر یہ
ہے کہ اس عرصے میں ایک میگاواٹ بجلی کی اضافی پیداوار کے لئے بھی سرمایہ کاری نہیں کی گئی۔
حالانکہ مشرف حکومت بجلی کی بڑھتی ہوئی طلب اور اس کی رسد و طلب کے درمیان بڑھتے ہوئے
فرق سے بخوبی واقف تھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں جان بوجھ کر پاور جنریشن کی طرف
توجہ نہیں دی گئی۔ اب یہ حقائق سامنے آ رہے ہیں کہ بجلی کی قلت سے ایک طاقت ور طبقہ وابستہ ہے اور بجلی کی موجودہ بحران سے اس طبقے نے اربوں روپے بنائے ہیں۔ مثال کے طور پر
کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن (کے ای ایس سی) ایک نجی ادارے کے حوالے کی گئی جس
کی بنیادی کاروبار جنریٹرز کی فروخت کا تھا۔ صرف 13 ارب روپے میں کے ای ایس سی جیسا ادارہ
اس نجی کمپنی کو دے دیا گیا حالانکہ کے ای ایس سی کے اثاثہ جات کی قیمت اس سے تین گنا تھی۔ اس
کمپنی نے نہ صرف کے ای ایس سی کے اثاثہ جات گروی رکھ کر اربوں روپے کا قرض لیا بلکہ اسے
لوگوں کو بجلی فراہم کرنے سے زیادہ اس بات میں دلچسپی تھی کہ لوڈ شیڈنگ زیادہ سے زیادہ ہو تاکہ
اس کے جنریٹرز زیادہ فروخت ہوں۔ ایک غیر سرکاری مارکیٹ سروے کے مطابق اس عرصے میں
ساڑھے تین ارب روپے کے جنریٹرز فروخت ہوئے۔ اس کے بعد مزید ظلم یہ کیا گیا کہ کمپنی کی
جوابدہی کی بجائے اسے آسانی سے راستہ دیدیا گیا کہ وہ کے ای ایس سی کو بحران میں چھوڑ کر چلی
جائے۔ بعد ازاں کے ای ایس سی ایک دوسری غیر ملکی نجی کمپنی کے حوالے کی گئی جس کی انتظامیہ
کے بارے میں تمام اہل کار کہہ رہے ہیں کہ یہ نجکاری کے معاہدے کی پاسداری نہیں کر رہی ہے۔
اس نے نہ صرف یہ کہ نئے پاور جنریشن پلانٹس نہیں لگائے بلکہ موجودہ پاور جنریشن پلانٹس کو بھی ان
کی گنجائش کے مطابق نہیں چلا رہی تاکہ مبینہ طور پر فیول کے اخراجات بچائے جا سکیں۔ عام لوگ
جو لوڈ شیڈنگ کا عذاب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ اضافی بلوں کی شکایت کر رہے ہیں (جبکہ
لوڈ شیڈنگ کا بل بھی دے رہے ہیں) ان کی کوئی نہیں سن رہا، کیونکہ ان معاملات سے بڑے

ہے۔ اس سے ماحول بھی محفوظ رہتا ہے۔ ہم نے ایسے کئی منصوبوں کی تجویز دی ہے جو ماحول پر کم سے کم اثر ڈالیں گے۔ ان میں سے کئی منصوبوں کی فزیبلٹی رپورٹ تیار ہے۔ ان منصوبوں کے مقامات کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ ان منصوبوں سے مل کر 3600 میگاواٹ بجلی پیدا کرے گا بلکہ اس کی 9.6 ملین ایکڑ فٹ پانی کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت سے بارش والے علاقوں کی 20 لاکھ ایکڑ اراضی بھی سیراب ہو گی۔ اس سے فیصد سیلابوں کی بھی روک تھام ہو گی اور جو پانی ہر سال بحیرہ عرب کی نذر ہو جاتا ہے اس کو بھی بچایا جا سکے گا۔ چھوٹے صوبوں کی طرف سے اس ڈیم پر اعتراضات تکنیکی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ ان کی بنیادیں خالص سیاسی ہیں اور صوبوں کے درمیان باہمی عدم اعتماد کا شاخسانہ ہیں۔ حیرت کی بات ہے۔ 1988ء سے لیکر اب تک جتنی بھی سیاسی حکومتیں یا فوجی حکومت رہی ہے انہوں نے اس منصوبے کو ہمیشہ ترجیح قرار دیتے ہوئے اس کی تعمیر کے حق میں دلائل دیئے۔ حتیٰ کہ بے نظیر بھٹو، نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف ہمیشہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے حق میں رہے ہیں اور ان کی طرف سے کوشش بھی کی گئی کہ صوبوں کے درمیان اتفاق رائے پیدا کیا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکنیکی نوعیت سے اس منصوبے کو انجینئروں کی بحث کا موضوع بنانے کی بجائے سیاستدانوں کی بھی روشن اور تنگ نظر قوم پرستانہ جذبات کی حامل مقامی سیاسی [illegible]

[illegible] نے اس منصوبے پر از سر نو سنجیدہ بحث کا آغاز

ہونا چاہئے۔ اس سے ماحول بھی محفوظ رہتا ہے۔ ہم نے ایسے کئی منصوبوں کی تجویز دی ہے جو ماحول پر کم سے کم اثر ڈالیں گے۔ ان میں سے کئی منصوبوں کی فزیبلٹی رپورٹ تیار ہے۔ ان منصوبوں کے مقامات کی نشاندہی کی جا چکی ہے۔ ان منصوبوں سے مل کر 3600 میگاواٹ بجلی پیدا کرے گا بلکہ اس کی 9.6 ملین ایکڑ فٹ پانی کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت سے بارش والے علاقوں کی 20 لاکھ ایکڑ اراضی بھی سیراب ہو گی۔ اس سے فیصد سیلابوں کی بھی روک تھام ہو گی اور جو پانی ہر سال بحیرہ عرب کی نذر ہو جاتا ہے اس کو بھی بچایا جا سکے گا۔ چھوٹے صوبوں کی طرف سے اس ڈیم پر اعتراضات تکنیکی نوعیت کے نہیں ہیں بلکہ ان کی بنیادیں خالص سیاسی ہیں اور صوبوں کے درمیان باہمی عدم اعتماد کا شاخسانہ ہیں۔ حیرت کی بات ہے۔ 1988ء سے لیکر اب تک جتنی بھی سیاسی حکومتیں یا فوجی حکومت رہی ہے انہوں نے اس منصوبے کو ہمیشہ ترجیح قرار دیتے ہوئے اس کی تعمیر کے حق میں دلائل دیئے۔ حتیٰ کہ بے نظیر بھٹو، نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف ہمیشہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے حق میں رہے ہیں اور ان کی طرف سے کوشش بھی کی گئی کہ صوبوں کے درمیان اتفاق رائے پیدا کیا جا سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکنیکی نوعیت سے اس منصوبے کو انجینئروں کی بحث کا موضوع بنانے کی بجائے سیاستدانوں کی بھی روشن اور تنگ نظر قوم پرستانہ جذبات کی حامل مقامی سیاسی [illegible]

[illegible] نے اس منصوبے پر از سر نو سنجیدہ بحث کا آغاز

بجلی پر سبسڈی کے خاتمے اور پٹرولیم پر کاربن ٹیکسز کی شرط تو آئی ایم ایف نے لگا کر حکومت کے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں لیکن کیا ڈیموں کی تعمیر اور دوسرے ذرائع سے توانائی کے حصول کی شرط بھی آئی ایم ایف یا ورلڈ بنک نے رکھی ہے یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر کیوں اتنے اہم معاملات میں غفلت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ ویسے تو یہ بھی کتنی بے بسی کی بات ہے کہ بجلی پر سبسڈی کے معاملے پر بھی ہمیں آئی ایم ایف کی ہدایات پر عمل کرنا پڑتا ہے اور سبسڈی ختم کرنے کی مہلت بڑھانے کے لئے ہمارے مشیر خزانہ کو امریکی حکمرانوں کی منت سماجت کرنا پڑتی ہے۔ اس ناہلی سے نکلنے کا واحد حل بھی یہی ہے کہ توانائی کے شعبے میں خود کفالت حاصل کی جائے اور شاید اسی صورت ہم عالمی استعماری طاقتوں کے استحصال سے خود کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ سبسڈی کا مقصد غریب عوام کی قوت خرید میں اضافہ کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ روح اور جسم کا رشتہ قائم رکھ سکیں، خود عالمی

طاقتیں اور خوشحال ممالک بھی کئی شعبوں میں اپنے عوام کو سبسڈی دیتے ہیں۔ امریکہ صرف زرعی شعبے کو سالانہ 4 کھرب ڈالر کی سبسڈی فراہم کرتا ہے مگر پاکستان کے غریب عوام جن کی قوت خرید کمزور تر ہو چکی ہے، کے لئے اس سہولت کا استعمال شجر ممنوعہ قرار دی جا چکی ہے۔

آبی وسائل کو استعمال کرنے کے معاہدے بھی پاکستان کے سامنے کئی آپشنز ہیں جن کو بروئے کار لا کر توانائی کے بحران پر قابو پایا جا سکتا ہے مثال کے طور پر صوبہ سندھ کے علاقے تھر میں دریافت شدہ کوئلے کی مقدار 75 بلین ٹن کے قریب ہے، جبکہ داود اور بدین میں بھی 10 بلین ٹن کوئلے کے ذخائر موجود ہیں۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ سندھ کے کوئلے کو توانائی کے طور پر استعمال کرنے سے پاکستان میں نہ صرف بجلی کی کمی دور ہو سکتی ہے بلکہ پاکستان بجلی کی پیداوار میں خود کفالت حاصل کر کے بجلی برآمد کرنے والے ملکوں میں بھی شامل ہو سکتا ہے لیکن پاکستان میں موجودہ عالمی تیل مافیا اور اس کے کارندے کوئلے کے ان ذخائر کو بطور ایندھن استعمال کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ تیل مافیا کو خدشہ ہے کہ اگر سندھ کا کوئلہ توانائی کے ذریعے کے طور پر استعمال ہونے لگا تو پاکستان میں آئل کمپنیوں کی دکانیں بند ہو جائیں گی۔ بے نظیر بھٹو نے بطور وزیراعظم 1996ء میں سندھ میں موجود کوئلے کے ذخائر کو استعمال میں لانے کی کوشش کی تھی اور اس سلسلے میں بیرونی کمپنیوں کے ساتھ کئی ایک معاہدے بھی ہوئے تھے لیکن عوام دشمن قوتوں نے ان کی حکومت کے ساتھ تھر کول پراجیکٹ کو بھی ختم کر دیا۔ موجودہ حکومت نے بھی تھر کے کوئلے کو بطور ایندھن استعمال کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ اس سلسلے میں تھر کول اینڈ انرجی بورڈ کے چیئرمین [illegible] سندھ کے وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ نے گزشتہ سال واشنگٹن میں سرمایہ کاروں کی کانفرنس بھی منعقد کی۔ معلوم نہیں کہ یہ منصوبہ کہاں تک پہنچا ہے، اگر یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے تو امکان ہے کہ پاکستان میں بجلی کی لوڈ شیڈنگ قصہ پارینہ بن جائے گی۔ لیکن تیسری دنیا کے ممالک کے ساتھ [illegible] یہ ہے کہ وہ اپنی [illegible] باعث اپنے وسائل بھی اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی

پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تھر کے کوئلے کے ذخائر توانائی میں خسارے کے لئے کسی بہادر اور معتبر لیڈر کے منتظر ہیں۔ اگر یہ ذخائر صحیح طور پر استعمال ہو جاتے ہیں تو یہ اگلے 150 سالوں تک پاکستان کی بجلی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں کیونکہ اس سے آئندہ دس بارہ سال میں ایک لاکھ میگا واٹ تک بجلی پیدا ہو سکتی ہے۔

پرویز مشرف نے 30 اپریل 2005ء کو ایک صدارتی آرڈی ننس کے ذریعے Alternative Energy Development Board قائم کیا تھا جس کا مقصد ملک میں توانائی کے متبادل ذرائع تلاش کرنا تھا تاکہ توانائی کے بحران سے نمٹا جا سکے۔ حکومت نے اس ادارے کو 2030 کا ٹاسک دیا تھا جس کے دوران اسے 9700 میگا واٹ بجلی کی پیداوار کا ہدف پورا کرنا تھا۔ بورڈ نے اس سلسلے میں ہوائی اور شمسی توانائی پیدا کرنے کے کئی منصوبے بنائے جن میں سے کچھ پر عملدرآمد بھی شروع کیا گیا۔ اس سلسلے میں پہلا منصوبہ سندھ کے ضلع ٹھٹھہ کے علاقے گھارو میں ہوائی چکیوں کی تنصیب کا تھا تاہم اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ منصوبہ کس حالت میں ہے اور یہ ادارہ کیا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی پیدا کرنے کے لئے ایٹمی انرجی بھی استعمال ہو سکتی ہے جس کی طرف توجہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

لوڈ شیڈنگ کے عذاب میں قوم کو مبتلا کرنے میں واپڈا کا بھی اہم کردار ہے جس پر لوٹ مار کرنے والا طبقہ چھایا ہوا ہے۔ واپڈا کے معمولی اہلکار بھی بہتی گنگا میں نہا چکے ہیں اور اپنی آنے والی کئی نسلوں کو غم روزگار سے بے نیاز کر چکے ہیں لائن مین کی سطح کے آدمی پوش علاقوں میں کروڑوں روپے کے مکانوں میں رہائش پزیر ہیں۔ واپڈا کے کرپٹ ملازمین نے ہمیشہ اسے خسارے میں رکھا ہے جبکہ ماہرین کے بقول واپڈا کو تربیلا ڈیم کی بجلی کا ایک یونٹ ڈیڑھ روپے کے لگ بھگ پڑتا ہے جسے عام لوگ کس قیمت پر خرید رہے ہیں یہ سب صارفین جانتے ہیں۔ ایک معمولی فہم رکھنے والا آدمی بھی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ تین سے پانچ گنا نرخ وصول کرنے کے باوجود

خسارہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کروڑوں روپے جو لائن لاسز کی مد میں ڈالے جاتے ہیں انہی کرپٹ اہلکاروں کی جیبوں میں جا رہے ہیں۔ کرپشن کی لعنت سے نجات حاصل کئے بغیر اس بجلی بحران سے نجات محال ہے۔

حیرت ہوتی ہے جب یہ کہا جاتا ہے کہ کالا باغ ڈیم پر صوبے رضامند نہیں۔ ایک سادہ سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ساتھ دینے پر تمام صوبے، تمام سیاسی جماعتیں، تمام پریشر گروپ تیار تھے، یقیناً نہیں۔ لیکن اس وقت کے فوجی آمر نے عالمی مفادات کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور کمانڈو جرنیل نے ایک ٹیلی فون کال پر ان کی ہاں میں ہاں ملا دی لیکن اسی بہادر جرنیل کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ ملکی سلامتی کے ضامن اور قومی نوعیت کے اہم منصوبے پر بروقت فیصلہ کرتے ہوئے اس کی تعمیر کا حکم دے دیتا۔ جب تن تنہا بلوچوں کے ہر دلعزیز لیڈر کو پہاڑی غاروں میں قتل کیا جا سکتا تھا اور صوبے کے عوام کے احساسات کو پامال کیا جا سکتا تھا، جب ایک پرائی جنگ کو اپنے ملک لا کر لوگوں کو دہشت زدہ کیا جا سکتا تھا اور لوگوں کی رائے اور صوبائی اتفاق رائے اس کے لئے غیر اہم قرار پا سکتا تھا اور جب ایک دور کے سٹریٹیجک پارٹنر طالبان کو [illegible] جنہیں قلم صف دشمناں میں کھڑا کیا جا سکتا تھا تو آبی ذخائر کی تعمیر پر ہر دلعزیز فیصلوں کی ایسی کیا ضرورت آ پڑی تھی۔ مان لیتے ہیں اگر یہ منصوبہ کچھ لوگوں کو ناراض کرتا تو آخر لوگوں نے باقی ناپسندیدہ فیصلے بھی تو قبول کئے تھے، لیکن چونکہ ان منصوبوں کا فائدہ عالمی طاقتوں کو نہیں ہوتا تھا اس لئے یہ درخور اعتنا نہ سمجھے گئے اور آمر اپنے پورے دور حکومت میں 1 میگاواٹ بجلی پیدا کئے بغیر ہی اپنی منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

موجودہ صورت میں بھی صورت حال کوئی اتنی زیادہ تبدیل شدہ نظر نہیں آتی اور یہ بھی عالمی [illegible] طاقتوں سے "وفاداری بشرط استواری" نبھا رہے ہیں۔ پاکستانی خارجہ پالیسی تو کبھی [illegible] انہوں نے داخلی معاملات میں بھی عالمی طاقتوں کی غلامی کی روش اپنا

لی ہے اور آئی ایم ایف کے معاشی فیتے میں خود کو گرفتار کرا کے ان کے فیصلے یہاں نافذ کرا رہے ہیں۔ باقی رہ گئے پاکستان کے غریب عوام جو نہ صرف دہشت گردی، ڈرون حملوں اور خودکش بمباروں کی زد میں ہے بلکہ غربت، جہالت، بے روزگاری، مہنگائی کے ساتھ ساتھ اب لوڈشیڈنگ کے شاہی کوڑے بھی سہہ رہی ہے۔ سیاست دانوں، چوروں، لٹیروں اور مافیاز کے لئے قانونی تحفظ اور این آر او زندہ ہے مگر ملک کے غریب عوام کے لئے نہ پارلیمنٹ میں قانون سازی ہے نہ فیصلہ سازوں کا رحمدلانہ رویہ۔ کبھی کسی آمر پر بھروسہ کرتے اور کبھی جمہوری حکومتوں سے آس لگاتے غریب عوام آخر کل سپریم کورٹ پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں۔ مگر بقول فیض

شبشوں کا مسیحا کوئی نہیں

وزیر پانی و بجلی بار بار ایک ہی رٹ لگا رہے ہیں کہ دسمبر تک لوڈشیڈنگ کا خاتمہ کر دیا جائے گا مگر معلوم نہیں کہ ان کے پاس جادو کی ایسی کون سی چھڑی ہے جو چند ماہ میں سب کچھ تہ و بالا کر دے گی۔ صدر زرداری کی طرف سے بھی اعلان کیا گیا ہے کہ فی صوبہ 8 ڈیم کے حساب سے 32 نئے ڈیم تعمیر کئے جائیں گے، امید ہے مقتدر حلقوں کی طرف سے اس بار کئے جانیوالا وعدہ ایفا ہو گا۔ وزیر اعظم کا فرمانا ہے کہ "قوم دعا کرے کہ لوڈشیڈنگ کا جلد از جلد خاتمہ ہو جائے"۔ وزیر اعظم کی معصومیت اور بھولپن اپنی جگہ مگر کوئی ہمارے چارہ سازوں کو یہ اطلاع دے کہ دعاؤں سے تقدیریں نہیں بدلا کرتیں بلکہ دعاؤں سے لوگوں کے ضمیر بدلتے ہیں اور دعا کرنے کی ضرورت خود ان کو ہوتی ہے جن کا بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ عوام کی دعاؤں سے اگر بحران ٹلتے تو ہم کیوں مسلسل ساٹھ سالوں سے دعاؤں کے باوجود بحرانوں کی زد میں ہوتے۔

(اگست 2009ء)

☆☆☆☆☆☆☆

شوگر مافیا کو بیوروکریسی نے بچالیا!

ان خونخوار درندے جن کے منہ کو گذشتہ کئی سالوں سے پاکستانی غریب عوام کا خون لگ چکا ہے اور جن پر وحشت و درندگی کا خصوصی دورہ عموماً رمضان المبارک کے مقدس و مطہر مہینے سے پہلے پڑتا ہے، ایک مرتبہ پھر رمضان المبارک سے پہلے حرکت میں آئے اور ان شیطانی چیلوں نے اس مرتبہ چینی پر حملہ کیا۔ یوں تو تمام اشیائے خورونوش ان کی درندگی کی بھینٹ چڑھ چکی تھیں لیکن اس مرتبہ بطور خاص چینی کو کیوں نشانہ بنایا گیا اس کی تفصیلات بڑی لرزہ خیز لیکن عام پاکستان کے لئے فی الحال ناقابل یقین ہیں کہ وہ اس کا ایک عرصہ سے شکار ہوتا آرہا ہے۔ یہ شیطانی ڈریکولا پاکستانی عوام کا اتنا خون پی چکے ہیں کہ اب وہ انہیں اپنا خون پلانے کا عادی ہوتے جارہے ہیں۔

اگست کے پہلے ہفتے تک چینی بازار میں 35 روپے کلو تک آسانی سے دستیاب تھی لیکن پہلے ہفتے سے ہفتے میں اس کی قیمت 50 تا 55 روپے فی کلو ہوگیا جو سمجھ سے باہر تھا، لوگ حیران تھے اس مرتبہ چینی کا قحط کیوں پیدا کیا گیا جبکہ حکومت کی طرف سے اس ضمن میں کبھی کچھ نہیں کہا گیا اور نہ ہی حکومت کے بہترین دماغوں کے باوجود ہمارے ہاں اجناس کی پیداوار اچھی ہی ہوتی ہے شبہ ہونا قدرتی امر تھا کہ اس نعمت خداوندی میں لٹیرے چیلوں چانٹوں کی

سازش کے باوجود غریب پاکستانی قحط کا شکار نہ ہوں لیکن یہ شیطانی ٹولہ اپنی خرمستیوں سے باز نہیں رہتا۔

شوگر مافیا نے اس مرتبہ جو طریق واردات اپنایا اس کی تفصیلات چونکا دینے والی ہیں، ان لوگوں نے کوشش کی تھی کہ اس مرتبہ رمضان المبارک میں چینی کے نرخ 60 روپے کلو تک پہنچ جائیں جس کے لئے سرکاری ایوانوں میں موجود ان کے ساتھیوں اور شوگر مافیا کے گرتا دھرتا نمک حلالوں کی مختلط حکمت عملی کے ذریعے اقتصادی رابطہ کمیٹی ECC کو نظر انداز کیا گیا، گذشتہ 9 ماہ کے دوران ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان (ٹی سی پی) کی فیصلہ سازی میں بیوروکریسی کی گنی اور شوگر ملز مالکان اور تاجروں، جو سب سیاستدانوں کے اہلخانہ سے وابستہ ہیں کے لئے اربوں روپے کے فائدے کے لئے ملک میں چینی کی قیمتوں میں ناقابل اعتبار حد تک اضافے کا ہدف حاصل کیا گیا۔ ٹی سی پی کے ذرائع اور چینی کے ماہر تاجروں کے مطابق چینی کی قیمتوں میں انتہائی حد تک اضافے کا منصوبہ گذشتہ سال اس وقت بنایا گیا جب پاکستان کی سالانہ شوگر رپورٹ برائے 2009-10ء میں پیش گوئی کی گئی کہ ملک کی سالانہ 4.35 ملین ٹن کے مقابلے میں پیداوار 3.65 ملین ٹن رہے گی، لہٰذا سات لاکھ ٹن کی قلت کا امکان تھا۔ چینی کی نمایاں قلت کا علم پہلے سے ہی ہو جانے سے حکومت کی اقتصادی رابطہ کمیٹی (ECC) کو اس بات کا موقع دیا گیا کہ وہ جلد از جلد مناسب ٹیرف پر صاف اور خام چینی کی درآمد کے لئے آرڈر جاری کر کے طلب اور رسد کے فرق کو ختم کرے۔ یہ ایک ایسا اقدام تھا جس سے چینی کی قیمتیں مناسب حد پر برقرار رہتیں۔ شوکت ترین کے تحت اقتصادی رابطہ کمیٹی نے ٹی سی پی کو ہدایت دی کہ وہ اپنے چینی کے ذخائر کو بہتر بنانے کے لئے دو لاکھ ٹن چینی درآمد کرے اور تخمینہ لگاتے ہوئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس عمل کو فوراً مکمل کیا جائے کیونکہ آئندہ ہفتوں میں چینی کی عالمی قیمتوں میں اضافے کا امکان تھا۔ اقتصادی رابطہ کمیٹی کا اجلاس تین فروری 2009ء کو بھی ہوا جس میں ٹی سی پی کو محتاط ہدایت دی

مقامی کیا اپنے ذخائر سے یونیٹی سنورز کو ایک لاکھ ٹن چینی جاری کرے تاکہ چینی کی بڑھتی قیمتوں کو
روایت کو ختم کیا جا سکے۔

چینی کی قیمتوں کی فوائد پر پھلنے پھولنے والے بااثر شوگر مل مالکان اور ڈیلرز جانتے تھے کہ
صدر آمد ہوا تو اقتصادی رابطہ کمیٹی کا فیصلہ چینی کی قیمتوں میں تیزی سے اضافے کے رجحان
روایت ختم کر دے گا اور اگر ای سی سی کا فیصلہ کچھ عرصے کے لئے ملتوی کر دیا جائے تو اس سے
چینی کی خرید و فروخت کے نتیجے میں ان کی قسمت کو چار چاند لگ جائیں گے۔ ان بااثر کھلاڑیوں
کے لابی گروپ نے سرکاری حلقوں میں اپنا کام دکھایا، ایک طرف ٹریڈنگ کارپوریشن آف
پاکستان نے دو لاکھ ٹن چینی کی فوری درآمد کے فیصلہ پر عارضی طور پر عملدرآمد روک دیا اور اپنے
ذخائر سے یونیٹی سنورز کو ایک لاکھ ٹن چینی بھی جاری نہیں کی جبکہ دوسری طرف اقتصادی رابطہ کمیٹی
نے فیصلہ کیا کہ چینی کی درآمد کے حوالے سے ای سی سی کے فیصلے پر عملدرآمد نہ کرنے پر ٹی سی پی کی
جانب سے نامزد دو پراسرار افسران سے جارحانہ انداز میں سوالات نہیں کئے جائیں گے۔

2009ء ہونے والے اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس میں ٹی سی پی کی کمچائی نہیں
[illegible] ای سی سی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یونیٹی سنورز کو 34 روپے فی کلوگرام کے
[illegible] چینی جاری کرنے کے پہلے کے احکامات کی بجائے چینی 38 روپے فی
[illegible] اس اقدام کا مقصد مقامی مارکیٹ میں چینی کی قیمتوں کے
[illegible] بات اسے مزید پراسرار بناتی ہے وہ یہ ہے کہ ای
[illegible] 38 روپے فی کلوگرام سے کم نرخوں پر چینی فروخت کرنے
[illegible] چینی کی قیمتیں ریکارڈ سطح یعنی 52 روپے فی
[illegible] چینی کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے فروری

میں، جب عالمی منڈی میں قیمتیں درمیانی سطح پر تھیں، چینی کی درآمد کے لئے دیا جانے والا آرڈر ٹی سی
پی کی بورڈ کمیٹی میں پھنسا ہوا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مئی اور جون میں 50 ہزار ٹن چینی کی
درآمد کے لئے ٹی سی پی کی جانب سے جاری کئے جانے والے ٹینڈر کو بھی ٹی سی پی کی جانب سے
منسوخ کر دیا گیا، جس کی وجہ سے بھی چینی کی قیمتوں میں مزید اضافہ ہوا۔ چینی کی بااثر کی جانب سے
اٹھائے جانے والے فائدے کی یہ ایک اور مثال ہے۔

اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس کی صدارت کرنے والے وفاقی وزیر خزانہ شوکت ترین نے اس
سلسلے میں معروف تجزیہ نگار کامران خان سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "یہ سنجیدہ نوعیت کا معاملہ
ہے اور اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس میں ہم نے ٹی سی پی کی جانب سے ای سی سی کے فیصلے کی
خلاف ورزی کی تحقیقات کا حکم دیا ہے"۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ "اس بات میں کوئی شک وشبہ
نہیں ہے کہ ٹی سی پی کی جانب سے ای سی سی کے فیصلے کی کھلی خلاف ورزی نے ملک بھر میں چینی کی
قیمتوں میں زبردست اضافے میں کردار ادا کیا ہے"۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ
زبردست منافع کی خاطر چینی کے بڑے ذخائر کی ذخیرہ اندوزی کی گئی ہے۔ انہوں نے اس بات کا
انکشاف کیا کہ انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ یونیٹی سنورز کو اپنے ذخائر سے ایک لاکھ ٹن چینی جاری
کرنے کے لئے ٹی سی پی کو ای سی سی کی جانب سے دی گئی ہدایت پر عملدرآمد میں تاخیر کرنے کی
ہدایت ایک بااثر وفاقی وزیر نے دی تھی۔ انہوں نے مذکورہ وزیر کا نام نہیں بتایا تاہم اتنا کہا کہ اس
سلسلے میں تحقیقات ہو رہی ہیں۔ انہوں نے آگاہ کیا کہ انہوں نے اب ٹی سی پی کو ہدایت دی ہے
کہ وہ ای سی سی کے پہلے فیصلے کے تحت ہر ماہ 38 روپے فی کلوگرام کے خوردہ نرخ پر یونیٹی سنورز کو
70 ہزار ٹن چینی جاری کرے۔ انہوں نے کہا، "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم اس بات کو یقینی
بنائیں گے کہ یونیٹی سنورز سے چینی بھاری منافع کمانے والوں کی بجائے عام لوگوں تک پہنچے
اس سے پہلے ملک میں چینی کی قیمتوں میں زبردست اضافے کو یقینی بنانے کے لئے انتہائی

حامد
اردو فینز
کیلئے

پڑنے۔ 14 اگست کو ان درندوں کے خلاف سرچ آپریشن شروع ہوا جس میں پنجاب کے مختلف شہروں سے 11 افراد کی تعداد میں چینی کی بوریاں گوداموں سے برآمد کی گئیں۔

ساری قوم میاں شہباز شریف سے اس اقدام پر ان کو خراج تحسین پیش کر رہی تھی اور امید کر رہی تھی کہ وہ اس ضمن میں ایسی مثال قائم کریں گے کہ لوگ انہیں ہمیشہ یاد رکھیں لیکن یہ روگردنی آڑے آئی اور ان مجرموں کو خاصی چھوٹ مل گئی۔

کاش پنجاب کے وزیراعلیٰ یہ روایت قائم کریں کہ جس علاقے سے اسی طرح سٹاک کی گئی اجناس برآمد ہوں وہ مائکان کے سامنے اسی علاقے کے محتاجوں اور مجبوروں میں مفت تقسیم کر دی جائیں لیکن "بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون؟"

(ستمبر 2009ء)

شاطرانہ اقدامات کئے گئے جو مختلف وابستگیاں رکھنے والی بااثر لابی نے گذشتہ سال تجربہ میں اس وقت سنریفک اقدامات کئے جب طلب اور رسد کے فرق کو ختم کرنے کے لئے خام چینی درآمد کرنے کی تجویز متعلقہ سرکاری محکموں کی جانب سے مسترد کر دی گئی۔

چینی کی تجارت سے وابستہ ذرائع کے مطابق کم رسد کی وجہ سے چینی کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے جبکہ رمضان کی وجہ سے چینی کی طلب میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری طرف شوگر کمپنیوں اور بڑے ڈیلروں کی جانب سے ایڈوانس فروخت اور ایڈوانس ڈیلوری کے نام پر بڑی مقدار میں چینی کی ذخیرہ اندوزی کی جا رہی ہے۔ فرینڈ انڈسٹری کے ایک باخبر ذریعے کے مطابق "یہ لوگ رمضان المبارک کے آغاز کے لئے چینی کے بڑے ذخائر محفوظ کر رہے تھے اور جب قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہوں گی اس وقت یہ ذخیرہ کیا ہوا سٹاک مارکیٹ میں جاری کیا جائے گا تاکہ زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے"۔ وزیر خزانہ شوکت ترین کا کہنا ہے کہ اہم کھلاڑیوں کی جانب سے کی جانے والی اس ذخیرہ اندوزی نے چینی کی قیمتوں کے حوالے سے ملک میں بحرانی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے لیکن اس مرتبہ کے سکینڈل میں چینی کی قیمتوں میں ہونے والے اضافے کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی کیونکہ ہر پاکستانی صارف کو انتہائی ضرورت کی چیز کے لئے انتہائی بھاری قیمت ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ یہ ہی ایک سکینڈل پرویز مشرف کی ناک کے نیچے سامنے آیا تھا جب چینی کی قیمت اس وقت کی انتہائی حد یعنی 35 روپے فی کلوگرام تک پہنچ گئی تھی۔ قومی احتساب بیورو (نیب) کی تفتیش کے نتیجے میں اس سکینڈل میں پرویز مشرف حکومت کے کچھ قریبی ساتھیوں کے نام سامنے آئے تھے۔

[illegible] نے اس رپورٹ کی اشاعت سے اگلے ہی روز 14 اگست کو [illegible] اپنی دانست میں خود کو بالکل محفوظ سمجھ کر اگلی [illegible] پنجاب میں شہباز شریف آفت ناگہانی بن کر ان

پاکستانی معیشت کا کینسر

1689ء میں یہودیوں نے اپنی سازشوں اور مالی امداد سے ہالینڈ کے ایک باشندے William Stradholder کو انگلستان کا بادشاہ بنوا دیا تھا اور اسے کاروبار مملکت چلانے کے لئے ساڑھے بارہ لاکھ پاؤنڈ قرض بھی دیا تھا۔ اس احسان کا بدلہ چکانے کے لئے اس بدیسی بادشاہ انگلستان نے یہودیوں کو "بنک آف انگلینڈ" قائم کرنے کا چارٹر عطا کیا اور اس بنک کو ایسی ایسی ناجائز مراعات دیں جو انگلستان کو یہودیوں کے ہاتھ کوڑیوں میں فروخت کر دینے کے مترادف تھیں۔ ہمارے زمانے کے بنک اسی بنک آف انگلینڈ کی ذریت ہیں۔ اسلام میں سودی کاروبار حرام ہے اور جہاں پاکستان میں بنکوں کو کام کرنے کی اجازت دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، مگر پاکستان اتنے مشکل حالات میں بنا تھا اور اتنے مسائل کا شکار تھا کہ یہاں کی حکومت سود کے خاتمے کی طرف فوری توجہ نہیں دے سکی۔ پھر بھی قائداعظمؒ نے سٹیٹ بنک کے ریسرچ ڈیپارٹمنٹ میں [illegible] یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ ڈیپارٹمنٹ پاکستانی مالیاتی نظام کو اسلامی اقدار کے سانچے میں [illegible] مگر قوم کی بدقسمتی نے وفا نہیں کی اور ملک لٹیروں کے ہاتھ میں چلا گیا تو بنکوں [illegible] اسی طرح کا کنٹرول بنایا جانے لگا اور انہیں ملک کی دولت لوٹنے کا

پورا پورا موقع فراہم کیا گیا۔ بنکوں نے بھی دانستہ Bad Debts دے دے کر اور پھر معاف کر کے صاحبان اختیار کی جیبیں رشوت سے بھر دیں۔ اب اس وقت ملک کی مالیاتی صورت حال یہ ہے کہ جتنے کرنسی نوٹ سٹیٹ بنک میں ذخیرے میں ہیں یا نئے چھاپ کر سٹیٹ بنک میں جمع کئے جاتے ہیں وہ "منی مارکیٹ" کے کنٹرول میں ہیں اور حکومت اور عوام کے پاس صرف وہ کرنسی نوٹ ہیں جو پہلے سے ان کے درمیان زیر گردش ہیں۔ یہ ایک "جوئے کم آب" ہے جو عوام اور حکومت کے درمیان چکر لگاتی رہتی ہے۔ بڑھتی ہوئی آبادی یا ضروریات کے تناسب اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اگر اضافہ ہوتا ہے تو وہ سودی قرض کی صورت میں ہوتا ہے جو حکومت/عوام سٹیٹ بنک/بنکوں سے لیتے ہیں اور جتنا لیتے ہیں معہ سود اس سے زیادہ واپس کرتے ہیں جس کے نتیجے میں حکومت اور عوام کے درمیان زیر گردش کرنسی نوٹ مزید کم ہو جاتے ہیں جبکہ آبادی اور ضروریات بڑھ چکی ہوتی ہیں۔ اس سے حکومت اور عوام غریب سے غریب تر ہو جاتے ہیں۔ ان دو فریقوں، حکومت اور عوام، میں چونکہ حکومت طاقتور اور عوام کمزور ہیں اس لئے حکومت زیر گردش کرنسی نوٹوں کا بڑا حصہ ٹیکسوں کی شکل میں عوام سے جبراً لے لیتی ہے اور انہیں مفلسی کے سمندر میں غوطے کھانے کے لئے چھوڑ دیتی ہے اس طرح پاکستان کی آبادی دو طبقات میں تقسیم ہو گئی ہے۔

1۔ عیش و عشرت میں غرق حکمران اور 2۔ مفلسی کا شکار عوام۔ دولت کی فراوانی سے حکمرانوں میں بے انتہا اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جبکہ مفلسی کے شکار عوام ہر طرح کے مجرموں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان کے دشمنوں خصوصاً بھارت اور اسرائیل نے اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ بھارت نے پاکستان کو حالتِ جنگ میں رکھ کر حکومت پاکستان پر اخراجات کا پہاڑ لاد دیا ہے جو ان کے عیش و عشرت پر ہونے والے اخراجات کے علاوہ ہے جبکہ اسرائیل نے ان اخراجات کو پورا کرنے کے لئے پاکستان کو بیرونی قرضوں کے جال میں پھنسوا دیا۔ واضح ہو کہ تمام بین الاقوامی قرض دینے والے ادارے یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں۔ پھر قرضوں کے دباؤ

میں پاکستان کے حکمرانوں سے پاکستان کی اسلامی حیثیت ختم کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے لئے انگلش میڈیم تعلیمی ادارے کو استعمال کر رہے ہیں۔ ٹی وی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم و بیش کم از کم ارکان حکومت کا نصف کو قومی لباس اور انگریزی کو حکومت کی زبان بنا چکے ہیں۔ ٹیلی ویژن پر آنے والی خواتین سے ان کی زینت کی چیزیں جنہیں اللہ نے چھپانے کا حکم دیا ہے ظاہر کروائی جا رہی ہیں۔ عورتوں کا مرد اینکرز سے ملاپ کرایا جا رہا ہے (معذرت چاہتی کے) اور مخلوط تعلیمی ادارے قائم کئے جا رہے ہیں جبکہ خود انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں عورتوں اور لڑکیوں کے لئے ہیجدہ ہسپتال اور تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں ان کے پردے کا اطمینان بخش انتظام ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ زمینوں میں عورتوں کے لئے ہیجدہ ڈبے ہوتے تھے جہاں وہ اطمینان سے لیٹ بیٹھ سکتی تھیں۔ پاکستان میں یہ سب تکلف ختم کر دیا گیا ہے۔ ہمارے حکمران انگریزوں سے زیادہ انگریز بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان سب کوششوں کے پس پردہ ان کی اسلامی پابندیوں سے آزاد ہونے کی خواہش ہے کہ جو جی چاہے کریں انہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے پوچھنے والے تو مغربی معاشرے میں بھی ہوتے ہیں البتہ جنسی آزادی پر وہاں روک ٹوک نہیں ہوتی مگر باہمی رضامندی شرط ہے۔

پاکستان قدرتی وسائل اور دیگر ذرائع آمدنی سے مالا مال ہے اور اسے قرضوں کے جال سے نکال کر ترقی یافتہ فلاحی مملکت بنانا بہت آسان ہے، اس کے لیے صرف سودی کاروبار کو غیر قانونی قرار دے کر کرنسی کو حکومت کے کنٹرول میں لانا ہوگا جس کے لئے سٹیٹ بنک کو "بنکوں کے بنک" کے بجائے "قومی بنک" بنانا ہوگا اور اسے ہمیشہ کرنسی سے بھرا ہوا رکھنا ہوگا۔ اس کے بعد حکومت اپنے اخراجات پورے کرنے سے ترقی یافتہ فلاحی مملکت بنانے کے لئے قومی خزانے کو

بلاخوف "افراط زر" استعمال کرے اور عوام سے کوئی ٹیکس نہ لے۔ اس طرح حکومت اور عوام دونوں کے پاس سرمائے کی فراوانی ہوگی۔ پیپک اور پراپرٹی دونوں سیکٹروں میں تمام تر ترقی اور خوشحالی کا سرا ایک ہاتھ شوگر مل سے جا ملے گا۔ یہ انگلستانی کا کام دنیا ان سے بچے گا قوم سے بچے کی نصف سے زیادہ زندگی ان سے سرپرست خریدیں گے۔ پیداوار میں حیرت انگیز اضافہ ہوگا۔ ہماری سستی پیداوار مصنوعات دنیا کی منڈیوں میں خوش آمدید کہا جائے گا اور ہم آئندہ بھی یہ ان ممالک کے ساتھ اداکاریوں سے متوازن کاروبار نہیں ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

ابتدائی چند سالوں کے علاوہ پاکستان میں جمہوریت نہیں بلکہ یہ ان کی حکومت رہی ہے جو عوام کی سادگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریزوں کے قدیم فارمولے تقسیم کرو اور حکومت کرو (Divede and Rule) پر عمل کر کے اقتدار پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر قدرتی وسائل سے دولت پیدا کرنے کے بجائے ملک میں موجود دولت دونوں ہاتھوں سے لوٹنے میں لگ جاتے ہیں۔ یہ لٹیرے پاکستان میں نفاذ اسلام کے سخت ترین مخالف ہیں کیونکہ اس سے ان کے لوٹ مار کے مواقع جاتے رہیں گے اور یہ اب تک نہ صرف نفاذ اسلام کو روکنے میں کامیاب رہے ہیں بلکہ انہوں نے قوم کے اخلاق کو اتنا خراب کر دیا ہے کہ وہ اب نفاذ اسلام کا تقاضہ بھی نہیں کرتی اور تقدیر پر صابر و شاکر ہو کر بیٹھ گئی ہے۔

جب لٹیروں کی بری حکومت عوام کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو فوج کو مداخلت کرنی پڑتی ہے۔ فوج کے حکومت میں آنے پر عوام مٹھائی بانٹتے ہیں اور حکومت کو استحکام حاصل ہو جاتا ہے مگر یہودیوں کے آلہ کار بین الاقوامی سازشی فوجی حکومت کو بھی چلنے نہیں دیتے۔ کیونکہ پاکستان کو تباہ کرنا ان کے پیش نظر ہے، عوام کی بدقسمتی سے ملک میں عوام دوست لیڈروں کا قحط ہے اور جو بطور استثنیٰ ہیں بھی ان کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مانند ہے۔ پاکستان میں مذہب ایک بڑی طاقت ہے مگر فرقہ بندی نے مذہبی قوتوں کی ہوا اکھاڑ دی ہے اور انہیں غیر مؤثر

ترکے کا وہ حصہ جو قرآن کی سورۃ نساء کی آیت 11 اور 12 اور سورۃ نساء کی صدا اور 22 (وضاحتی) نکات کو اس طرح آئین میں دفن کیا گیا ہے کہ اس کو
ہی ہو جائے۔ پاکستان میں یہ بین دین 62 سال سے زور و شور سے جاری ہے اور مذہب کے
ٹھیکہ دار اس کے حق میں فتوے دینے والے بیٹھے ہیں۔ ذرا آواز نہیں نکالتے بروز حشر یہ اللہ کو کیا جواب دیں
ہمیشہ رہنے والی ہیں مگر انہوں نے کبھی تحقیق کر کے عوام کو جلسہ ہائے عام میں نہیں بتایا کہ
ہے یہ سب حرام ہیں۔ ان کی غربت، افلاس اور تمام مصائب اور حکومت کی کشکول برداری ملک پر مسلط سودی نظام کی
ہوتے ہے اگر یہ تحریک چلاتے تو عوام ججوں کی بحالی کی تحریک سے زیادہ ان کا ساتھ
دینے اور عوامی تحریک کے سیلاب میں سودی نظام مالیات جھاگ کی طرح بہہ جاتا مگر ہمارے
ہے کرنے جو یہ بینک کے مضرات پر کوئی تحقیق نہیں کی۔ کیا تو یہ کیا کہ اسلامی بینکنگ کے
جائز ہونے کا فتویٰ دے دیا جس سے اسلامی بینکنگ کی ایک کھڑکی کھول کر سودی بینکنگ زور و شور
سے جاری ہے اور پاکستان میں روز ایک نیا بینک مع اسلامی بینکنگ کی کھڑکی کے کھل رہا ہے۔
سودی بینکنگ کے جائز ہونے کا فتویٰ دینا ایسا ہے جیسا تاڑی (تاڑ کے درخت سے نکلنے والا نشہ
آور مشروب) پینے کے جائز ہونے کا فتویٰ دینا جبکہ شراب پینے سے بچنے کے لئے تاڑی پینے سے بچنا
ضروری ہے یا جوئے سے بچنے کے لئے سگریٹ سے بچنا ضروری ہے ورنہ ایک قدم اٹھا لینے کے
بعد اور قدم اٹھانا آسان ہو جاتا ہے۔ خود امریکہ والوں نے تحقیق کر کے دنیا پر یہودیوں کے
سے کا سبب سودی نظام کو بتایا ہے اور آج جو مالیاتی بحران آ رہے ہیں وہ بھی اسی نظام کے سبب
سے ہیں۔ یہ کہاں تک نہیں لے جاتے ہیں۔ مفصل معلومات کے لئے صرف ایک کتاب
"Pawns in the game" کا مطالعہ کریں جو امریکن William Guy Carr نے
لکھی ہے۔

[illegible] معلومات دی گئی ہیں ان کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ مراعات

یہودیوں کو انگلستان سے ایک بادشاہ ولیم آف آرنج نے دی تھیں جب انگلستان کا شہری نہ ہونے
کے باوجود یہودیوں نے انگلستان کے تخت پر بٹھایا تھا۔ وہ نے یہ مندرجہ ذیل مراعات بنکوں کو
کیوں دی ہوئی ہیں جن کی وجہ سے دوسرے عوام بھوکے مر رہے ہیں اور حکومت دنیا میں بھیک مانگتی
پھر رہی ہے؟ جبکہ انکی قدرتی وسائل، انسانی لیاقت، محل وقوع وغیرہ کی بنیاد پر پاکستان کو دنیا کے
امیر ترین ملک بنایا جا سکتا ہے۔

☆ ہم نے اپنی کرنسی کا مکمل اختیار بنکوں کے ہاتھ میں یوں دیا ہوا ہے کہ حکومت بھی
اسے خرچ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی جبکہ بنک اسے سود پر چلاتے ہیں (IMF پاکستان کی معیشت کا
گلا گھونٹنے کے لئے اس کی بھی مخالفت کرتی ہے کہ یہ کرنسی حکومت کو بطور سودی قرض بھی دی
جائے)۔

☆ ہم نے عوام کے ڈیپازٹ کا 90% بنکوں کو سود پر چلانے کا اختیار کیوں دیا ہوا ہے۔

☆ ہم نے عوام کے Deposit سے دس گنا زیادہ کی پرائیویٹ کرنسی (مشتہر
کریڈٹ کارڈ، قرض کی چیک بک) بنکوں کو سود پر چلانے کی اجازت کیوں دی ہوئی ہے۔

☆ ہم نے بنکوں کو کھاتے داروں (Depositors) اور قرضہ داروں سے من مانے
Charjges وصول کرنے کی اجازت کیوں دی ہوئی ہے۔

بنک کس طرح ملک کو لوٹ رہے ہیں اس کا پتہ اسمبلی میں پوچھے گئے صرف ایک (مندرجہ
ذیل) سوال سے چل جائے گا

"یہ معلومات سٹیٹ بنک سے حصال کر کے بتائی جائیں کہ بنکوں کے مالکان نے پاکستان
میں اپنا بنک قائم کرنے میں اپنا کتنا سرمایہ لگایا اور انہیں ہر سال ٹیکس ادا کرنے سے پہلے اور بعد کتنا
منافع ہوا؟ (آسانی کے لئے صرف پچھلے پانچ سال کے اعداد و شمار حاصل کئے جائیں)"

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ملک میں سودی کاروبار مع اسلامی بینکنگ کو غیر قانونی قرار

حامد
اردو نیوز
کیلئے

پاکستان کو بنجر کرنے کا خوفناک بھارتی منصوبہ

پانی انسانیت کی بقا کے لئے کتنا ناگزیر ہے اس کا اندازہ شاید پیاس سے مرنے والوں نے ضرور لگایا ہوگا کیونکہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ اس موت کی شدت کو الفاظ میں بیان کر سکے، آپ نے افریقہ کے صحراؤں کی وہ تصاویر دیکھی ہوں گی جہاں ریت پر گرائے جانے والے مکئی کے دانے لوگ ایک دوسرے کو کچلتے ہوئے اکٹھے کرتے ہیں کہ اُن کی زمینیں پانی کی کمی سے بانجھ ہو چکی ہیں، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارا حال کیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بھارت نے پاکستان کو پانی سے محروم کر کے ایک ایسی جنگ کا آغاز کر دیا ہے جس کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

قوم کو یاد ہی ہوگا کہ ہمارے صدر کے دورہ امریکہ میں من موہن سنگھ نے یہ کہہ کر ہم سب کا من موہ لیا تھا کہ ''سندھ طاس معاہدے پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے گا''۔ کیا ہوا، جو اس نے چناب کا پانی روکنے کے لئے غیر قانونی طور پر دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم تعمیر کر لیا ہے۔ دریائے سندھ کا 40 فیصد پانی ایک خفیہ سُرنگ کے ذریعے چوری کر کے دریائے برہم پترا میں ڈال رہا ہے اور اس سے بھی معاہدے کی روح پر بھلا کیا اثر پڑے گا کہ وہ دریائے سندھ کے

اسے دیں وقت کی کابینہ تشکیل دے اور یہ امن و آشتی اور خوشحالی اور فارغ البالی کا گہوارہ بن جائے
ے۔ اس سے پہلے مندرجہ ذیل اقدام اٹھانے ہوں گے

1. بینک کو قومی خزانہ قرار دینا ہوگا۔
2. ملک کو ترقی یافتہ فلاحی مملکت بنانے کے لئے حکومت کو اس خزانے کو استعمال کرنے کا پورا
نیہ دینا ہوگا۔
3. حکومت کو تمام ٹیکس ختم کرنے ہوں گے کیونکہ وہ اپنا خرچ عوام کے خزانے سے پورا کر رہی
ہوگی۔
4. تمام بینک اکاؤنٹس میں روپیہ رکھنے کی فری سہولت دینا ہوگی۔

(ستمبر 2009ء)

حامد
اردو فینز
کیلئے

اور سندھ کی سوا کروڑ زراعتی پانی کی کمی سے دوچار ہے۔ یہی صورت حال برقرار رہی تو خدانخواستہ خدشہ ہے کہ کہیں یہاں ایتھوپیا اور صومالیہ جیسے حالات پیدا نہ ہو جائیں اور شاداب کھیت اور آباد علاقے طرح ہماری انتہائی زرخیز زرعی زمینیں ایک دن ویران اور بے آباد نہ ہو جائیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ اس سنگین صورت حال پر کوئی بات بھی نہیں کر رہا۔ پچھلی حکومت سے تو خیر کسی کو کوئی امید ہی نہیں تھی لیکن موجودہ حکومت ؟ ایک خاموشی ہے۔ یہ بات کے جواب میں کیا اس مسئلے سے کرتا دھرتا اس خاموشی کا کوئی تسلی بخش جواز پیش کر سکتے ہیں؟

برصغیر کی تقسیم کے بعد دونوں ملکوں کے مابین 18 دسمبر 1947ء کو ایک معاہدہ کیا گیا جس کی رو سے دونوں ممالک کے درمیان پانی کی تقسیم ملکوں کی تقسیم سے پہلے والی پوزیشن ہی پر رکھنی تھی لیکن آٹھ ماہ سے بھی کم مدت کے اندر بھارت نے بغیر کسی پیشگی اطلاع کے آب پاشی کے لئے مخصوص ہر اس نہر کو بند کر دیا جو فیروز پور اور گورداس پور سے نکل کر دونوں ملکوں کی سرحد عبور کرتی تھی۔ بھارت کی اس کارروائی کے باعث پاکستان کی کھڑی فصلوں کو شدید نقصان پہنچا۔ بھارت کا مطالبہ تھا کہ بھارتی پنجاب سے گزرنے والے تمام دریاؤں پر پاکستان، بھارت کا حق تسلیم کرے اور ان کے پانی پر پاکستان (پنجاب) کے باشندوں کے حق اور حصے کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے برعکس پاکستان کا مطالبہ تھا کہ پانی کے استعمال یا کھپت کی موجودہ صورت حال جوں کی توں رہنے دی جائے، البتہ زائد پانی کو دونوں ممالک کے رقبے اور آبادی کے لحاظ سے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کے اس مطالبے کو متعدد معاہدوں اور ملکوں کی حمایت حاصل تھی لیکن اپریل 1948ء کو بھارت نے ایک بار پھر پاکستان کو دریاؤں کے پانی کی فراہمی روک کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ کسی معاہدے اور اخلاقیات کو نہیں مانتا۔ اس آبی بحران سے نمٹنے کے لئے پاکستان کے ایک وزارتی وفد کو نئی دہلی کا ہنگامی دورہ کرنا پڑا اور پانی کی بحالی کے لئے بات چیت کرنا پڑی۔ ان مذاکرات میں بھارت نے اصرار کیا کہ مشرقی جانب سے آنے والے تمام دریاؤں پر پاکستان، بھارت کی

اوپر کارگل کے مقام پر ایک بہت بڑا کارگل ڈیم بنا رہا ہے، جو دنیا کا تیسرا بڑا ڈیم ہوگا۔ جس کی قید کے بعد دریائے سندھ کی حیثیت ایک برساتی نالے سے زیادہ نہیں رہ جائے گی۔ بھارت دریائے سندھ میں گرنے والے ندی نالوں پر بھی 14 چھوٹے ڈیم بنا رہا ہے۔ اسی طرح جہلم سے ایک اور بگلیہار سے دو نہریں نکال کر راوی میں ڈالی جا رہی ہیں اور راوی کا پانی ستلج میں ڈال کر راجستھان لے جایا جا رہا ہے۔ جہلم پر 12 اور چناب پر مزید 20 چھوٹے ڈیم بنائے جانے کے منصوبوں پر بھی کام جاری ہے اور یہ تمام آبی تجاوزات ان دریاؤں پر ہو رہی ہیں، جو سندھ طاس معاہدے کے تحت پاکستان کے حصے میں آئے ہیں اور معاہدے کے مطابق ان دریاؤں کے پانی روکنے اور ان پر ڈیم بنانے کا بھارت کو کوئی حق نہیں ہے لیکن ظاہر ہے ان چھوٹی بڑی خلاف ورزیوں سے معاہدے کی روح پر بھی کیا اثر پڑتا ہے، جب ہی تو حکومت اتنی مطمئن نظر آ رہی ہے۔ یہ "سرکاری خاموشی" بھارت کو مزید شہ دینے کے برابر ہے، جو ہمارے ملک کو دھیرے دھیرے صحرا بنانے کے منصوبے پر کام کر رہا ہے۔

بھارت کی تاریخ عہد شکنی سے عبارت ہے، اس نے کبھی کسی معاہدے اور قانون کی پابندی نہیں کی چاہے وہ مسئلہ کشمیر ہو، سرکریک تنازع ہو یا آبی مسائل، وہ ہر مسلح کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کا خواہش مند نظر آتا ہے لیکن برسوں کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ کسی بھی مسئلے کا حل میز پر بیٹھ کر پیدا کر دینے کا یہی بہترین ہتھکنڈا ہے، جسے بھارت مہارت سے استعمال کرتا ہے۔

یہ [illegible] بھارت کا [illegible] دریائے چناب کے پانی میں سے سات سے [illegible] پانی بھارت [illegible] چوری کر رہا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ پنجاب کی اس [illegible] میں ریت اڑ رہی ہے۔ ساہیوال، اوکاڑہ، ملتان، ایسٹرن بار [illegible] پر [illegible] نہیں تو دور ہیں۔ جون سے اب تک پنجاب

ملک کا حق تسلیم کرے۔ بھارت کا یہ مطالبہ سراسر غلط تھا، کیونکہ 1921ء کے بارسلونا کنونشن
مطابق جس کا بھارت بھی فریق تھا، کسی بھی ملک کو ایسے دریاؤں کا پانی روکنے یا ان کا رخ
کرنے کا قطعی کوئی حق حاصل نہیں، جو کسی ملک کی سرحد عبور کر کے پڑوسی ملک میں داخل ہوتے
ہیں۔ مذکورہ کنونشن کے مطابق کسی ملک کو دریاؤں کے پانی کی اس حد تک اور اس طریقے سے
شاملی کی بھارت بھی حامی نہیں کہ اس کے پڑوسی ملک کی زمینیں سیراب نہ ہو سکیں یا وہ پوری
دوست طور پر استعمال نہ کر سکے لیکن ہر قاعدے اور قانون سے خود کو ماورا سمجھنے والے
بھارت نے اس کنونشن کو بھی اپنی ٹھوکر پر رکھا۔ بھارتی رویے سے مجبور ہو کر پاکستان نے بین
الاقوامی عدالت انصاف سے رجوع کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس دوران بھارت نے دریائے
راوی پر مادھوپور ہیڈ ورکس سے آگے بریک کے مقام پر بیراج کی تعمیر شروع کر دی
دوسری طرف دریائے ستلج پر بھی کام شروع کر دیا۔ پاکستان کی ہر کوشش، ہر اعتراض اسے مسترد کر دیا

دریائے سندھ کے پانی کے تنازع کے حل کے لئے مذاکرات کی غرض سے اپنے دفتر کی خدمات پیش کر
دیں۔ یہ مذاکرات مئی 1952ء میں عالمی بینک کی نگرانی میں شروع ہوئے اور یہ تقریباً نو برس تک جاری رہے لیکن کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ 1957ء میں پاکستان نے یہ مسئلہ سلامتی
کونسل میں لے جانے کا فیصلہ کیا، اسے یقین تھا کہ اسے انصاف مل جائے گا لیکن اس سے فوراً بعد
ایوب خان تشریف لے آئے اور آتے ہی مذاکرات میں مصروف پاکستانی وفد کو حکم دیا کہ وہ بینک
کی تجاویز غیر مشروط طور پر مان لیں۔ اختلاف رکھنے والے وفد کو مذاکرات سے نکال دیا گیا اور
تین دریا یعنی 30 ملین ایکڑ فٹ قدرت کا عظیم تحفہ بالآخر بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس سلسلے
میں بھارتی صحافی کلدیپ نائر کی گواہی موجود ہے۔ ان کے الفاظ میں "1951ء میں جب
پاکستان سلامتی کونسل میں جا رہا تھا تو امریکی رضامندی سے معاملہ ورلڈ بینک کو منتقل کر دیا گیا"۔
اس معاہدے کے تحت مغربی دریاؤں (سندھ، جہلم اور چناب) کے پانی پر پاکستان کو حق دار ٹھہرایا
گیا اور دیگر تین مشرقی دریا (راوی، ستلج اور بیاس) بھارت کے حوالے کر دیئے۔ یہ معاہدہ، جسے
انڈس واٹر ٹریٹی (سندھ طاس معاہدہ) کا نام دیا گیا اس پر 19 ستمبر 1960ء کو بھارتی وزیر اعظم
جواہر لال نہرو، اس وقت کے پاکستانی حکومت کے سربراہ صدر ایوب خان اور اس وقت کے صدر

مجوزہ ڈیم کی صورت میں دونوں ممالک ہی مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ دریا (سندھ)
دونوں ممالک کی سرحد کو خاطر میں نہیں لاتا اور ہمیشہ بھارت اور پاکستان سے گزرنے والے اپنے
قدرتی راستے پر گامزن رہتا ہے۔ اس پورے نظام کو بطور ایک اکائی ترقی دی جانی چاہئے اور
امریکہ کی سات ریاستوں کے TVA سسٹم کی طرح بطور ایک اکائی ہی چلایا بھی جانا چاہئے۔
اس وقت کے عالمی بینک کے صدر یوجین آر بلیک نے ڈیوڈ لیلنتھال کو تحریر کردہ آرٹیکلز پڑھے اور ان سے
رابطہ کر کے پوچھا کہ بھارت اور پاکستان کے لئے دریائے سندھ کی تجاویز قابل قبول ہو سکتی ہیں۔ ڈیوڈ
سے مشورت کے بعد صدر عالمی بینک نے دونوں ممالک سے وزراء کے نام طلب کئے اور دریائے
سندھ کے پانی کے تنازع کے حل کے لئے مذاکرات کی غرض سے اپنے دفتر کی خدمات پیش کر
دیں۔ یہ مذاکرات مئی 1952ء میں عالمی بینک کی نگرانی میں شروع ہوئے اور یہ تقریباً نو برس تک جاری رہے لیکن کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ 1957ء میں پاکستان نے یہ مسئلہ سلامتی
کونسل میں لے جانے کا فیصلہ کیا، اسے یقین تھا کہ اسے انصاف مل جائے گا لیکن اس کے فوراً بعد
ایوب خان تشریف لے آئے اور آتے ہی مذاکرات میں مصروف پاکستانی وفد کو حکم دیا کہ وہ بینک
کی تجاویز غیر مشروط طور پر مان لیں۔ اختلاف رکھنے والے وفد کو مذاکرات سے نکال دیا گیا اور
تین دریا یعنی 30 ملین ایکڑ فٹ قدرت کا عظیم تحفہ بالآخر بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ اس سلسلے
میں بھارتی صحافی کلدیپ نائر کی گواہی موجود ہے۔ ان کے الفاظ میں "1951ء میں جب
پاکستان سلامتی کونسل میں جا رہا تھا تو امریکی رضامندی سے معاملہ ورلڈ بینک کو منتقل کر دیا گیا"۔
اس معاہدے کے تحت مغربی دریاؤں (سندھ، جہلم اور چناب) کے پانی پر پاکستان کو حق دار ٹھہرایا
گیا اور دیگر تین مشرقی دریا (راوی، ستلج اور بیاس) بھارت کے حوالے کر دیئے۔ یہ معاہدہ، جسے
انڈس واٹر ٹریٹی (سندھ طاس معاہدہ) کا نام دیا گیا اس پر 19 ستمبر 1960ء کو بھارتی وزیر اعظم
جواہر لال نہرو، اس وقت کے پاکستانی حکومت کے سربراہ صدر ایوب خان اور اس وقت کے صدر

ے کی بنا ہے۔ اس معاہدے کا مقصد 365,000 مربع میل کے علاقے کو سندھ طاس میں واقع دونوں ممالک کے درمیان تقسیم کرنا اور دونوں ممالک کو اپنی اپنی سرحدوں کے اندر پانی کے قدرتی وسیلے کو محفوظ کرنا اور اس کا انتظام کرنا تھا۔ یہ معاہدہ یکم اپریل 1960ء سے مؤثر ہوا۔ اس معاہدے کی شق میں یہ واضح ہے کہ مشرقی دریاؤں کے تمام تر پانی پر بھارت اور مغربی دریاؤں کے پانی پر مکمل طور پر پاکستان کا حق ہوگا۔ پاکستان میں داخل ہونے والے تمام دریاؤں کے پانی اور ان ذیلی دریاؤں کے پانی پر، جو اپنی قدرتی گزرگاہ سے ہوتے ہوئے مرکزی ستلج اور مرکزی راوی میں ضم ہو جاتے ہیں، پاکستان میں داخل ہونے کے بعد پاکستان کا حق ہوگا اور بھارت کسی بھی طرح ان کا بہاؤ روکنے کا مجاز نہیں ہے لیکن سانحہ سانحہ تاریخ گواہ ہے کہ بھارت نے کبھی کسی معاہدے کی پابندی نہیں کی اور اب حالیہ آبی جارحیت دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اس کے لئے سندھ طاس معاہدہ کاغذ کے کسی بے کار پرزے سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ سمجھنا بھی انتہائی خوش فہمی ہوگی کہ وہ ہماری بات چیت سے قائل ہو کر اپنے کروڑوں ڈالر کے منصوبوں سے دست بردار ہو جائے گا۔ بھارت نے ان تین دریاؤں کا پانی استعمال کر کے اپنے صحرا راجستھان کو گلزار بنانا ہے لیکن ہم ایسا نہ کر سکے۔ جب بھی کسی ڈیم کی تعمیر کی بات ہوتی ہے تو سیاسی اور جغرافیائی تحفظ کے محافظ واویلا مچاتے ہیں کہ پورے ملک میں افراتفری پھیل جاتی ہے۔ ہماری اس نالائقی کو دیکھتے ہوئے بھارتی وزیراعظم واجپائی نے 2001ء میں اپنے یوم آزادی کے خطاب میں واشگاف الفاظ میں کہا کہ "بھارت پیاس سے مر رہا ہے اور پانی کا ایک ایک قطرہ اس کی ضرورت ہے جبکہ پڑوسی ملک پاکستان 35 ملین ایکڑ فٹ پانی ضائع کر رہا ہے تاکہ فصلیں بچائی جا سکیں"۔ 2003ء میں اسلام آباد میں ایک کانفرنس ہوئی تھی، جس کا موضوع [illegible] تھا، لیکن اگر ریکارڈ اٹھا کر دیکھیں تو موضوع صرف اور صرف [illegible] تھا۔ اس کانفرنس میں بھارتی وفد نے ہماری اسی نالائقی کو زیر

بحث لاتے ہوئے ایک تجویز پیش کی تھی کہ پاکستان اب تک اپنے حصے کا پانی استعمال کر رہا ہے اور اس پانی کو مستقل طور پر استعمال کرنے کی غرض سے سندھ طاس معاہدہ نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کی جانب سے اس تجویز کی سختی سے مزاحمت کی گئی تھی، اور بھی نہ ہو سکی اور شرف قبولیت نہ پا سکی۔ یہ معاہدہ تو نہ ہو سکا جس طرح بھارت سے جارحانہ اقدام کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا، یہ خود قومی جرم کا ایک جرم بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے آمر نے معاہدے کے تحت تین دریا بیچ ڈالے، جو [illegible] کا حق تھا۔ وہ بھی معاہدے سے تین دریا بیچ دیے۔

پاکستان اس وقت اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ شاہ رگ میں رچ بس جانے والا آگ اور خون کا کھیل ہمارے چاروں صوبوں کے گلی محلوں اور بازاروں تک آ پہنچا ہے۔ دوسروں کی جنگ لڑتے لڑتے ہم خود حالت جنگ میں آ چکے ہیں، جمہوریت کے ایک سال بعد بڑے دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے کہ قیمتی انسانی جانوں اور املاک کے ساتھ ساتھ قوم کے وہ خواب بھی جل کر راکھ ہو گئے، جو سوا کروڑ آنکھوں نے جمہوریت کی آمد پر امن، انصاف، استحکام اور تعمیر نو کے لئے دیکھے تھے۔ 2001ء میں ٹائن ایلون کے بعد جو خطیوں کے بیج ہم نے بوئے، وہ ان آٹھ برسوں میں بار آور ہوئے اور ایسے ہوئے کہ آج یہ فصل خودکش حملوں کی صورت میں وطن کا بچہ بچہ کاٹ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہم یقیناً کسی نئی جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن کیا ہم اپنے حق کے لئے آواز بھی بلند نہیں کر سکتے؟ دوستی، مفاہمت اور مصالحت کی پالیسی یقیناً بہتر ہے لیکن کس قیمت پر؟ کیا ملک و قوم کی قیمت پر؟ اپنے مستقبل کی قیمت پر؟ اور کیا یکطرفہ ایسی کسی پالیسی سے ہمارا بھلا ہو سکتا ہے۔ جسے دوسرا فریق اپنی ٹھوکر پر رکھے اور اسے ہماری کمزوری سمجھے۔ نہیں، اپنی بقا کے لئے ہمیں اس حوالے سے ایک واضح پالیسی بنانی ہوگی، اس مسئلے کو ہر بین الاقوامی فورم پر اٹھانا ہوگا، عالمی عدالت انصاف میں بھارت کی اس کھلی آبی جارحیت کو چیلنج کرنا ہوگا۔ عالمی بنک سندھ طاس

معاہدے کا ضامن ہے، اس کے آگے اس مسئلے کو اٹھانا ہوگا اور اسے اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی صفوں میں موجود بھارتی مفادات کے لئے سرگرم ملک دشمن عناصر کو بے نقاب کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ سندھ طاس واٹر کونسل کے چیئرمین ظہور الحسن ڈاہر کے ایک اخباری انٹرویو کے مطابق "پاکستان کی انٹیلیجنس میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں، جو بھارت کے مفادات کے لئے ہر وقت سرگرم رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ محکمہ آبپاشی کے دو اعلیٰ افسران ایسے بھی ہیں، جو دن رات اس کوشش میں مصروف ہیں کہ چناب کا معاملہ قومی سطح پر نہ اٹھایا جائے اور وہ اس مقصد کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں، ہم ان تمام لوگوں سے، جنہیں کالا باغ ڈیم پر تحفظات ہیں، بہت ادب سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ کیا بھارت کی آبی جارحیت ان کے لئے قابل قبول ہے؟ کیا کالا باغ ڈیم کو نہ قبول کرنے والوں کے لئے کیا کارگل ڈیم قابل قبول ہے؟ ہزاروں ایکڑ پر مشتمل انڈس ڈیلٹا، جو دیسے ہی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے، کیا اس سے یہ جنگ نہیں جیتے گا؟ ہزاروں ماہی گیر بے سروسامانی جھنگنے پر مجبور نہیں ہوں گے؟ ساحلی حیات برباد ہو جائے گی اور پاکستان سمندری حیات سے، جو کثیر زرمبادلہ حاصل کرتا ہے اس سے محروم ہو جائے گا۔ کیا یہ ماحولیاتی تنظیموں کا مسئلہ نہیں ہے؟ کیا یہ انسان کے بنیادی حقوق کی پامالی نہیں اور اگر ہے تو اس کے خلاف آواز بلند کرنے والی ملکی اور غیر ملکی تنظیمیں کہاں ہیں؟ ماحول اور قدرتی وسائل کے تحفظ کی تنظیمیں اور جنگلی حیات کے محافظ کہاں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں؟ جاگیے خدا کے لئے جاگیے!

یاد رکھیے ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، صرف آٹھ سال ہیں، بھارت 2016ء میں اپنا [illegible] مکمل کر لے گا، جو اس نے گذشتہ حکومت کی خاموش حمایت سے شروع کیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت بھارت اپنے [illegible] دریاؤں کا باہم رابطہ نہروں سے مکمل کرے گا۔ [illegible] کا دریاؤں کا [illegible] تبدیل نہیں ہوسکے گا۔ اس منصوبے سے اس کی 360

میگا واٹ بجلی دستیاب ہوگی۔ وہ سرسبز اور گل و گلزار ہو جائے گا لیکن ہمارے ملک میں ریت اڑنے لگے گی۔ اس منصوبے سے بنگلہ دیش نے بھی اپنے آپ کو محفوظ تصور کر لیا ہے، کیونکہ دریائے گنگا اور برہم پترا کے پانی سے بھی بھارت اسی طرح استفادہ کرے گا۔ ہم بنگلہ دیش سے مل کر کوئی راہ نکال سکتے ہیں اور بین الاقوامی فورمز پر احتجاج بھی کر سکتے ہیں۔ اکیسویں صدی کے اس گلوبل ایج میں جنگ کے علاوہ بھی بہت سے راستے ہمارے لئے کھلے ہیں اور اگر ہم نے اپنی آنکھیں نہ کھولیں تو پھر ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لئے قحط اور افلاس کے سوا کچھ نہیں چھوڑیں گے۔ آج یہ مسئلہ جنگ سے بخیر حل ہو سکتا ہے، بہت سے دوسرے راستے ہمارے لئے کھلے ہیں لیکن اگر ہم نے دیر کر دی تو پھر ہر راستہ بند ہوتا چلا جائے گا۔

(ستمبر 2009ء)

☆☆☆☆☆☆☆

حامد
اردو فینز
کیلئے

600ارب روپے کے نئے ٹیکس

یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہونا چاہئے کہ کسی خفیہ تھنک ٹینک کو پاکستان دشمن ایجنسیوں نے یہ ذمہ داری سونپ رکھی ہے کہ وہ ہفتہ دس دن کے بعد پاکستانی عوام کے سر پر کوئی نہ کوئی اعصاب شکن ہتھوڑا ضرور چلایا کرے۔ صورتحال یہ ہے کہ ملک بھر میں بجلی، آٹا اور چینی کے بعد اب دودھ کا بھی بحران پیدا ہو گیا ہے۔ دارالحکومت اسلام آباد سمیت کئی شہروں میں دودھ اور دہی کی قیمتوں میں غیر اعلانیہ اور خود ساختہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب دودھ 50 سے 55 روپے فی کلو کے حساب سے فروخت کیا جا رہا ہے جبکہ دہی کی قیمتوں میں بھی 10 روپے فی کلو اضافہ کر دیا گیا ہے جبکہ دودھ کی پیکنگ کا ذبہ 53 روپے فی لیٹر کی بجائے 58 روپے اور 60 روپے فی لیٹر مل رہا ہے۔ ادھر وفاقی انتظامیہ نے بھی اس خود ساختہ اضافے پر چپ سادھ لی ہے اور اضافے کو روکنے کے لیے کوئی حکمت عملی وضع نہیں کی گئی جس کی وجہ سے عوام کی پریشانی مسلسل بڑھتی جا رہی ہے جبکہ کہیں بھی دودھ اور دہی کی [illegible] روٹین چیکنگ نہیں ہے۔ ایک خبر رساں ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق [illegible] فی لیٹر دودھ پر 15 روپے منافع کما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک کے [illegible] شہروں میں شیر فروش کی جانب سے دہی 68 روپے فی کلو کے حساب سے

فروخت کیا جا رہا ہے۔ اس طرح فی کلو پر 47 فیصد تک 20 روپے منافع حاصل کیا جا رہا ہے۔ شہری حکومت کی جانب سے دودھ کی فی لیٹر قیمت 38 روپے مقرر کی گئی تھی لیکن حکومت کو اشیاء کی قیمتوں میں تعین میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

یاد رہے کہ ملک میں آٹے اور چینی کی قلت و مہنگائی بھی بدستور جاری ہے۔ حکومتی اعلانات کے باوجود لاہور شہر میں کئی بازاروں سے چینی اور آٹا غائب ہے اور چینی کی قیمت 45 روپے سے 50 روپے فی کلو تک رہی۔ کراچی جیسے میں بھی حکومتی دعووں کے باوجود ہمیں بھی سرکاری ریٹ پر چینی دستیاب نہیں۔ 45 روپے سرکاری نرخ ہونے کے باوجود ہر جگہ 50 روپے میں چینی مل رہی ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ حکومت کی عدم دلچسپی کے باعث چینی اور آٹا عوام کی قوت خرید سے باہر ہو گئے ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے صنعتی شہر کراچی میں بجلی کا بحران بھی زوروں پر ہے۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کمپنی لینڈ ماہ رمضان کے دوران شہر میں بجلی کی طلب اور رسد پورا کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو گئی ہے۔ مختلف پاور اسٹیشنوں میں یونٹوں کی خرابی اور گل احمد پاور پلانٹ سے بجلی کی معطلی کے بعد بجلی کی طلب اور رسد کا فرق 500 میگاواٹ تک جا پہنچا ہے۔ جس کے بعد کراچی کے عوام ہر ایک گھنٹے بعد ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کی لوڈشیڈنگ برداشت کرنے پر مجبور ہیں جبکہ کے ای ایس سی حکام کا دعویٰ ہے کہ بجلی کی لوڈشیڈنگ کا دورانیہ صرف 6 گھنٹے جبکہ طلب اور رسد میں فرق ڈھائی سو میگاواٹ ہے۔ کے ایس سی بجلی کی فراہمی کی صورت حال بہتر بنانے کی بجائے نرخوں میں اضافے کے لئے سرگرم ہے۔ تازہ اطلاعات کے مطابق کراچی میں بجلی کی فراہمی میں بری طرح ناکام ہونے والے اس ادارے نے بجلی کی نرخوں میں ایک روپیہ فی یونٹ اضافے کے ساتھ صنعتی صارفین کی سکیورٹی ڈیپازٹ فیس 1500 روپے سے بڑھا کے 8000 روپے کرنے کی تجویز پیش کر دی ہے۔

اس پس منظر میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ وطن عزیز پاکستان اس وقت زبردست داخلی

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ہم

محترمہ فوزیہ وہاب جو اچانک ٹیلیشن میں آ جانے سے ہوا لے سے اب خاصی شہرت کی حامل ہیں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی تازہ رپورٹ بابت پاکستان پر خوب گرجی اور برسی ہیں آپ کا کہنا تھا کہ میں اس مرحلے پر کہ جب فینڈز آف پاکستان دوسرے لئے اپنے خفیہ خزانوں کے منہ کھولنے والے ہیں اس رپورٹ کا اجراء پاکستان کے خلاف سازش ہے۔ جس پر انہوں نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے خوب لتے لئے اور فرمایا کہ جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آتی ہے اس کے خلاف سازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ چونکہ آپ پیپلز پارٹی سیکریٹری اطلاعات ہیں اپنی انفرادیت برقرار رکھنے کے لئے آپ نے یہ نیا فقرہ ایجاد کیا ہے اور موقعہ بے موقعہ اس کے استعمال سے نہیں چوکتیں اکثر چینلز پر دوران گفتگو اچانک آپ فرما دیتی ہیں" جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آئے اس کے خلاف سازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔"

محترمہ فوزیہ وہاب کو کم از کم یہ داد ضرور دینا چاہیے کہ آپ نے گزشتہ قریباً سوا سال سے پیپلز پارٹی کے لیڈروں کی طرف سے مسلسل دہرائے جانے والا یہ فقرہ" ہمارے کارکنوں کی قربانیاں ہم سے زیادہ قربانیاں کس نے دی ہیں" وغیرہ وغیرہ میں ایک نئے فقرے کا اضافہ ضرور فرما دیا۔ قبل

حامد
اردو
کیلنڈر

اس کے کہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے متعلق محترمہ کے ارشادات پر تبصرہ کیا جائے۔ ایک نظر اس رپورٹ کا جائزہ لے لینا ضروری ہے جس نے محترمہ نواز یہ وہاب کو اس پریس کانفرنس پر مجبور کیا۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی جانب سے جاری کی جانے والی گلوبل کرپشن رپورٹ برائے 2009ء میں عالمی ادارے نے پاکستان کی شکل دنیا کے انتہائی بدعنوان ملک کے طور پر پیش کی ہے۔ سالانہ رپورٹ جاری کرتے ہوئے عالمی ادارے کے پاکستان کیلئے سربراہ عادل گیلانی نے کہا کہ چونکہ جنرل پرویز مشرف نے اقوام متحدہ کے کنونشن برائے انسداد کرپشن کی منظوری کے محض 56 روز بعد یعنی 5 اکتوبر 2007ء کو قومی مصالحتی آرڈیننس جاری کر دیا، پاکستان میں بدعنوانی کے انسداد کی کوششیں ماند ہو گئیں۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی جانب سے رپورٹ جاری کرنے کیلئے جس وقت کا انتخاب کیا گیا تو وہ صدر آصف علی زرداری کیلئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ عالمی سطح پر ان کی حکومت کی ساکھ پر پہلے ہی سوالیہ نشان اٹھائے جا رہے ہیں۔ صدر محترم اور ان کے کئی اہم ترین ساتھیوں کا ماضی کرپشن کے الزامات کی وجہ سے داغ دار ہے۔ وزیر خزانہ شوکت ترین نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کا لب و لہجہ نرم کرانے کیلئے کوششیں کیں اور کہا کہ نیویارک میں امریکی حکام کے ساتھ ان کے مذاکرات میں امریکہ کی جانب سے یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ امداد کا زیادہ تر حصہ حکومت پاکستان کے ذریعے سے چینل کیا جائے گا لیکن تاحال یہ واضح نہیں ہے کہ امریکی کانگریس اس بات کی اجازت دے گی یا نہیں۔ نیویارک اور اسلام آباد میں جاری کئے گئے پریس ریلیز کے مطابق ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل پاکستان کے چیئرمین سید عادل گیلانی نے کہا کہ این آر او کی مدد سے ارکان پارلیمنٹ کو مزید تحفظ دیا گیا ہے کیونکہ خصوصی پارلیمانی کمیٹیوں برائے اخلاقیات کی تجویز پر غور کرنے سے قبل کسی بھی صوبائی قومی رکن اسمبلی کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پارلیمانی کمیٹیاں تاحال تشکیل نہیں دی گئیں۔ مسٹر گیلانی نے مزید کہا کہ این آر او کے علاوہ موجودہ حکومت سے وابستہ کئی بدعنوانی کے سنجیدہ نوعیت کے اشارے دیئے ہیں کہ آئرتین سال کے

دوران کسی کا احتساب نہیں ہوتا تو کرپشن کوئی جرم نہیں ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ "جن کے پاس نیب آرڈیننس کی جگہ پر حکومت کا تیار کردہ پبلک آفس ایکٹ 2009ء کا مسودہ جس پر قومی اسمبلی نظرثانی کر رہی ہے، موجود ہے، وہ اکتوبر 2010ء تک سب کو کرپشن سے تحفظ فراہم کرتا ہے اور یہ حیرانگی کی بات ہے۔" رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "جس ملک میں کرپشن کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں وہ آخر یہ امید کس طرح کر سکتا ہے کہ عالمی برادری آگے بڑھ کر پاکستان کی اس کے مالی بحران میں مدد کرے گی۔

پاکستان میں کرپشن ایک سنجیدہ مسئلہ ہے اور یہ وقت حال ہی میں کی جانے والی تحقیق اور رپورٹس کا جائزہ لینے کے بعد اختیار کیا گیا ہے۔ حکومت پاکستان کی درخواست پر پاکستان کے بنیادی ڈھانچے کے متعلق پیش رفت کی گنجائش کی اسسمنٹ کی گئی اور نومبر 2007ء میں اس حوالے سے ورلڈ بینک اور پلاننگ کمیشن آف پاکستان نے مل کر رپورٹ جاری کی۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ 15 فیصد کرپشن پروکیورمنٹ میں پائی جاتی ہے جس سے پاکستان کے ترقیاتی بجٹ میں 150 ارب روپے کا نقصان ہوا۔ مزید برآں، ورلڈ بینک کے کرپشن انڈیکیٹر برائے 2007ء میں پاکستان کو 100 میں سے 21.3 نمبر ملے۔ عالمی مسابقتی رپورٹ برائے 2008-09ء میں پاکستان کو 130 ممالک میں سے 101 واں نمبر دیا گیا اور یہ طے پایا گیا کہ جواب دہندگان نے حکومتی عدم استحکام کے بعد کرپشن کو ملک میں بزنس کے حوالے سے دوسرا بڑا پریشان کن مسئلہ قرار دیا۔ پرائیویٹ سیکٹر میں بڑھتی کرپشن کے ایک عنصر کی حیثیت سے پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ پرویز مشرف کی جانب سے کرپشن کے خاتمے کے عزم اور دعوؤں کے باوجود اس مسئلے سے نمٹنے کیلئے بہت کم ہی پیش رفت ہو پائی ہے اور اب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ کرپشن کا اثر پھیل چکا ہے اور سرایت کر چکا ہے۔ پرویز مشرف نے نومبر 2007ء میں فوجی قیادت چھوڑی اور ان کے حامیوں کو 2008ء کے عام انتخابات میں پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ

(ن) کے اتحاد نے شکست فاش سے دوچار کیا۔ رپورٹ کے مطابق پرویز مشرف نے اگست 2008ء میں استعفیٰ دیا، انہیں آئین کی خلاف ورزی، بے ضابطگیوں اور سنگین جرائم کے حوالے سے مواخذے کا سامنا تھا۔ قانونی اور اداراتی تبدیلیوں کے حوالے سے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سابق وزیراعظم شوکت عزیز نے عالمی ادارے کے ساتھ اس بات پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ الیکشن کمیشن شفاف انداز میں انتخابات کا انعقاد کرے گی لیکن 2007ء میں شوکت عزیز کی مدت سے روانگی کے بعد ان وعدوں کو نظرانداز کر دیا گیا۔ 2008ء میں گیلانی حکومت کے دور میں پروکیورمنٹ ریگولیٹری اتھارٹی کے معاملات پر بھی عمل نہ ہوا۔ اقوام متحدہ میں کرپشن کے انسداد کے کنونشن کی منظوری کے محض 56 دن بعد پرویز مشرف نے این آر او جاری کر دیا جو پاکستان میں بدعنوانی کے خاتمے کی کوششوں کیلئے زبردست دھچکا تھا کیونکہ نیب کی جانب سے 12 اکتوبر 1999ء کے پہلے سے شروع کیے گئے کرپشن کے تمام مقدمات ختم کر دیئے گئے۔

یہ ہے وہ رپورٹ جس پر محترمہ فوزیہ وہاب ناراض ہو رہی تھیں اور شنید ہے کہ آجکل پاکستان میں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کے لوگوں پر کڑا وقت آیا ہوا ہے۔ محترمہ کا غصہ بجا لیکن وہ کس کس پر سازش کا الزام لگائیں گی۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے کہا ہے کہ پاکستان میں بجلی کی قیمت میں اضافہ ناگزیر ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے اپنی ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ بجلی کی قیمت میں اضافے سے سرمایہ کاری اور سبسڈی میں کمی ہوگی جس سے معیشت پر بوجھ کم ہوگا۔ رپورٹ کے مطابق معیشت کی شرح نمو میں کمی کی اہم وجہ توانائی کا بحران ہے۔ پاکستان کو معاشی میدان میں [illegible] کا سامنا ہے۔ آئی ایم ایف کے مطابق حکومت کو اپنی آمدنی میں اضافہ کرنا ہوگا تاکہ بجلی کی قیمت اور ترقیاتی منصوبوں پر عمل درآمد ہو سکے۔ اس کے علاوہ برآمدات میں اضافے کے لیے بھی اقدامات کی ضرورت ہے۔ ایشیائی ترقیاتی بینک نے کہا ہے کہ مارچ

2010ء تک پاکستان کی اقتصادی شرح افزائش 3 سے 4 فیصد رہے گی۔ جنوبی ایشیائی ممالک کی معیشتوں سے متعلق ایشیائی ترقیاتی بینک نے معاشی اہداف جاری کر دیئے جس میں سال 2008ء سے اور 2010ء تک اہداف مقرر کیے گئے۔

اس طرح کی رپورٹوں کا اس تواتر کے ساتھ یومیہ بنیاد پر اخبارات اور اداروں کے دوسرے ذرائع سے آنا ایک معمول بن گیا ہے۔ ڈر محسوس ہو رہا ہے کہ معیشت کی ابتری کی یہ صورت حال یونہی جاری رہی تو چند ہی سالوں میں پاکستان کی حالت اس مقام تک نہ پہنچے جس کے بعد انتہائے زوال کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال ان امپورٹڈ معاشی جادوگروں کے لیے تو کوئی پریشان کن نہیں کہ دراصل یہ وہ سنڈیاں ہیں جو ہمارے کھیت کھلیانوں کو بنجر کر دینے کے لیے یہاں پلانٹ کیے گئے ہیں اور جو اپنا کام کر کے واپس وہیں پلٹ جائیں گے جہاں سے بھیجے گئے تھے مگر عوامی حکومت کے بڑوں کو جنہیں اگلے انتخابات میں دوبارہ عوام کے سامنے جانا ہے، اس صورت حال پر ضرور غور کرنا چاہیے اور قومی معیشت کے استحکام کے لیے ٹھوس بنیادوں پر اقدامات کرنے چاہیں۔

محترمہ فوزیہ وہاب صاحبہ نے جو پریس کانفرنس بابت ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل اور ایک خاص اخبار فرمائی تھی اس کا جواب محترم انصار عباسی کی طرف سے روزنامہ جنگ مورخہ 28 ستمبر 2009ء شائع ہوا ہے جو بلاتبصرہ پیش ہے۔ اس سے زیادہ ہم اس خبر پر اور کیا کہیں گے۔ اس کا عنوان ہے۔ ''ملک دشمن کون؟'' ملاحظہ فرمائیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی مرکزی سیکرٹری اطلاعات فوزیہ وہاب صاحبہ نے نام لئے بغیر مجھ پر اور میرے اخبار پر ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کی خبر شائع کرنے پر ملک دشمنی کا فتویٰ لگا دیا۔ اگرچہ فوزیہ وہاب صاحبہ کو یا ان کے آئے روز دیئے گئے چونکا دینے والے بیانات کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیا جانا چاہیے مگر جس انداز میں باقاعدہ ایک پریس کانفرنس بلا کر ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل

غصہ ہم پر نکالا گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوزیہ وہاب کے اس فتوی کے پیچھے پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کی سوچ بھی شامل تھی جس کا جواب دینا لازم ہے۔ اگر کسی ٹی وی ٹاک شو یا اخبار نویسوں سے کسی غیر رسمی بات چیت کے دوران پی پی پی کی سیکرٹری اطلاعات ہمیں ملک دشمن قرار دے دیتیں تو ہم ان کے کہے کو ای طرح سنی ان سنی کر دیتے جیسا پچھلے دنوں ان کے اس بیان کو نظر انداز کیا۔ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ جنرل پرویز مشرف نے ایسا کون سا جرم کیا کہ ان پر حکومت Tnal کرے۔ گویا کہ 3 نومبر 2007ء کو جس طرح آئین کی دھجیاں اڑائی گئیں اور سانحہ سے زائد اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کو نکال کر ان کو ان کے گھروں میں نظر بند کیا گیا، کوئی جرم ہی نہ تھا۔ کسی نے بھی یہ شاید سوچا نہ تھا کہ NRO کے احسان کا بدلہ ذوالفقار علی بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی آج اس طرح دے گی کہ وہ آئین شکن جنرل مشرف کی سب سے بڑی محافظ بن بیٹھے گی۔ صدر آصف علی زرداری نے تو ذیل کا ذکر کر کے اپنی اس مجبوری کا برملا اظہار کر دیا جو ان کے راستہ میں مشرف کو آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت مقدمہ درج کرنے کی راہ میں اصل رکاوٹ ہے مگر فوزیہ صاحبہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مشرف نے ایسا کیا کیا کہ ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ قائم کیا جائے۔ مجھے تعجب اس بات پر ہوا کہ جنرل مشرف کے ان گنت جرائم پر پردہ ڈالنے والوں اور ان کا تحفظ کرنے والوں کو میڈیا اس لئے ملک دشمن نظر آنے لگا کیونکہ اس نے ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ شائع کی جو حکمرانوں کو ناگوار گزری۔ غصہ اس بات کا کہ اس بین الاقوامی تنظیم میں حکومت پاکستان کے بارے میں انتہائی منفی رپورٹ ایسے وقت میں کیوں جاری کر دی۔ جب صدر زرداری اپنی ٹیم کے ہمراہ امریکہ میں پاکستان کے لئے "دوست ممالک" کی امداد کے منتظر تھے۔ ہم پر الزام لگایا گیا کہ ہم نے 23 ستمبر کو جاری کی گئی ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ کو [illegible] جنگ میں کیوں شائع کیا۔ باوجود اس کے کہ ہم نے اس رپورٹ کو شائع [illegible] خصوصاً نوٹ کیا کہ ٹرانسپرنسی نے اپنی رپورٹ کو ایسے وقت میں جاری

کیا جب پاکستان کی اعلیٰ قیادت امریکہ میں "دوست ممالک" کے ساتھ امداد کے حصول کے لئے مذاکرات کر رہی ہے مگر پھر بھی فوزیہ وہاب صاحبہ اور ان کی پارٹی کے لئے ہم "ملک دشمن" ٹھہرے۔ ہر حکومت یہاں میڈیا کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتی ہے۔ پیغام پسند نہ آئے تو پیغام رساں کو یہاں نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔ اپنی شکل آئینہ میں اچھی نہ لگے تو آئینہ ہی توڑنے کی بات کی جاتی ہے۔ فوزیہ صاحبہ کے مزاج گرامی کو اگر گوارا نہ گزرے تو کیا وہ اس بات کا جواب دے سکتی ہیں کہ اگر ایک اخبار کا ایک بین الاقوامی ادارے کی رپورٹ جس میں موجودہ حکومت کے دور میں ملک میں کرپشن اور بدعنوانی کے متعلق سنگین حالات کا ذکر کیا گیا، شائع کرنا ملک دشمنی ہے تو کیا جنرل مشرف دور میں بے نظیر بھٹو صاحبہ کی طرف سے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ پاکستان کو امداد نہ دیں بھی ملک دشمنی تھی۔ ہمیں ملک دشمن کہنے والے کیا بتا سکتے ہیں کہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کا 2007ء میں امریکی میڈیا کو یہ کہنا کہ اگر وہ برسر اقتدار آئیں تو وہ بین الاقوامی ایٹمی ادارہ (IAEA) کو اجازت دیں گی کہ وہ ڈاکٹر عبدالقدیر کی پوچھ گچھ کر سکیں آیا پاکستان کی خدمت تھی۔ آج ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کو ہدف تنقید بنانے والے ذرا ماضی قریب میں جا کر دیکھیں کہ مشرف دور میں کرپشن پر اسی بین الاقوامی ادارے کی رپورٹوں پر کون کون سی سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈر اپنی سیاست چمکاتے تھے۔ بلاشبہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی 23 ستمبر 2009ء کی رپورٹ جو ایک ساتھ پاکستان اور امریکہ میں جاری ہوئی اپنی Timing کی وجہ سے معنی خیز تھی جیسا کہ دی نیوز اور جنگ کی خبر میں کہا گیا مگر سچ پوچھیں تو اس رپورٹ میں پاکستان میں کرپشن اور بدعنوانی کے بارے میں جو کہا گیا وہ شاید زیادہ غلط نہ تھا۔ اس حقیقت کو کون روک سکتا ہے کہ مشرف دور میں پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کے خلاف کرپشن کے مقدمات کے خاتمے کے لئے NRO کے نفاذ سے اس ملک میں احتساب کا عمل نہ صرف رک گیا بلکہ مکمل طور پر Reverse ہو گیا۔ کیا ایسا کرنا ملک دشمنی نہیں۔ یہ کون نہیں جانتا کہ NRO کے آنے کے بعد اور خصوصاً

موجودہ دور حکومت میں تیب مکمل طور پر بے اثر اور بے زور کر دیا گیا ہے اور عملی طور پر یہ ادارہ Redundant ہو چکا ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ موجودہ حکومت کی طرف سے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا یہ احتساب قانون دراصل سیاستدانوں اور ان کی کرپشن کو قانونی تحفظ اور ان کے بچاؤ کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں پہلے ہی میڈیا میں کافی کچھ لکھا اور کہا جا چکا ہے۔ ایسا کرنا ملک کی کون سی خدمت ہے۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ موجودہ دور حکومت میں کرپشن کا بازار ہر طرف گرم ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ آئے دن اخبارات اور نجی ٹیلی ویژن چینلز پر کرپشن اور بدعنوانی کے متعلق لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ گزشتہ سال سے کشکول توڑنے کے دعوے کرنے والے حکمرانوں کو دنیا کا کوئی ملک حتیٰ کہ اپنے دوست ممالک کیش پیسہ دینے سے گریزاں ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ امداد دینے والے تمام ممالک یا تو صرف ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے ذریعے پیسہ دینے پر تیار ہیں یا امریکہ کی طرح خود مختلف پراجیکٹس کے لئے NGO's کے ذریعے یہاں پیسہ لگانا چاہتے ہیں۔ موجودہ حکومت پر دوست ممالک کی یہ بداعتمادی کیوں؟ ذرا سوچئے!

(نومبر 2009ء)

غلط زرعی پالیسیاں

زراعت پر مبنی معیشت کے باوجود پاکستان کو بنیادی غذائی اشیاء کی قلت کا سامنا ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے ملک ماسوائے چند مختصر وقفوں کے، گندم اور آٹے کے بحران میں مبتلا ہے۔ حکومت یقین دہانی کرا رہی ہے کہ فلور ملوں کو گندم ان کے کوٹے کے مطابق فراہم کی جا رہی ہے۔ مگر اس کے باوجود آٹے کی قیمتوں میں کمی کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے اور نہ ہی حکومت کی جانب سے اس کے نرخ مقرر کیے جا رہے ہیں۔ سرکاری نرخوں پر دستیاب گندم غیر معیاری ہے آٹے کی قیمتوں میں کمی خواب و خیال بن کر رہ گئی ہے۔

ملک میں غذائی بحران کا سبب جامع، منصوبہ اور قابل عمل زرعی پالیسی کا فقدان ہے۔ آزادی کے بعد سے ملک میں 2 بار اہم زرعی اصلاحات کی گئیں۔ پہلی نمایاں زرعی اصلاحات 1959ء میں جبکہ دوسری 1972ء میں کی گئیں۔ دونوں زرعی اصلاحات کا فائدہ زمینداروں اور جاگیرداروں کو حاصل ہوا۔ یہی سبب ہے کہ ملک میں جو لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ان میں سے بڑی تعداد کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے۔ ناقص اور انلاط سے پر پالیسی تیار کرنے کے سبب ملک کو حالیہ غذائی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

عالمی بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کو ان 32 ممالک کے گروپ میں شامل کیا گیا

ڈیزل کی مہنگائی۔ ناقص معیار کے بیج، کیڑے مار ادویات کی قلت اور زراعت سے متعلق دیگر سب آلات اور مشینوں کی دوش رہا قیمتیں شامل ہیں۔

زرعی شعبے کو جس سب سے بڑے مسئلے کا سامنا ہے وہ بجلی کی قلت اور اس کی بھاری قیمت ہے۔ پاکستان میں ہزاروں ایکڑ زمین کو آب پاشی سے پانی کا صرف 80 فیصد سے زائد حصہ ڈیزل سے چلتے ہیں۔ ڈیزل کی قیمتوں میں اضافے نے پیداواری لاگت بڑھا دی ہے۔ اگرچہ ڈیزل کی قیمت میں معمولی کمی ہوئی ہے لیکن یہ اضافے کے برابر ہے۔

کاشتکار اور زراعت سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد معلومات پر زور دیتے ہیں۔ وہ بجلی اور ڈیزل کی مد میں انہیں سبسڈی دے۔ کاشتکاروں کو اچھے معیار کے بیج اور فرٹیلائزر سے حصول میں مشکل کا سامنا ہے جو حکومت کی ناقص کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ذخیرہ اندوز گاہے بگاہے کسانوں کے لیے مسائل کھڑے کرتے رہتے ہیں وہ معیاری بیجوں اور فرٹیلائزر کی مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں اور انہیں بھاری قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ کم معیار کی کیڑے مار ادویات ایک اور مسئلہ ہیں جس کا کاشتکاروں کو سامنا ہے۔

2007-08ء کے دوران حکومت نے 2 کھرب 11 ارب مالیت کے قرضے جاری کیے تھے جو 2 کھرب روپے کے مقررہ ہدف سے زائد تھے لیکن زیادہ تر قرضے زمینداروں اور جاگیرداروں نے حاصل کر لیے اور چھوٹے کاشتکاروں کو کچھ نہیں ملا۔

قرضوں کی اس نامناسب تقسیم کے باعث، گندم کی پیداوار میں مناسب حد تک اضافہ نہ ہو سکا۔ 2008ء میں زرعی پیداوار کا ہدف 5.1 مقرر کیا گیا تھا جو حاصل نہ ہو سکا۔ شرح افزائش 1.5 فیصد تک محدود رہی جس کے نتیجے میں جی ڈی پی میں زرعی شعبے کا حصہ کم ہو کر 5 فیصد رہ گیا۔

نئے مالیاتی سال کے دوران حکومت نے 25 لاکھ ٹن گندم درآمد کرنے کا ہدف مقرر کیا ہے۔ حالانکہ حکومت کو درآمدات پر انحصار کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حکومت کو پیداواری نظام کو

ہے۔ جہاں شدید غذائی قلت کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر ان ممالک کی زرعی پالیسیاں تبدیل نہ ہوئیں تو دنیا کے عوام کو شدید اقتصادی اور سماجی بے چینی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو غذائی ذخائر اور سنورتے ڈھانچوں پر حملوں کا سبب بن سکتی ہے۔

پاکستان کو گزشتہ 2 سال سے گندم اور آٹے کے شدید بحران کا سامنا ہے۔ اگرچہ بین الاقوامی منڈی میں اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں اضافے نے پیداواری لاگت بڑھا دی ہے۔ اگرچہ ڈیزل کی قیمت میں معمولی کمی ہوئی ہے لیکن یہ اضافے کے برابر ہے۔ زراعت سے متعلق دیگر افراد معلومات پر زور دیتے ہیں۔ وہ بجلی اور ڈیزل کی مد میں انہیں سبسڈی دے۔ کاشتکاروں کو اچھے معیار کے بیج اور فرٹیلائزر کی حصول میں مشکل کا سامنا ہے جو حکومت کی ناقص کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ذخیرہ اندوز گاہے بگاہے کسانوں کے لیے مسائل کھڑے کرتے رہتے ہیں وہ معیاری بیجوں اور فرٹیلائزر کی مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں اور انہیں بھاری قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ کم معیار کی کیڑے مار ادویات ایک اور مسئلہ ہیں جس کا کاشتکاروں کو سامنا ہے۔

2007-08ء کے دوران حکومت نے 2 کھرب 11 ارب مالیت کے قرضے جاری کیے تھے جو 2 کھرب روپے کے مقررہ ہدف سے زائد تھے لیکن زیادہ تر قرضے زمینداروں اور جاگیرداروں نے حاصل کر لیے اور چھوٹے کاشتکاروں کو کچھ نہیں ملا۔

قرضوں کی اس نامناسب تقسیم کے باعث، گندم کی پیداوار میں مناسب حد تک اضافہ نہ ہو سکا۔ 2008ء میں زرعی پیداوار کا ہدف 5.1 مقرر کیا گیا تھا جو حاصل نہ ہو سکا۔ شرح افزائش 1.5 فیصد تک محدود رہی جس کے نتیجے میں جی ڈی پی میں زرعی شعبے کا حصہ کم ہو کر 5 فیصد رہ گیا۔

نئے مالیاتی سال کے دوران حکومت نے 25 لاکھ ٹن گندم درآمد کرنے کا ہدف مقرر کیا ہے۔ حالانکہ حکومت کو درآمدات پر انحصار کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حکومت کو پیداواری نظام کو

کیری لوگر بل کیا لے گیا کیا دے گیا

کیری لوگر بل نے ایک مرتبہ ساری قوم کے بل نکال دیے ہیں پہلی مرتبہ فوج کو بادل نخواستہ اپنا ردعمل ظاہر کرنا پڑا حکومت ہر سوال کے جواب میں کہتی ہے کہ لوگ بل پڑھے بغیر اس پر تبصرہ کر رہے ہیں ذیل میں جمعرات 24 ستمبر 2009ء کو سینٹ سے پاس ہونے والے کیری لوگر بل کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ ہاؤس آف ریپریزنٹیٹو میں پیش کیا جا رہا ہے اور اگر یہ بغیر کسی ترمیم کے منظور ہو گیا تو صدر اوباما کے پاس قانون دستخط کے لیے بھیج دیا جائے گا، جس کے بعد یہ قانون بن جائے گا۔ s. 1707 پاکستان کے ساتھ تعلقات کے فروغ ایکٹ برائے 2009ء

(مستفرق، متفق یا سینٹ سے منظور) SEC. 203 کچھ امداد کے حوالے سے متعین حدود

(a) سکیورٹی تعلقات میں معاونت کی حدود مالی سال 2012ء سے 2014ء کے لیے، پاکستان کو مالی سال میں اس وقت تک کوئی سکیورٹی تعلقات میں معاونت فراہم نہیں کی جائے گی، جب تک سیکرٹری آف اسٹیٹ، صدر مملکت کی ہدایت پر سب سیکشن (c) میں درج ہدایات کے مطابق منظوری نہ دے دیں۔ (b) اسلحہ کی فراہمی کی حدود مالی سال 2012ء سے 2014ء تک کے لیے، پاکستان کو اس وقت تک بڑا دفاعی سامان کی فروخت کا

بہتر بنانے کی کوشش کرنا چاہیے اور آنے والے عرصہ میں اس کی اسکیلنگ اپ کرنی چاہیے۔

ضرورت ہے کہ حکومت اجیر و نادہندگان سے اپنی ہاتھ سے نکلے اور پیداوار بڑھانے سے سے

یک واضح پالیسی تیار کی جانی چاہیے۔ اگرچہ موجودہ حکومت نے کاشتکاروں سے حالات بہتر

بنانے اور زرعی شعبے کو ترقی دینے کے اقدام کیے ہیں مگر یہ سب بے سود ہیں کیونکہ ان پر معمولہ رآمد

نہیں ہو رہا ہے۔ زرعی ماہرین نے حکومت پر زور دیا ہے کہ حکومت ان پیشن گوئیوں پر توجہ دے جو

ملکی معیشت کے بارے میں کی جا رہی ہیں اور بحرانوں کو مزید سنگین بنانے سے احتراز کرے۔

انہوں نے ملک میں زرعی شعبے کو درپیش مسائل سے نمٹنے کے لیے مخلصانہ اقدامات کی ضرورت پر

زور دیا۔

(نومبر 2009ء)

اجازت نامہ یا لائسنس، دی آرم ایکسپورٹ کنٹرول ایکٹ (22 usc 2751et seq)
کے مطابق جاری نہیں کیا جائے گا، جب تک امریکی وزیر خارجہ امریکی صدر کی ہدایت کے مطابق،
سب سیکشن (c) میں درج ضروریات کے مطابق منظوری نہ دے دیں۔ (c) تصدیق کا عمل
اس سب سیکشن کے تصدیقی عمل کے لیے ضروری ہے کہ اسے سیکرٹری آف اسٹیٹ، صدر
کی ہدایت کے مطابق منظور کریں گے، کانگریس کی کمیٹیز کے مطابق کہ (1) امریکہ، حکومت
پاکستان کے ساتھ تعاون جاری رکھے گا کہ پاکستان جوہری ہتھیاروں سے متعلق مواد کی منتقلی کے
نیٹ ورک کو منہدم کرنے میں کردار ادا کرے۔ مثلاً اس سے متعلقہ معلومات فراہم کرے یا
پاکستانی قومی رفاقت جو اس نیٹ ورک کے ساتھ ہے تک یا براہ راست رسائی دے۔ حکومت
پاکستان نے موجودہ مالی سال کے دوران مسلسل اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اب بھی دہشت
گرد گروپوں کے خلاف موثر کوششیں کر رہی ہے۔ سیکشن 201 میں امداد کے جن مقاصد کو بیان کیا
گیا ہے۔ ان کے تحت حکومت پاکستان نے مندرجہ ذیل امور میں قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی
ہیں۔ (الف) مدد روکنا پاکستانی فوج یا کسی انٹیلی جنس ایجنسی میں موجود عناصر کی جانب
سے انتہا پسندوں یا دہشتگرد گروپوں، خصوصی طور پر وہ گروپ جنہوں نے افغانستان میں امریکی یا
اتحادی افواج پر حملے کئے ہیں یا پڑوسی ممالک کے لوگوں یا علاقوں پر حملوں میں ملوث ہوں
(ب) القاعدہ، طالبان اور متعلقہ گروپوں جیسے کہ لشکر طیبہ اور جیش محمد سے بچاؤ اور پاکستانی حدود
میں [illegible] سے [illegible] پڑوسی ممالک میں حملوں کی روک تھام، قبائلی علاقوں میں
دہشت گردوں کی بندش تک کے مختلف حصوں شمول کوئٹہ اور مرید کے میں موجود دہشت گرد
[illegible] دہشت گردوں کے بارے میں فراہم کردہ خفیہ معلومات کے بعد
[illegible] اور انسداد منی لانڈرنگ قانون کو مضبوط بنانا (3) پاکستان کی
[illegible] معاملات میں عملاً یا کسی اور طریقے سے دخل اندازی

نہیں کریں گی۔ بعض ادائیگیاں (1) عام طور پر اس کا تعلق پیراگراف (2) سے ان فنڈز میں سے
کسی کا تعلق مالی سال 2010ء سے 2014ء تک کے مالی سال سے نہیں ہے یا اس فنڈ کا کوئی
تعلق پاکستان کے کاؤنٹر انسرجنسی کیپیبلٹی فنڈ سے بھی نہیں ہوگا جو سیکشن مینٹل اپروپریشن
ایکٹ 2009ء (پبلک لا 111-32 کے تحت قائم ہے) اس کا دائرہ کار ان ادائیگیوں تک وسیع ہو
گا جن کا تعلق (الف) لیٹر آف آفر اینڈ ایکسپٹینس (Letter Of Offer And Pk-D-
NAP, Acceptnce) سے ہے۔ جن پر امریکہ اور پاکستان نے 30 ستمبر 2006ء کو
دستخط شدہ لیٹر آف آفر اینڈ ایکسپٹینس PK-D-NAP اور (ج) (Letter Of Offer
Pk-D- NAP, And Acceptnce) جس پر امریکی حکومت اور حکومت پاکستان کی
جانب سے 30 ستمبر 2006ء کو دستخط ہوئے تھے۔ اسٹوڈ [illegible] 2010ء سے
2014ء تک کیلئے جو فنڈز سکیورٹی میں مدد دینے کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔ وہ تعمیرات اور
متعلقہ سرگرمیوں کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ جن کی وضاحت Letter Of Offer
And Acceptnce کے پیراگراف (1) میں کی گئی ہے۔ تحریری دستاویز [illegible] وزیر
خارجہ صدر کی ہدایت کے تحت مختص رقم میں سیکشن (A)-(B) اور (D) کے تحت ایک سال کے لئے
کمی کر سکتے ہیں۔ وزیر خارجہ یہ اقدام اس وقت اٹھائیں گے جب انہیں خیال ہوگا کہ یہ اقدام
امریکہ کی قومی سلامتی کے مفاد میں ہے۔ تحریری دستاویز کا نوٹس، وزیر خارجہ کو صدر کی
ہدایت کے مطابق رقوم میں کمی کا اختیار پیراگراف (1) کے مطابق اس وقت تک استعمال نہیں کر
سکیں گے جب تک کانگریس کی متعلقہ کمیٹی کو اس سلسلے میں سات روز کے اندر تحریری نوٹس نہ مل
جائے جس میں رقوم میں کمی کی وجوہات درج ہوں یہ نوٹس کلاسیفائیڈ اور نان کلاسیفائیڈ شکل میں
ضرورت کے مطابق پیش کیا جائے گا۔ (ف) مناسب کانگریسی کمیٹیوں کی تعریف۔ اس حصے میں
مناسب کانگریسی کمیٹیوں کی اصطلاح سے مراد ایوان نمائندگان کی نمبر 1 کمیٹی برائے خارجہ امور،

حامد
اردو فینز
کیلئے

لینی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خفیہ اطلاعات اور فروگزاشت، 2 سینٹ کی امور خارجہ
تعلقات کمیٹی، مسلح افواج کمیٹی اور نیچے کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہیں۔ سیکشن 204 خانہ جنگی سے نمٹنے
کی پاکستانی صلاحیت کا فنڈ (الف) مالی سال 2010، (1) عمومی طور پر۔ برائے مالی سال
2010، کیلئے ریاست کے محکمے نے ضمنی تخصیص ایکٹ 2009، (پبلک لا 32-111) کے تحت
پاکستان کی خانہ جنگی سے نمٹنے کی صلاحیت کا فنڈ قائم کر دیا گیا ہے۔ (اس کے بعد اسے صرف فنڈ
لکھا جائے گا) پر مشتمل ہوگا۔ مناسب رقم پر جو اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے ہوگی (جو شاہد شامل
نہیں ہوگی اس مناسب رقم میں 170 ایکٹ کے عنوان نمبر ایک پر عملدرآمد کیلئے ہے۔ (ب) وزیر
خارجہ کو دستیاب رقم بصورت دیگر اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے ہوگی۔ (2) فنڈ کے مقاصد
فنڈ کی رقم اس سب سیکشن پر عملدرآمد کیلئے کسی بھی مالی سال دستیاب ہوگی اور اس کا
استعمال وزیر خارجہ، وزیر دفاع کی اتفاق رمشاورت سے کریں گے اور یہ پاکستان کی انسداد خانہ
جنگی صلاحیت کے فروغ اور استحکام پر انہی شرائط کے تحت صرف ہوگی۔ ماسوائے اس سب سیکشن
جو مالی سال 2009، کیلئے دستیاب فنڈ اور رقوم پر لاگو ہوگا (3) ٹرانسفر اتھارٹی۔ (الف)
عمومی طور پر امریکی وزیر خارجہ کسی بھی مالی سال کیلئے پاکستان انسداد خانہ جنگی فنڈ جو ضمنی تخصیص
ایکٹ 2009، کے تحت قائم کیا گیا ہے، کو رقوم منتقل کرنے کی مجاز ہوں گی اور اگر وزیر دفاع کے
اتفاق رائے سے یہ طے پائے کہ فنڈ کی ان مقاصد کیلئے مزید ضرورت نہیں جن کیلئے جاری کئے
گئے تھے تو وزیر خارجہ یہ رقوم واپس کر سکتے ہیں۔ (ب) منتقل فنڈ کا استعمال۔ سیکشن 203 کی
ذیلی شق (د)، (1) کے تحت پیراگراف (الف) میں دی گئی اتھارٹی اگر فنڈ منتقل کرتی ہے تو
فنڈ کی رقوم ... مقاصد کے تحت پاکستان انسداد خانہ جنگی فنڈ کے لئے استعمال ہوگی۔ (ج)
... تعلقات۔ اس سب سیکشن کے تحت معاونت فراہم کرنے والی اتھارٹی
... فراہمی کا اختیار رکھے گی۔ (د) نوٹیفکیشن۔ وزیر خارجہ سب

پیراگراف (الف) کے تحت فنڈ کی فراہمی سے کم از کم 15 روز قبل کانگریس کی کمیٹیوں کو تحریری طور
پر فنڈ کی منتقلی کی تفصیلات سے آگاہ کریں گی۔ (ر) نوٹیفکیشن کی فراہمی۔ اس سیکشن کے تحت کسی
نوٹیفکیشن کی ضرورت کی صورت میں کانگریشنل نوٹیفکیشن جاری کیا جائے گا۔
(س) کانگریسی کمیٹیوں کی وضاحت۔ اس سیکشن کے تحت مجوزہ کانگریشنل کمیٹیوں سے مراد (1)
ایوان نمائندگان کی آرمڈ سروسز کمیٹی اور خارجہ تعلقات کمیٹی (2) سینٹ کی آرمڈ سروسز اور خارجہ
تعلقات کمیٹی ہے۔ سیکشن 205 فراہم کی گئی امداد کو سویلین کنٹرول ضروریات
(1) مالی سال 2010، سے مالی سال 2014، تک دوران عبوری پاکستان کو سیکورٹی کیلئے
فراہم کی گئی براہ راست نقد امداد پاکستان کی سویلین حکومت سے سویلین وزارت دفاع کو فراہم کی جائے
گی۔ کیری اوگربل کی سیکشن 205 کے تحت مخصوص امدادی پیکیج پر سویلین کنٹرول کی شرط
کیری اوگربل میں سیکشن 205 کس تحت پاکستان کو امداد کی فراہمی کیلئے سویلین کنٹرول کی شرائط
عائد کی گئی ہیں۔ (ا) شرائط: (1) عمومی طور پر 2010، سے 2014، تک حکومت پاکستان کو
امریکہ کی جانب سے ملنے والی سیکورٹی معاملات سے متعلقہ کیش امداد یا دیگر نان اسسٹنس (غیر
امدادی) ادائیگیاں صرف پاکستان کی سویلین حکومت کی سویلین اتھارٹی کو دی جائے گی۔ (2)
دستاویزی کارروائی مالی سال 2010- 2014 تک امریکی وزیر خارجہ وزیر دفاع کی معاونت
اور تعاون سے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ امریکہ کی جانب سے حکومت پاکستان کو دی جانے
والی غیر امدادی (Non-Assistance) ادائیگیوں کی حتمی دستاویزات پاکستان کی سویلین
حکومت کی سویلین اتھارٹی کو وصول ہو چکی ہیں۔ (ب) شرائط میں چھوٹ: (1) سیکورٹی سے
متعلق امداد، بل کے مطابق امریکی وزیر خارجہ وزیر دفاع سے مشاورت کے بعد ذیلی سیکشن (a)
کے تحت سیکورٹی سے متعلق امداد پر عائد شرائط کو ختم کر سکتے ہیں تاہم اس کیلئے ضروری ہے کہ یہ
سیکورٹی امداد امریکی بجٹ کے فنکشن نمبر 150 (بین الاقوامی معاملات) سے دی جا رہی ہو اور

ایران نمائندگان اخراجات سے متعلق کمیٹیوں، آرمڈ سروسز اور خارجہ افیئرز کی کمیٹیوں بشمول کی
اخراجات سے متعلق کمیٹیاں، آرمڈ سروسز اور خارجہ افیئرز کمیٹیاں ہیں۔(2)" پاکستان کی سویلین
حکومت" کی اصطلاح میں ایسی پاکستانی حکومت شامل نہیں ہے جس نے باقاعدہ طور پر براہ کو فوجی
بغاوت یا فوجی حکم نامے کے ذریعے اقتدار سے ہٹا دیا ہو۔ عنوان III حکومت عملی، احتساب،
مانیٹرنگ اور دیگر شرائط سیکشن 301 حکومت عملی رپورٹس (اے) پاکستان کی
امداد سے متعلق حکمت عملی کی رپورٹ۔ اس ایکٹ سے نافذ العمل ہونے سے 45 روز کے اندر
سیکرٹری خارجہ کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو پاکستان کی امداد سے متعلق امریکی حکمت عملی اور پالیسی
کے حوالے سے رپورٹ پیش کرے گا۔ رپورٹ میں درج ذیل چیزیں شامل ہوں گی۔(1)
پاکستان کو امریکی امداد کے اصولی مقاصد (2) مخصوص پروگراموں، منصوبوں سیکشن
101 کے تحت وضع کردہ سرگرمیوں کی عمومی تفصیل اور ان منصوبوں، پروگراموں اور سرگرمیوں کے
لئے مالی سال 2010ء سے 2014ء تک مختص کردہ فنڈز کی تفصیلات۔

(3) ایکٹ کے تحت پروگرام کی مانیٹرنگ آپریشنز، ریسرچ اور منظور کردہ امداد کے تجزیے کا
منصوبہ (4) پاکستان کے قومی، صوبائی، مقامی حکام، پاکستان سول سوسائٹی کے ارکان نجی شعبہ،
سول، مذہبی اور قبائلی رہنماؤں کے کردار کی تفصیلات جو ان پروگراموں، منصوبوں کی نشاندہی اور
ان پر عملدرآمد میں تعاون کریں گے۔ جن کے لئے اس ایکٹ کے تحت امداد دی جارہی ہے۔ اس
کے علاوہ حکمت عملی وضع کرنے کے لئے ایسے نمائندوں سے مشاورت کی تفصیل 5 اس
ایکٹ کے تحت اٹھائے گئے اور اٹھائے جانے والے اقدامات سے یہ یقینی بنایا جائے گا کہ امداد
افراد اور دہشت گرد تنظیموں سے الحاق رکھنے والے اداروں تک نہ پہنچے۔ 6 اس ایکٹ کے تحت
پاکستان کو فراہم کردہ امداد کی سطح کا تخمینہ لگانے کیلئے اسے مندرجہ ذیل کیٹیگریوں میں تقسیم کیا گیا
ہے میلینیم چیلنج اکاؤنٹ امداد (Assistance) کے لئے اہل امیدوار ملک کے تعین کے طریقہ

امریکی وزیر خارجہ کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو اس امر کی یقین دہانی کرائیں کہ شرائط میں چھوٹ
امریکہ کی قومی سلامتی کیلئے ضروری اور امریکی مفاد میں ہیں۔ (2) غیر امدادی
(Non-Assistance) ادائیگیاں امریکی وزیر دفاع، وزیر خارجہ کی مشاورت سے ذیلی
سیکشن (a) کے تحت ایسی غیر امدادی ادائیگیاں جو بجٹ فنکشن 050 (قومی دفاع) کے اکاؤنٹس
سے کی جارہی ہوں پر امداد شرائط کو ختم کرسکتے ہیں۔
تاہم اس چھوٹ کیلئے وزیر دفاع کو کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو یقین دہانی کرانا ہوگی کہ
پابندیوں میں چھوٹ امریکہ کے قومی مفاد کیلئے اہم ہے۔ (ج) بعض مخصوص سرگرمیوں پر سیکشن
(205) کا اطلاق۔ درج ذیل سرگرمیوں پر سیکشن 205 کے کسی حصے کا اطلاق نہیں ہوگا۔(1)
ایسی کوئی بھی سرگرمی جس کی رپورٹنگ 1947ء کے قومی سلامتی ایکٹ (50U.S.C 413
et Seq) کے تحت کیا جانا ضروری ہے۔(2) جمہوری انتخابات یا جمہوری عمل میں عوام کی
شرکت کی فروغ کیلئے دی جانے والی امداد (3) ایسی امداد یا ادائیگیاں جن کا وزیر خارجہ تعین کریں
اور کانگریس کی متعلقہ کمیٹیوں کو یقین دہانی کرائیں کہ مذکورہ امداد یا ادائیگیوں کو ختم کرنے سے
جمہوریت حکومت اقتدار میں آئی ہے۔ (4) مالی سال 2005ء میں رونلڈ ڈبلیو ریگن نیشنل
ڈیفنس آتھورائزیشن ایکٹ کی سیکشن (208) (ترمیم شدہ) کے تحت ہونے والی ادائیگیاں
(Public Law 108-375, 118 (5), Stat 2086) امریکی محکمہ دفاع اور
[illegible] پاکستان کے مابین کراس سروسنگ معاہدے کے تحت کی جانے والی
[illegible] 2009ء میں ڈیفنس نیشنل ڈیفنس آتھورائزیشن ایکٹ کی سیکشن
[illegible] ادائیگیاں (Public Law 110-417, 112 Stat
[illegible] تعریف سیکشن 205 میں استعمال ہونے والی
[illegible] ہے۔(1) "متعلقہ کانگریس کمیٹیوں" سے مراد

کار کے حوالے سے سالانہ معیاری رپورٹ (Criteria Report) میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ کیٹیگریز درج ذیل ہیں۔ (I) عوامی آزادی (II) سیاسی حقوق (III) آزادی اظہار رائے اور احتساب (IV) حکومت کی موثریت (V) قانون کی بالادستی (VI) بدعنوانی پر قابو (VII) پولیس کی شرح (VIII) شعبہ صحت پر خرچ (IX) لڑکیوں کی پرائمری تک تعلیم مکمل کرنے کی شرح (X) پرائمری تعلیم پر بجٹ (XI) قدرتی وسائل کا استعمال (XII) کاروباری مشکلات کے خاتمے (XIII) لینڈ رائٹس اور ان تک رسائی (XIV) تجارتی پالیسی (XV) ریگولیٹری کوالٹی (XVI) مہنگائی پر قابو (XVII) مالی پالیسی 7 پاکستان کے پاس پہلے سے موجود ہیکی کا پیرامیٹرز کی تبدیلی اور اس حوالے سے تربیت اور ان کی درستگی کے لئے سفارشات اور تجزیہ بھی کیا جائے گا۔ (B) ملاقاتی حکمت عملی کی تفصیلی رپورٹ کانگریس کی فہم وفراست: یہ کانگریس کی فہم وفراست ہے کہ امریکی قومی سلامتی کے مقاصد کے حصول، پاکستان میں دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہوں کے خاتمے کے لئے ایک تفصیلی ترقیاتی منصوبے کی ضرورت ہے۔ جس میں دیگر متعلقہ حکومتوں کے قانون واشراک سے قومی طاقت کے تمام عناصر کو اس مقصد کے لئے استعمال میں لایا جائے۔ پاکستان کی دیرپا خوشحالی اور سلامتی کے لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان، افغانستان اور بھارت کے مابین مضبوط تعلقات ہوں۔ علاقائی سلامتی کی تفصیلی حکمت عملی پاکستان میں دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہوں کے خاتمے کے لئے صدر پاکستانی حکومت اور دیگر علاقائی صوبائی اور وفاقی اداروں سے اشتراک سے علاقائی سلامتی کی حکمت عملی ترتیب دیں گے۔ پاک افغان سرحدی علاقوں خاص طور پر صوبہ بلوچستان اور پنجاب کے علاقوں میں اس علاقائی سلامتی کی حکمت عملی کو مؤثر کوششیں عمل میں لائی جائیں گی۔ پاکستانی حکومت کے تعاون سے 180 دن کے اندر اندر صدر علاقائی سلامتی

علاقائی سلامتی کی حکمت عملی کی رپورٹ کی کاپی، اہداف کا تعین اور تجویز کردہ وقت اور حکمت عملی پر عمل کے لئے بجٹ کی تفصیل شامل ہے۔ (ب) رپورٹ میں ریجنل سٹیبلرٹی کی جامع حکمت عملی کی ایک نقل شامل ہوگی۔ جس میں اہداف سمیت حکمت عملی پر مطلوبہ آمد کیلئے مجوزہ وقت اور بجٹ کی تفصیلات شامل ہوں گی۔ (C) مناسب کانگریسی کمیٹی کی تعریف اس ایکٹ کے مطابق مناسب کانگریسی کمیٹی کا مطلب (I) ایوان نمائندگان کی کمیٹی برائے Appropriations، امور کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خارجہ امور اور مستقل سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہوگا اور (ii) سینٹ کی کمیٹی برائے Appropriations، کمیٹی برائے مسلح افواج، کمیٹی برائے خارجہ امور اور مستقل سلیکٹ کمیٹی برائے انٹیلی جنس ہوگا۔ (c) سٹیبلرٹی میں مدد کے حوالے سے منصوبہ: اس قانون کے بنائے جانے کے 180 دن کے اندر وزیر خارجہ مناسب کانگریسی کمیٹی کے سامنے وہ منصوبہ پیش کریں گے جس کیلئے فنڈز مختص کئے جائیں گے اور یہ مالی سال 2010ء سے 2014ء تک ہر سال ہوگا، اس منصوبے میں یہ بتایا جائے گا کہ رقم کا استعمال کس طرح سے سیکشن 204 میں مذکور رقوم سے متعلقہ ہے۔ سیکشن 302 مانیٹرنگ رپورٹس (a) سیکشن 301(اے) پر عمل کرتے ہوئے Pakistan Assistance Strategy Report پیش کئے جانے کے 180 دن کے اندر (ششماہی) اور بعد ازاں 30 ستمبر 2014ء تک ششماہی بنیادوں پر سیکرٹری خارجہ کی طرف سے سیکرٹری دفاع کے ساتھ مشاورت کے بعد مناسب کانگریسی کمیٹی کو رپورٹ پیش کی جائے گی۔ جس میں اس طرح (180 دنوں میں) فراہم کی گئی مدد/معاونت کی تفصیلات ہوں گی۔ اس رپورٹ میں درج ذیل تفصیلات ہوں گی۔ (1) جس عرصے کیلئے یہ رپورٹ ہوگی اس عرصے کے دوران اس ایکٹ کے تحت کسی پروگرام، پراجیکٹ اور سرگرمی کے ذریعے فراہم کی گئی معاونت اور اس کے ساتھ ساتھ جس علاقے میں ایسا کیا گیا ہوگا اس کا حدود اربعہ اس رپورٹ میں شامل ہوگا اور اس میں رقم

کی کارکردگی کے بارے میں رپورٹ کا تعلق ہے تو اس میں مالی سال
2009ء میں پاکستان کی معاونت سے فراہم کی گئی رقوم کی تفصیل ہوگی اور اس میں بھی یہ
پروگرام، پراجیکٹ اور سرگرمی سے بارے میں بتایا جائے گا۔ (2) رپورٹ کے عرصے کے دوران
اس ایکٹ کے تحت ایک کے تحت پراجیکٹ شروع کرنے والے ایسے امریکی یا کسی اور ملک سے
شہریوں یا تنظیموں کی فہرست بھی رپورٹ میں شامل ہوگی جو ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ رقم وصول
کریں گے اور یہ فہرست کسی کلاسیفائیڈ ضمیمہ میں دی جا سکتی ہے تاکہ اگر کوئی میکوریٹی رسک
ہو تو اس سے بچا جا سکے اور اس میں اس کو خفیہ رکھنے کا جواز بھی دیا جائے گا۔ (3) رپورٹ میں
سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق (3) میں مذکورہ منصوبے کے بارے میں تازہ ترین اپ
ڈیٹس، پیش رفت اور اس ایکٹ کے تحت دی گئی معاونت کے اثرات کی بہتری
کے لئے اقدامات کی تفصیل بھی شامل ہوگی۔ (4) رپورٹ میں ایک جائزہ بھی پیش کیا جائے گا
جس میں اس ایکٹ کے تحت فراہم کی گئی معاونت کے موثر اثر پذیری کا احاطہ کیا گیا ہوگا اور اس
میں سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق 3 میں بتائے گئے طریقہ کار کو مدنظر رکھ کر مطلوبہ مقاصد کے
حصول یا نتائج کا جائزہ لیا گیا ہوگا اور اس سب سیکشن کے پیراگراف 3 کے تحت اس میں ہونیوالی
پیش رفت یا اپ ڈیٹ بھی بیان کی جائے گی جو کہ یہ جانچنے کیلئے کہ آیا مطلوبہ نتائج حاصل ہوئے
ہیں یا نہیں ایک منظم بنیاد فراہم کرے گی، اس رپورٹ میں ہر پروگرام اور پراجیکٹ کی تکمیل
کا عرصہ بھی بتایا جائے گا۔ (5) امریکہ کی طرف سے مالیاتی فزیکل، تکنیکی یا انسانی وسائل کے
حوالے سے دی گئی وہ یقین دہانی جو کہ ان فنڈز پر موثر استعمال یا مانیٹرنگ میں رکاوٹ ہوگی، کے بارے
میں بھی اس رپورٹ میں ذکر کیا جائے گا۔ (6) امریکہ کی دوطرفہ یا کثیر الطرفہ معاونت کے متعلق
تفصیلات بھی اس رپورٹ میں شامل ہوگا اور اس حوالے سے اگر کوئی ہوگی تو پھر تبدیلی کیلئے
[illegible] کی گئی ہوگی جس کے تحت فنڈز یا معاونت ہوگی اس کی انجذابی صلاحیت

[illegible] بھی رپورٹ میں مذکور ہوگی۔ (7) رپورٹ میں اس ایکٹ کے ہر فنڈ کے تحت ہونے
والے اخراجات کے ضیاع، فراڈ یا غلط استعمال سے متعلق واقعہ یا رپورٹ بھی شامل کی
جائے گی۔ (8) ان فنڈز کی رقم جو کہ سیکشن 102 کے تحت استعمال کیلئے مختص کی گئی اور جو کہ
رپورٹ کے عرصے کے دوران انتظامی اخراجات یا آؤٹ لیز یا سیکشن 103 یا 101 (ی) کی ذیلی
شق 2 کے تحت حاصل اختیارات سے ذریعے استعمال کی گئی کی تفصیلات بھی رپورٹ میں شامل
ہوں گی۔ (9) سیکشن 101 (ی) کی ذیلی شق 5 کے تحت قائم مقرر کردہ چیف آف مشن فنڈ کی
طرف سے کئے گئے اخراجات جو کہ اس عرصے کے دوران کئے گئے ہوں گے جس کیلئے رپورٹ
تیار کی گئی ہے۔ اس رپورٹ میں شامل ہوں گے۔ اس میں ان اخراجات کا مقصد بھی بتایا جائے گا
اور اس میں چیف آف مشن کی طرف سے ایک لاکھ ڈالر سے زائد کے اخراجات سے وصول
کنندگان کی فہرست بھی شامل ہوگی۔ (10) اس ایکٹ کے تحت پاکستان کو فراہم
کی گئی معاونت کا حساب کتاب (اکاؤنٹنگ) جو کہ سیکشن 301 (اے) کی ذیلی شق 6 میں دی گئی
مختلف کیٹیگریز میں تقسیم کی گئی ہے کی تفصیل بھی رپورٹ میں بیان کی جائے گی۔ (11) اس
رپورٹ میں درج ذیل مقاصد کیلئے حکومت پاکستان کی طرف سے کی گئی کوششوں کے جائزہ بھی
پیش کیا جائے گا۔ (الف) فاٹا یا بندوبستی علاقوں میں القاعدہ، طالبان یا دیگر انتہا پسند اور دہشت
گرد گروپوں کے خاتمے، ان کو غیر موثر یا شکست دینے کیلئے کی گئی کوششیں۔ (ب) ایسی قوتوں
کے پاکستان میں موجود محفوظ ٹھکانوں کے خاتمے کیلئے کی گئی کوششیں (ج) لشکر طیبہ اور
جیش محمد کے تربیتی مراکز کی بندش (د) دہشت گرد اور انتہا پسند گروپوں کو ہر قسم کی مدد و تعاون کا
خاتمہ (ر) ہمسایہ ممالک میں حملوں کی روک تھام کیلئے کوششیں (س) اقدامات مدارس کے
نصاب کی نگرانی میں اضافہ اور طالبان یا دہشت گرد یا انتہا پسند گروپوں سے تعلق رکھنے والے
مدارس کی بندش کیلئے کی گئی کوششیں۔ (ش) انسداد منی لانڈرنگ قوانین اور دہشت گردی کے

...ے پہلے مذاکرات میں بہتری لانے کی کوششیں یا اقدامات (دیوتی اسٹامن کا کلمہ
...ورس پہلے حصہ کا ترجمہ اور وضاحت کردی پہلے دیوی کی مثال کی فراہمی روکنے کیلئے اقوام متحدہ کے چین
...وانی کونسل پر مسئلہ اٹھانے کی کی گئی کوششیں۔ (12) پاکستان کی طرف سے جوہری عدم پھیلاؤ
(جوہری مواد اور ٹیکنالوجی) کیلئے کی گئی کوششوں کی جامع تفصیل بھی اس رپورٹ میں شامل ہوگی۔
(13) اس رپورٹ میں ایک جائزہ بھی پیش کیا جائے گا تاکہ آیا پاکستان کو فراہم کی گئی معاونت
اس کے جوہری پروگرام کی توسیع میں بالواسطہ یا بلاواسطہ مددگار ثابت ہوئی ہے یا نہیں۔ آیا
امریکی معاونت کے اخراج یا پاکستان کے وسائل کی Reallocation جو کہ بصورت دیگر
پاکستان کے جوہری پروگرام سے غیر متعلقہ سرگرمیوں پر خرچ ہوں گے۔ (14) رپورٹ میں
سیکشن 202(بی) کے تحت مختص کیے گئے اور خرچ کیے گئے فنڈز کی جامع تفصیلات بھی شامل ہوں
گی۔ (15) اس رپورٹ میں حکومت پاکستان کا فوج پر موثر سویلین کنٹرول، بشمول سویلین
ایجنسیز، لیجسلیچر اور پارلیمنٹ کا فوجی، عسکری بجٹ کی نگرانی اور منظوری، کمانڈ کے تسلسل، سینئر فوجی
افسروں کی ترقی میں عمل دخل اور سول انتظامیہ میں فوجی مداخلت کی تفصیلات بھی شامل ہوں گی۔

(b) صوابدیدی اختیارات کی رپورٹس — پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ۔ سیکشن 301

(اے) کے تحت پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ پیش کیے جانے کے ایک سال کے اندر کنٹرول
جنرل آف امریکہ مناسب کانگریسی کمیٹی کو ایک رپورٹ پیش کرے گا جس میں درج ذیل
تفصیلات مذکور ہوں گی۔ (الف) پاکستان معاونت لائحہ عمل رپورٹ کا جائزہ اور اس حوالے سے
(ب) اس ایکٹ کے تحت مقاصد کے حصول کیلئے امریکی کوششوں کو موثر بنانے کیلئے اگر
...ں مزید اضافی اقدامات مناسب سمجھتا ہے تو وہ بھی بیان کیے جائیں گے۔ (پ) آرمز
...ٹ کنٹرول ایکٹ (22 یو ایس سی) کی شق 22 کے تحت دی گئی گرانٹ کے مطابق
...ی فروخت کے لائسنسز کی درخواست کی مفصل رپورٹ بھی پیش کی جائے گی۔

...ر یہ اس وقت پاکستان میں سیری لوگر بل میں ترامیم کا مطالبہ کرنے والے حلقوں کی
...سوچ ایوانوں میں اس بات کا تجزیہ کیا جا رہا ہے کہ اس تبدیلی کا حقیقی محرک کیا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ پاکستان
اس کے ساتھ ہی بل کی منظوری کے آخری مراحل سے گزران امریکی ایوانوں میں پاکستان کے حق
میں رائے ہموار کرنے کے لئے لابنگ فرم کے ذریعے امریکی امریکی خدمات حاصل
کی گئی ہیں حالانکہ یہ امر ابھی واضح نہیں کہ بل کی منظوری کے آخری مرحلہ پر اس فرم کی خدمات حاصل
قدر مددگار ثابت ہوں گی۔

امریکہ میں پاکستان کے حق میں کام کرنے والی اس نئی فرم کا نام لیسنڈی اینڈ لیونی انکارپوریٹڈ ہے
مذکورہ فرم کو واشنگٹن میں لابنگ کرنے والی سب سے بڑی فرموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یاد رہے
کہ پاکستان کو کیری لوگر بل کے ذریعے ملنے والی امداد میں لوآر ڈیٹیٹر کا کردار ادا کرنے والی
شخصیت میں رابن رافیل نئی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے اس فرم میں اہم حصہ دار تھیں تاہم
اب بحیثیت کوآرڈینیٹر تعیناتی کے بعد ان کا کام پاکستان کو ملنے والی امداد کے صحیح استعمال کی
مانیٹرنگ کرنا اور اس سلسلے میں امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن کو رپورٹ پیش کرنا ہے۔

تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ کیری لوگر امدادی بل میں سخت شرائط عائد کیے جانے پر پاکستان
کی مایوسی کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ بل کی منظوری کے آخری مرحلہ پر حکومت پاکستان نے
موجودہ لابنگ فرم مارک اے سیگل کی خدمات ترک کر دی ہیں۔ اس فرم کے مالک مارک سیگل
شہید محترمہ بھٹو کے ذاتی دوستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنہوں نے ان کے ساتھ مشترکہ طور پر ایک
کتاب بھی لکھی جو ان کی المناک موت کے بعد شائع ہوئی۔ لابنگ کی خدمات انجام دینے والی نئی
فرم کیسڈی کے ایک عہدیدار نے بتایا کہ پاکستان کے ساتھ ان کا معاہدہ سالانہ سات لاکھ امریکی
ڈالر میں ہوا ہے جبکہ دیگر اخراجات اس کے علاوہ ہونگے۔ اس طرح ان اخراجات کی مالیت کئی
لاکھ ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ کیسڈی ایسوسی ایٹس نے امریکی محکمہ انصاف کے پاس پاکستان کی

رابنگ فرم کی پیشت سے 14 جولائی 2000ء کو اپنی رجسٹریشن کے مقاصد بیان کرتے ہوئے
لکھا ہے کہ فرم امریکہ میں سرکاری اور نجی حلقوں میں فیصلہ ساز شخصیات اور اداروں میں پاکستان
کی پوزیشن کی پبلسٹی کرتی ہے اور پاکستان کے مقاصد اور مفادات کے متعلق امریکی حکومت،
قانون ساز اداروں کے عہدیداروں کو نہ صرف جانکاری دیتی ہے بلکہ امریکی حکومت کی پالیسی و
پاکستان کے مقاصد، مفادات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے لابنگ کرنے کی ذمہ داری نبھاتی
ہے۔ یہ فرم نجی شعبہ میں امریکی صنعتی اداروں کو پاکستان کے قریب لانے کے علاوہ امریکی حکومت
کی پالیسیوں، امداد دینے کے لئے امریکی حکومت کی ترجیحات سے پاکستان کو آگاہ رکھتی ہے۔
مثال ہے کہ ایسے وقت جب کیری لوگر بل امریکی ایوانوں میں منظوری کے مراحل طے کر رہا
ہے۔ اس وقت نئی امریکی لابنگ فرم کی خدمات حاصل کرنے سے پاکستان کے اس زمرے میں
اٹھنے والے مصارف میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ لیکن یہ بات واضح نہیں کہ اب تک اس فرم کی
خدمات سے پاکستان کیسے کون سے فوائد کے حصول کو ممکن بنایا ہے۔ اگرچہ موجودہ لابنگ فرم کے
مالک مارک سیگل کا کہنا ہے کہ کیری لوگر بل کی منظوری پاکستان کے لئے ایک بڑی کامیابی ہے
روزنامہ ڈان اسلام آباد کے پاس یہ بات آن دی ریکارڈ ہے کہ انہوں نے جولائی میں اخبار
نمائندوں سے ملتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ ان کی کمپنی نے پاکستان کے لئے امدادی بل منظور کرانے میں مدد
دی۔ جس کے نتیجے میں پاکستان کو ملنے والی غیر فوجی امداد تین گنا ہو کر پانچ سال میں سات
ارب ڈالر تک پہنچ گئی۔ انہوں نے کہا تھا کہ بھارتی لابی کی جانب سے بعض
ارکان کانگریس کو سخت ترغیب دے کر اس کے لئے تیار کیا گیا تھا لیکن ان کی کمپنی نے یہ کوششیں ناکام بنا
دیں۔ ان کوششوں کا مقصد بھارت سے مقابلے میں پاکستان کو دفاع کے معاملے میں
کمزور حالت میں پیش آنا تھا۔

[illegible] پاکستان کے خلاف پراپیگنڈے

کا توڑ بھی کیا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ انہوں نے پاکستان کیلئے فوجی امداد کی منظوری کرانے
میں بھی مدد دی جس سے ظاہر ہے پاکستان میں حکومت کی سوچ کاروں اور پالیسیوں کی تعمیر کیلئے امداد کا حصول
ممکن ہوا۔ جولائی سے مہینے میں ورلڈ سیگل کی جانب سے دیا گیا بیان اس نقطہ کی تائید ہے کہ اب
امریکی کانگرس نے کڑی شرائط عائد کرتے ہوئے پاکستان کیلئے کیری لوگر بل کی منظوری دے دی۔
اس بل میں امداد کی شرائط تو ماضی سے کہیں زیادہ سخت ثابت ہوئی ہیں جس پر وجہ تجویز کرتے ہوئے
مورخ نے لکھا ہے کہ مسٹر سیگل کی لابنگ کی کوششیں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں۔ اس طرح مارک
سیگل نے خود ہی رری کنسٹرکشن اپرچیونٹی زونز (Roz) کے قیام سے متعلق روزنامہ ڈان کی خبر کو جھٹلا دیا
کہ امریکی لیجسلیٹروں کی جانب سے سخت مخالفت کے باوجود ہم نے اردن کانگریس سے براہ
راست رابطہ کر کے انہیں "آر اوز یز" کے منصوبے کو کیری لوگر بل میں شامل کرنے اور بل ایوان کی
رولز کمیٹی میں پیش کرنے کیلئے کہا جس کی وجہ سے پورے ایوان سے اس بل کی منظوری ہوئی۔

مارک سیگل کے مطابق اس قانون کے ذریعے پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں
رری کنسٹرکشن اپرچیونٹی زونز (آر اوز یز) کا قیام ممکن ہوگا۔ امریکی سینیٹروں کینٹ کونل، سینیٹر کی اور
سینیٹر کی جانب سے بھی اس نوعیت کے بل سینیٹ میں زیر غور ہیں۔ روز Rozs کے قیام سے پاکستان
اور افغانستان کے سرحدی علاقوں میں تیار کی گئی ٹیکسٹائل مصنوعات، دستکاریوں، کارپٹ، قیمتی پتھر
اور دوسری اشیاء کو امریکی ڈیوٹی فری مارکیٹ تک رسائی حاصل ہوگی امریکہ کی جانب سے اردن،
مصر اور بعض دیگر ملکوں میں ایسے منصوبوں پر عمل کیا جا رہا ہے ہم نے ان منصوبوں کو معاشی تقاضوں
سے ہم آہنگ کرنے کیلئے کام کیا ہے۔ جس کا مقصد علاقے میں سیاسی استحکام پیدا کرنا ہے ہم
امریکی انتظامیہ پر اس منصوبے کو بلوچستان تک پھیلانے کیلئے زور دے رہے ہیں۔

مارک سیگل کے بلند بانگ دعوؤں کی قلعی اس وقت کھل گئی جب اس ہفتے کیری لوگر بل کی
سینٹ سے منظوری کے بعد نئی تھیلے سے باہر آ گئی جس میں رری کنسٹرکشن اپرچیونٹی زونز

(آر اوز یز) کے قیام کا ذکر تک نہ تھا مارک سوگل نے ان دعووں کے عوض پاکستان سے جو اجرت
حاصل کی اس کی ایک جھلک بھی ہوش اڑا دینے کیلئے کافی ہے۔ انہوں نے امریکی محکمہ انصاف
سے پاکستان سے ڈالر کی صورت میں بطور معاوضہ حاصل کی گئی رقم کی جو تفصیلات جمع کروائی
ہیں ان میں گاڑی کی پارکنگ فیس کے علاوہ پھولوں کی خریداری فرنیچر کی ایک جگہ سے دوسری جگہ
منتقلی حتیٰ کہ پاکستان سے آنے والے سفارتکاروں کیلئے جھنگے دامنوں ہوائی سفر کے ٹکٹ تک شامل
ہیں۔ ان اکاؤنٹس کی تفصیلات امریکی محکمہ انصاف کی ویب سائٹ فارن ایجنٹس رجسٹریشن
ایکٹ (FARA) پر دستیاب ہیں۔ پاکستان امریکہ میں لابنگ کیلئے کس قدر کثیر سرمایہ خرچ کرتا
ہے اور اس کام کیلئے کتنی امریکی فرموں کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل اس
ویب سائٹ پر دستیاب ہے۔ بعض فرموں کی جانب سے محکمہ انصاف کے پاس رجسٹریشن تو کرائی
گئی ہے اور پاکستان سے حاصل ہونے والی رقم کی تفصیل بھی دی گئی ہے لیکن اس کے بدلے
پاکستان کو دی جانے والی خدمات کا کوئی ذکر نہیں اس امر کی تفصیل اجمالاً درج ذیل ہے۔ (1)
برسن مارسٹیلر اور مونٹ ایونیو، چھ ماہ کیلئے حاصل کردہ رقم 119,946 ڈالر، فرم کی نوعیت میڈیا
ریلیشنز، پاکستان کیلئے خدمات کا ذکر نہیں۔

2۔ ڈیوی اینڈ بیوف نیویارک ایونیو چھ ماہ کیلئے حاصل کردہ رقم تین لاکھ ڈالر
پاکستان کی وزارت تجارت کیلئے خدمات

3۔ بے ڈیو ایشیا لمٹڈ اے بے این ایمرو بینک بلڈنگ کراچی حاصل کردہ رقم کا ذکر
نہیں شعبہ ایڈورٹائزنگ حکومت پاکستان کیلئے خدمات کا ذکر نہیں۔

4۔ رائل اردنیئن زمانہ واشنگٹن، حاصل کردہ رقم کا ذکر نہیں کام کی نوعیت پی آئی اے
کیلئے قانونی اور دیگر خدمات۔

(نومبر 2009ء)

لٹ کے کھا گئے

کیری لوگر بل پر بہت باتیں ہو چکیں لیکن جیسا کہ آغاز ہی میں سیانوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ بل
امریکہ نے تیار کیا ہے گو کہ اس کی تیاری میں بھارتی اور کچھ نام نہاد پاکستانیوں نے بھی اپنا حصہ
بقدر حوصلہ ڈالا ہے۔ اب معمول کے مطابق ہمارے کچھ سیاستدان اس پر شور و غوغا کر کے اپنا قد
بڑھانے کی کوشش تو کریں گے لیکن بالآخر وہ بھی اسی تنخواہ پر نوکری کرنے پر رضامند ہو جائیں گے
اور ایسا ہی ہوا۔

مسلم لیگ (ن) نے حسب سابق مشرف کے خلاف تعزیرات پاکستان کی دفعہ 6 کے تحت
مقدمہ چلانے کے معاملے کی طرح اس مسئلے پر بھی خاصی سرگرمی دکھائی۔ ٹی وی چینلز اور اسمبلی وزرا
پر خطابت کے جوہر دکھائے لیکن آخر کار امریکہ، لندن کے مختصر دوروں اور امریکی زعما خصوصاً سینیٹر
کیری لوگر سے ملاقات کے بعد مشرف کی پھانسی کے معاملے کی طرح اس مسئلے پر بھی "پرانی تنخواہ
پر کام کرتے رہنے" کی پالیسی پر عمل پیرا ہو گئے۔ اب کبھی کبھی سیاسی گرمی میں ابال آتا ہے تو
میڈیا کا پیٹ بھرنے کے لئے کچھ بیانات دے کر اپنی "اصولی سیاست" کا ڈھول پیٹنے لگتے ہیں۔

ہمارے ہر اس سیاستدان کو جو اقتدار کے ایوانوں سے دھکے کھا کر نکل آیا ہے، سلطان سے

غریب عوام کی قسمت پر پریشان رکھتی ہے۔ میاں نواز شریف نے ایک پریس کانفرنس میں یہ انکشاف کیا ہے کہ اس وقت پاکستان پر اندرونی اور بیرونی قرضوں کے بوجھ کی مالیت 8 ہزار ارب روپے تک پہنچ چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب ان کی حکومت برخاست کی گئی تو پاکستان پر قرضوں کا بوجھ 3 ہزار ارب روپے سے کم تھا اور اب قرضوں کا بوجھ اتارنے سے لئے قوم کو دو، الحصاری اپنانی ہوگی اور ہر شخص کو ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ اپنے ارادے کے متعلق انہوں نے حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ اس بل کو پارلیمنٹ سے منظور نہ کروائے آرڈیننس کیا گیا تو کرپشن کو قانونی شکل حاصل ہو جائے گی اور پاکستان پوری دنیا میں بدنام ہوگا۔ اس کالے قانون کو پارلیمنٹ سے منظور کروانا پاکستان پر ظلم ہوگا۔ ایسی ہی باتیں وزیراعلیٰ پنجاب نے بھی کی ہیں۔ علاوہ ازیں مسلم لیگ (ق) کے رہنماؤں نے بھی اس بل کی پارلیمنٹ میں مخالفت کرنے کا عندیہ دیا ہے اور این آر او کو صدر پرویز مشرف کی ذاتیات سے منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس آرڈیننس کو جاری کرنے میں مسلم لیگ (ق) کا کوئی عمل دخل نہ تھا اور این آر او پیپلز پارٹی اور پرویز مشرف کے درمیان معاہدے کا نتیجہ ہے۔ مقام افسوس کہ اس وقت ہمارا ملک جو ہر قسم کے قدرتی وسائل سے مالا مال ہے اور جس کے عوام محنت کش اور عظیم ہیں۔ اس کا شمار دنیا کے سب سے زیادہ مقروض ملکوں میں ہوتا ہے اور اس وقت آئی ایم ایف کے قرضوں میں پوری طرح جکڑا جا چکا ہے۔ پاکستان میں یہ بھی قرضوں کی ریل پیل ہے۔ اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 2008ء میں پاکستان نے ایشیائی ترقیاتی بینک سے 1.7 ارب ڈالر کا ریکارڈ قرضہ حاصل کیا اور 1966ء سے 2007ء تک ایشیائی ترقیاتی بینک سے حاصل کردہ قرضوں کی مالیت 9.8 ارب ڈالر تھی۔ 2008ء تک 14 ارب ڈالر تک پہنچ چکی ہے۔ ملک اس وقت ایشیائی ترقیاتی بینک، آئی [illegible] ورلڈ بینک جیسے بین الاقوامی اداروں کا تقریباً 60 ارب ڈالر کا مقروض ہے اور یہ [illegible] حکومت ہیں [illegible] جا رہا ہے اور ہماری حکومت کاسہ گدائی لے کر در در گھوم

رہی ہے اور اس طرح ہماری قوم قرضوں سے بوجھ میں بری طرح جکڑی جا چکی ہے اور اس وقت پاکستان کا ہر شہری 60 ہزار روپے کا مقروض ہے۔ پاکستان اس وقت تاریخ کے انتہائی نازک دور سے گزر رہا ہے۔ اس کی معیشت قریباً تباہ ہو چکی ہے۔ بجلی، گیس کی لوڈ شیڈنگ اور مہنگائی، پٹرول کی قیمتوں میں ہوشربا اضافے کی وجہ سے پاکستان کی معیشت کا پہیہ عملی طور پر جام ہو چکا ہے۔ جس سے پاکستان کا ہر تیسرا شخص بے روزگار ہو گیا ہے اور غربت خط غربت سے نیچے تک پہنچ چکی ہے۔ پاکستان کی آدھی آبادی خط غربت سے کم آمدنی پر زندگی گزار رہی ہے جبکہ حکومت اپنی عیاشیوں پر اخراجات میں متواتر اضافہ کئے جا رہی ہے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کے اہم رہنماؤں نے اپنے آپ کو حفاظتی کٹہرے میں بند کر لیا ہے اور وہ اتنے خوفزدہ ہو چکے ہیں کہ عوام کا سامنا کرنے سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔ بااثر افراد نے اپنی حفاظت کے لئے سرکاری خرچہ پر ہزاروں اہلکاروں کو تعینات کر رکھا ہے۔ سرکاری جہاز اور ہیلی کاپٹرز غیر ضروری تقریبات پر استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عوامی مسائل کم ہونے کے بجائے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ کرپشن عروج پر ہے۔ چھوٹی سطح سے اوپر تک ہر بااثر شخص اپنا حصہ وصول کر رہا ہے، عوام کا کوئی پرسان حال نہ ہے۔ بے ضابطگیوں کے حوالے سے 2008-2007ء کی ایک رپورٹ کے مطابق دفاعی پیداوار اور پی آئی اے میں 1 کھرب 60 ارب 32 کروڑ روپے کی کرپشن ہوئی۔ ریلوے میں 14 ارب 39 کروڑ روپے، اسٹیٹ لائف میں 1 ارب 80 کروڑ روپے، بورڈ آف ریونیو میں 1 کھرب 1 ارب روپے کی کرپشن کے ثبوت منظر عام پر آ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں وزارت تجارت کابینہ ڈویژن، نیشنل پاور ریگولیٹری اتھارٹی، وزارت خزانہ اور دیگر محکمے بھی اربوں روپے کی کرپشن میں ملوث ہیں، لیکن مقام افسوس کہ حکومت وقت این آر او کا سہارا لے کر پارلیمنٹ میں اس بل کو منظور کروا کر کرپشن میں ملوث لوگوں کو تحفظ دینے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ امر حیران کن ہے کہ میاں نواز شریف جنہوں نے ہر شہری سے ٹیکس ادا کرنے کی اپیل کی

ہے۔ قومی اسمبلی سے صدارتی نشست سے اپنے گوشوارے جمع کراتے ہوئے خواجہ شوت
ظاہر کیں وہ بھی عجوبہ ہیں جن میں انہوں نے صرف پچھتر روپے انکم ٹیکس ادا کرنے کا ذکر
ہے۔ یہ ادائیں اپنے آپ کو مرشتے داروں کا گرداروں روپے کا مقروض بتایا ہے۔ یہی سال
اور صدر محمد اور دیگر کا ثبوت ہے جو پاکستان سے لوٹ مار کر اپنا سرمایہ بیرون ملک
منتقل کر رہے ہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے جو کہ ان کی پارٹی کے اہم رہنماؤں نے تصحیح فرمایا تھا۔
اگر نواز شریف، زرداری اور دیگر سیاستدان غیر ملکوں میں جمع شدہ اپنا سرمایہ واپس لے آئیں تو
پاکستان سے نہ صرف تمام قرضوں کا بوجھ اتر سکتا ہے بلکہ اس ملک کا شمار ترقی یافتہ ملکوں کی صف
میں ہو سکتا ہے۔ اس وقت سیاستدانوں، بیوروکریٹس، فوجی حکام اور دیگر افراد کا غیر ملکوں میں محفوظ
سرمایہ 200 ارب ڈالر سے قریب ہے جبکہ پاکستان 60 ارب ڈالر بیرونی قرضوں کا
مقروض ہے۔ وقت آگیا ہے کہ سیاستدان اور دیگر افراد اپنا غیر ملکوں میں محفوظ سرمایہ فوری طور پر
واپس لائیں۔ پاکستان کے بڑے سرمایہ کار میاں منشا نے 1 ارب ڈالر ملک میں لانے کی خوشخبری
دی ہے تین دوسرے دو بڑی بڑی مچھلیوں کے رہنما جو پاکستان کے دوسرے اور چوتھے امیر ترین
افراد ہیں نے ابھی تک غیر ملکوں میں محفوظ سرمایہ واپس لانے کی کوئی حامی نہیں بھری۔ مقام افسوس
ہے کہ صرف پاکستان میں ہوتا ہے۔ دنیا کے کسی دیگر ملک کے سیاستدان ایسا نہیں کرتے۔
[illegible] ان محترمہ و معزز سیاسی قائدین پر انصار عباسی کا کالم "دروغ برگردن راوی" کے ساتھ
[illegible] انصار عباسی لکھتے ہیں "سیاست کے لئے پاکستان" گزشتہ دنوں نیو
[illegible] کے مطابق سابق وزیر اعظم اور مسلم لیگ ن کے قائد نواز شریف نے قومی
[illegible] کے صفحہ 123 میں [illegible] کے گوشوارہ میں ظاہر کیا ہے کہ ان کے بینک
[illegible] صرف [illegible] روپے ہیں اور انہوں نے 2004ء سے 2006ء تک کوئی انکم ٹیکس
[illegible] کے گوشوارے دیئے گئے ہیں ان کے مطابق انہوں نے

[illegible] روپے ظاہر کئے ہیں جن میں [illegible] روپے کی زرعی اراضی بھی ہے [illegible] ان کی 16 ایکڑ 40 کنال 965 روپے کی زرعی اراضی بھی ہے [illegible] ملکیت ایک گھر، 85 ایکڑ 37 کنال اراضی [illegible] روپے ہیں۔ واضح ہو کہ نواز شریف سے پاس 18 لاکھ 96 ہزار 425 روپے نقد ہیں [illegible] 225 روپے بینک میں موجود ہیں۔ گوشوارہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ نواز شریف نے اپنی اہلیہ سے 16 لاکھ، صاحبزادی مریم سے 122 لاکھ، صاحبزادے حسین نواز سے 21 لاکھ اور بھائی میاں شریف سے 25 لاکھ روپے قرض لے رکھا ہے۔

قومی احتساب بیورو کی تحقیقات کے ریفرنس میں موجود صدر آصف علی زرداری اور ان کی مرحومہ زوجہ اور سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے انکم ٹیکس گوشوارے برائے سال 1993-94ء سے 1996-97ء بھی توجہ طلب ہیں۔ ان گوشواروں کے مطابق صدر آصف علی زرداری نے 1992-93ء میں صرف 120,318 روپے کل آمدنی دکھائی اور صرف 2,621 روپے انکم ٹیکس ادا کیا۔ اس سال بے نظیر بھٹو صاحبہ نے اپنی کل آمدنی محض 55,806 روپے دکھائی اور صرف 1,216 روپے ٹیکس ادا کیا۔ سال 1993-94ء میں زرداری صاحب کی 142,947 روپے آمدنی تھی جس پر انہوں نے 3,142 روپے ٹیکس ادا کیا۔ اسی سال بے نظیر بھٹو صاحبہ نے 1,038,982 روپے اپنی آمدنی بتائی اور 14,842 روپے ٹیکس ادا کیا۔ سال 1994-95ء میں صدر زرداری کی سالانہ کل آمدنی 303,163 روپے تھی جس پر انہوں نے 6,492 روپے حکومت کو ٹیکس ادا کیا۔ سال 1995-96ء میں صدر زرداری نے اپنی کل آمدنی 417,212 روپے ظاہر کی۔ جس پر انہوں نے حکومت پاکستان کو 8,452 روپے ٹیکس کے طور پر ادا کیا۔ سال 1996-97ء میں صدر زرداری نے کل آمدنی 495,044 روپے ظاہر کی۔ جس پر انہوں نے

9,191 روپے ٹیکس ادا کیا۔ اس سال بے نظیر بھٹو صاحب نے اپنی کل آمدنی 439,062 روپے ظاہر کی اور 8,152 روپے حکومت پاکستان کو انکم ٹیکس کی مد میں ادا کیے۔ ٹیکس کے ریکارڈ کے مطابق اپنے کل اثاثہ جات کے متعلق صدر زرداری نے 1993-94ء میں ان کی مالیت 3,892,418 روپے دکھائی جبکہ اسی سال محترمہ بے نظیر بھٹو نے 4,570,738 روپے کل اثاثہ جات دکھائے۔ 1994-95ء صدر زرداری نے 12,175,771 روپے اور بے نظیر صاحبہ نے 14,248,194 روپے کے کل اثاثہ جات ظاہر کیے۔ 1995-96ء میں صدر زرداری کے کل اثاثہ جات کی مالیت 10,830,565 روپے اور بے نظیر بھٹو کی 16,525,660 روپے دکھائی گئی جبکہ 1996-97ء میں بڑھ کر صدر زرداری کے اثاثہ جات 18,736,892 12,765,705 روپے تک پہنچ گئے اور بے نظیر بھٹو صاحب کے کل اثاثہ جات روپے۔ یاد رہے کہ ان اثاثوں میں صدر زرداری اور بے نظیر بھٹو صاحب کے ملک کے اندر اور ملک سے باہر تمام پیسہ اور جائیداد شامل کی گئی تھیں۔ ان تفصیلات کے مطابق صدر زرداری اور محترمہ بے نظیر بھٹو کے پاس 1996-97ء میں کل تین کروڑ اور تقریباً 14 لاکھ مالیت کے اثاثے تھے۔

آج ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ 2009ء میں جمع کرائے گئے اپنے ٹیکس گوشواروں میں جناب صدر آصف علی زرداری اور محترم نواز شریف صاحب نے حکومت پاکستان کو کتنا کتنا ٹیکس ادا کیا اور اپنے کل اثاثوں کی کتنی مالیت ظاہر کی۔ بظاہر صدر زرداری اور میاں نواز شریف کا شمار امیر ترین پاکستانیوں میں ہوتا ہے اور ان کے اثاثوں کی موجودہ مالیت بلاشبہ اربوں میں ہے۔ ایک طرف صدر زرداری کے اثاثوں کا بڑا حصہ اس ملک سے باہر ہے جس کے وہ اعلیٰ ترین حکمران ہیں۔ دوسری طرف میاں نواز شریف صاحب کے اثاثوں کا بھی ایک خاطر خواہ حصہ ملک سے باہر ہے [illegible] میں سے [illegible] میاں شریف، حسین نواز اور حسن نواز نے پاکستان سے پیسہ لے جا کر سعودی عرب اور [illegible] پیسے [illegible] صدر زرداری کے تینوں بچے بھی ملک سے باہر ہیں۔ ایک وقت

میں اور دو برطانیہ میں زیر تعلیم ہیں۔

اطلاعات کے مطابق پاکستانی سیاست کا ایک اور اہم مہرہ چوہدری شجاعت حسین اور ان کے چچازاد چوہدری پرویز الٰہی نے بھی حالیہ سالوں میں اپنے بیٹوں کو برطانیہ بھیجا اور وہ وہاں زیر تعلیم ہیں۔ چوہدری برادران کے سیاسی آقا اور بھگوڑے ڈکٹیٹر جنرل (ر) مشرف بھی ایک Lower middle class خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد نے آج سے تقریباً 50 سال پہلے 5 روپے کے قلیل قرضے میں فیکٹ خرید لیا اور ایک چھوٹی سی جگہ سے کاروبار کا آغاز کیا۔ مشرف کی طرح ان کے بھگوڑا وزیراعظم شوکت عزیز بھی اپنی تمام تر دولت کے ساتھ برطانیہ میں مکمل سکونت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ایسے بہت سے قابل الطاف حسین پچھلے کئی سالوں سے برطانیہ میں قیام پذیر ہیں۔ نہیں معلوم ان کی ذات کی جانب سے پاکستان کتنا ٹیکس ادا کیا گیا اور انہوں نے یہاں کتنی سرمایہ کاری کی۔ اگرچہ الطاف حسین کا شمار سرمایہ دار اور ارب پتی سیاستدانوں میں نہیں ہوتا مگر اسلام آباد میں ایک حکومتی وزیر کے حوالے سے دیئے ہوئے ایک انٹرویو نے بتایا کہ الطاف حسین نے لندن میں اپنے ایک خاندانی بھگوڑے کے علاج کے لئے تقریباً 15 لاکھ برطانوی پاؤنڈ ادا کیے۔ اگر یہ اطلاعات غلط اور بے بنیاد ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ایم کیو ایم صورتحال کی وضاحت کرے گی۔

اب جبکہ ملک کے بڑے بڑے سیاست دان برائے نام ٹیکس دیں اور اپنے سرمائے اور کاروبار کے لیے پاکستان پر اعتماد نہ کریں اور اس سلسلے میں غیر ممالک کا انتخاب کریں تو پھر عام پاکستانی ٹیکس کیوں دے اور بیرون ملک سے کوئی سرمایہ دار پاکستان کیونکر آئے گا۔ صدر زرداری بیرونی سرمایہ کاری کے لئے اکثر بیانات دیتے رہتے ہیں اور میاں نواز شریف امریکی اور بیرونی قرضوں کے خلاف قوم کو اٹھ کھڑا ہونے کا درس دے رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں لیڈر اور دوسرے سیاستدان اپنا سرمایہ پاکستان کے اندر لائیں گے۔ کیا وہ اپنے بچوں سے کہیں گے کہ

ملک کے اندر سرمایہ کاری کریں اور اپنی حیثیت کے مطابق پاکستان کو ٹیکس دیں۔ اگر ایسے
ہ پاکستانی اور غیر ملکی دہندگان کیا یہ سوچنے پر برحق بجانب ہوں گے کہ وہ کیوں ٹیکس اور
یہاں کاروبار کے لئے سرمایہ کاری کریں۔ اگر پاکستان کی فضا ایک عام کاروباری اور سرمایہ
لئے مناسب نہیں تو یہ سیاستدان اور حکمران اس کو بہتر بنانے میں کیسے مخلص ہو سکتے ہیں۔ جو
اپنے سرمائے اور کاروبار کیلئے دوسرے ممالک کو محفوظ سمجھتے ہوں۔ یہاں تو ہمارا ماضی اور حال ہمیں
بتاتا ہے کہ ہمارے حکمران اور سیاستدان غریب عوام کے خون پسینے کی کمائی سے وصول کئے گئے ٹیکسوں
نہ صرف بیرونی دوروں اور اپنی عیاشیوں پر خرچ کرتے ہیں بلکہ قوم کی دولت سے اربوں کروڑوں
کی لوٹ کھسوٹ میں کھلے عام اور بغیر کسی ڈر و خوف کے ملوث ہوتے ہیں۔ ہم عوام کے ساتھ جینے
مرنے کا قصد کرنے والے سیاستدانوں کو اپنے قول و فعل کا تضاد ختم کرنا ہوگا اور ان کو پاکستان کو
پاکستان سمجھنا ہوگا۔ خدارا ہمیں محض نعرے مت دو۔

اس مرحلے پر ہماری خصوصی میاں صاحب سے، چوہدری صاحبان سے، زرداری صاحب
سے اور جناب خواجہ سے کہ وہ غیر ممالک میں موجود اپنے سرمائے کا کم از کم نصف پاکستان
میں [illegible] ملک قائم رہے گا اور آپ کی بادشاہتیں بھی وقتے وقتے سے چلتی رہیں
گی۔

(دسمبر 2009)

القاعدہ نہیں، سونے کے ذخائر

چند روز قبل امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے اپنے نمائندے کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی ہے کہ طالبان نے بلوچستان میں ملا عمر کی سربراہی میں "طالبان کونسل" بنالی ہے جو افغانستان میں ہونے والی دہشت گردی کی حالیہ تمام کارروائیوں کی منصوبہ ساز اور خالق ہے۔ جس کی وجہ سے امریکی حکام بلوچستان پر ڈرون حملوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ مذکورہ اخبار نے واضح طور پر لکھا کہ امریکہ بلوچستان کو اپنا ٹارگٹ بنا سکتا ہے۔ اس کے بعد ملک بھر میں بلوچستان پر ڈرون حملوں کے امکانات کے حوالے سے اخبارات میں بیان بازی اور مکالموں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

یہ پہلا موقع نہیں ہے جب مغربی ذرائع ابلاغ نے ملا عمر کی کوئٹہ یا بلوچستان میں موجودگی پر خبریں شائع کی ہوں، تاہم ماضی میں امریکی حکومت نے اس طرح کے پروپیگنڈے پر کبھی کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اب امریکی حکام کی طرف سے آنے والے بیانات صورت حال کی سنگینی کا پتہ دیتے ہیں۔ جن میں یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ "طالبان اور القاعدہ نے بلوچستان میں محفوظ پناہ گاہیں بنالی ہیں جن کے خلاف کارروائی کے لئے سنجیدگی سے غور کیا جا رہا

اردو فینز
کیلئے

...ں طالبان کی موجودگی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس نے اپنے لئے ہوم" تحریک طالبان بلوچستان
...اپنے بیان میں اس وقت سامنے آئی جب 4 مارچ 2009ء کو ان کی آرمی سے
...ہیڈ کوارٹر پر حملہ ہوا۔ اس حملے میں طالبان تحریک کی موجودگی اور اس سے منصوبہ سازوں
...کا انکشاف ہوا۔ مغربی ذرائع ابلاغ نے اسے خوب اچھالا۔ 14 مارچ کو امریکی سے وزیر دفاع
...رابرٹ گیٹس نے پریس کانفرنس کے دوران بلوچستان میں طالبان تحریک سے متعلق سوال کے
...جواب میں کہا

"WELL, I THINK WE ALL HAVE A CONCERN ABOUT THE (QUETTA SHURA) AND THE ACTIVITIES OF THE TALIBAN IN THAT AREA. BUT I THINK THIS IS PRINCIPALLY A PROBLEM AND A CHALLENGE FOR THE PAKISTANIS TO TAKE ON AND AS WE HAVE INDICATED, WE ARE PREPARED TO DO ANYTHING TO HELP THEM"

اس پریس کانفرنس سے دو چیزیں سامنے آئیں۔ ایک تو یہ کہ بلوچستان میں جو بھی
...کارروائی ہوگی پاکستان خود کرے گا۔ یعنی امریکہ نے بلوچستان پر ازخود حملوں سے واضح طور پر
...انکار کر دیا۔ دوسرا رابرٹ گیٹس نے "تحریک طالبان بلوچستان" کو "کوئٹہ (بلوچستان) شوریٰ" سے
...منسلک کیا۔ یہ انکشاف بھی پہلی بار امریکی حکومت کے ایک ذمہ دار عہدیدار نے کیا تھا۔ تاہم بلوچستان سے طالبان کی
...موجودگی کا انکشاف سب سے پہلے امریکی اخبار نیویارک ٹائمز نے کیا تھا۔ خیر رابرٹ گیٹس کی پریس کانفرنس
...کے بعد پاکستانی دفتر خارجہ نے بھی 17 مارچ کو محدود سرخی کے ساتھ تفصیلی خبر شائع کی
...جس میں بلوچستان میں طالبان کی موجودگی سے انکار کیا گیا ہے۔ اگر یہ خبر
...شائع ہونے سے پہلے سامنے آ گئی تو پھر پاکستانی عوام کا ابتدائی ردعمل

...انتہائی مثبت تھا۔ (اب اس طرح کا ردعمل اصلاً نہیں آتا ہے بلوچ قوم پرستوں کی قوت
...سے واقف ہے) حکومت بلوچستان نے پارلیمانی پارٹی کی خبر کو پاکستان میں طالبان کی
...موجودگی سے بعد آنے والی بلوچ قیادت کے خلاف گہری سازش قرار دیا۔ بلوچستان کی
...صوبائی اسمبلی نے قرارداد مذمت بھی منظور کی۔ اسی دوران امریکی ایوان نمائندگان میں بلوچستان میں طالبان کی
...موجودگی کا معاملہ زیر بحث آیا۔ بہرحال امریکی وزارت خارجہ نے پارلیمانی خبر کو واضح طور پر
...مسترد کر دیا۔ امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان رابرٹ وڈ نے کہا کہ امریکہ بلوچستان میں طالبان کی
...موجودگی کی تحقیقات کرنے کے لئے اسلام آباد میں تعینات خاتون امریکی سفیر ANNE PATTERSON فوری طور پر کوئٹہ پہنچی۔ وہاں اس نے بلوچستان کے وزیراعلیٰ نواب اسلم
...رئیسانی سے ملاقات کی۔ بعدازاں امریکی سفارت خانے سے ایک بیان جاری کیا گیا کہ
..."مذکورہ ملاقات UNHCO کے کوئٹہ میں نمائندے جان سولیکی کی رہائی کے حوالے سے تھی اور
...اس ملاقات کا "طالبان قیادت" کی بلوچستان میں موجودگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

یہاں جان سولیکی کے کوئٹہ سے اغوا کا ذکر کرتا چلوں جس کی 2 فروری 2009ء کو دن
...دیہاڑے اغوا سے لے کر 65 دن بعد رہائی تک کی پراسرار کہانی کسی بھی طرح داستان طلسم ہوشربا
...سے کم نہیں۔ اندازہ لگائیے پروپیگنڈہ طالبان کے امیر ملا عمر کی کوئٹہ میں موجودگی اور کوئٹہ شوریٰ کا
...تھا۔ لیکن امریکی شہریت رکھنے والے کٹر یہودی جان سولیکی کا اغوا علیحدگی پسند بلوچوں سے حصہ
...میں آیا۔ جو اس کے بدلے 41 بلوچ خواتین کی رہائی کا مطالبہ کرتے رہے اور اس مضحکہ خیز
...مطالبے کو پورا نہ ہونے پر یرغمالی کو قتل کی دھمکیاں دی جاتی رہیں اور مدت مطالبہ میں اضافہ بھی
...جاری رہا۔

آخرکار دو ماہ پانچ دن بعد جب جان سولیکی کی رہائی عمل میں آئی تو اس کی صحت دیکھ کر خود مغربی
...دانشور تبصرہ نگار کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "لگتا ہے جان سولیکی بھی رخصت پر تھا۔"

حامد
اردو فینز
کیلئے

ہے ۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ ہم سب کو اس کے بارے میں تشویش ہے اور ہم اس
خطے کے ساتھ ہونے والی پیش رفت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے
کہا کہ ہم سب کو اس بات پر تشویش ہے کہ کوئٹہ شوریٰ اور اس سے منسلک
گروپ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اپنی سرگرمیاں بڑھا رہے ہیں۔
ہیلری کلنٹن نے کہا کہ ہم سب کو اس بات پر تشویش ہے کہ کوئٹہ شوریٰ اور اس
سے منسلک گروپ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اپنی سرگرمیاں بڑھا
رہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ ہم سب کو اس بات پر تشویش ہے کہ کوئٹہ
شوریٰ اور اس سے منسلک گروپ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اپنی
سرگرمیاں بڑھا رہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ ہم سب کو اس بات پر
تشویش ہے کہ کوئٹہ شوریٰ اور اس سے منسلک گروپ افغانستان کے ساتھ
ساتھ پاکستان میں بھی اپنی سرگرمیاں بڑھا رہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا
کہ ہم سب کو اس بات پر تشویش ہے کہ کوئٹہ شوریٰ اور اس سے منسلک
گروپ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اپنی سرگرمیاں بڑھا رہے
ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ ہم سب کو اس بات پر تشویش ہے کہ کوئٹہ
شوریٰ اور اس سے منسلک گروپ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی
اپنی سرگرمیاں بڑھا رہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ ہم سب کو اس بات
پر تشویش ہے کہ کوئٹہ شوریٰ اور اس سے منسلک گروپ افغانستان کے
ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اپنی سرگرمیاں بڑھا رہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن
نے کہا کہ ہم سب کو اس بات پر تشویش ہے کہ کوئٹہ شوریٰ اور اس سے
منسلک گروپ افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی اپنی سرگرمیاں
بڑھا رہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ ہم سب کو اس بات پر تشویش ہے
کہ کوئٹہ شوریٰ اور اس سے منسلک گروپ افغانستان کے ساتھ ساتھ
پاکستان میں بھی اپنی سرگرمیاں بڑھا رہے ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے کہا کہ

واپس آتے ہیں موجودہ صورت حال کی طرف، کیا واقعی بلوچستان میں طالبان یا کوئٹہ شوریٰ
نامی کوئی تنظیم موجود ہے یا یہ سب کچھ فریب، جھوٹ اور دھوکہ سلے پر مبنی ہے؟ اور کیا واقعی امریکہ
بلوچستان میں ڈرون حملوں کی تیاری کر رہا ہے؟ اس حوالے سے "ایشیا ٹائمز" نے اپنی رپورٹ
میں دعویٰ کیا ہے کہ مسئلہ بلوچستان میں القاعدہ قیادت یا طالبان کی موجودگی کا نہیں بلکہ سارا معاملہ
امریکی معیشت کی بحالی کا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکی معیشت کا دارومدار جدید ٹیکنالوجی کی حامل
عسکری صنعت اور اسلحہ سازی پر ہے۔ جس کے ساتھ دیگر بہت سے کاروبار وابستہ ہیں۔ ایک
طرف عالمی کساد بازاری اوپر سے عراق میں جنگ بندی کے بعد امریکی فوج کے انخلاء نے
امریکہ کی دفاعی پیداواری صنعت کو مزید پستی میں دھکیل دیا ہے۔ جس کے بعد اوبامہ انتظامیہ پاکستان
میں ہے کہ وہ مرتی ہوئی دفاعی صنعت کو سہارا دے اور جنگ کے لئے نیا میدان تلاش کرے۔ ورنہ
جنگ و جدل سے منسلک لاکھوں امریکیوں کی نہ صرف روزی بند ہو جائے گی ساتھ ہی جدید
ٹیکنالوجی پر پیش رفت کو بھی دھچکا لگے گا۔ "ایشیا ٹائمز" کے مطابق پینٹاگون نے دو سال قبل "سان
ڈیگو" میں واقع بغیر پائلٹ طیارے بنانے والے ادارے "جنرل اٹامک کمپنی" کو ایسے ڈرون
بنانے کا آرڈر دیا تھا جو زیادہ طویل عرصے تک فضا میں پرواز کر سکے۔ اس میں نصب کیمروں کی
پکڑ دائرے پہلے سے بہتر ہو اور یہ ڈرون طیارے زیادہ تعداد اور وزن کے بم و میزائل اٹھانے کی
صلاحیت رکھتے ہوں۔ ایک طرف تو اس پروجیکٹ کو منافع بخش سمجھتے ہوئے بڑے امریکی کنسورشیم
نے اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کر دی، دوسری طرف عراق سے فوجی انخلاء کے بعد وہاں ڈرون
حملوں کی پروازوں کا سلسلہ جو کہ 16 سے 20 گھنٹے یومیہ پر محیط تھا وہ بند ہوا تو ساتھ ہی امریکہ
[illegible] سے اڑنے والے پروازوں کو کنٹرول کرنے کا دورانیہ بھی نصف ہو گیا۔ اسی طرح
[illegible] افغانستان و پاکستان میں پروازوں سے دوران ہر ماہ 16 ہزار گھنٹوں
[illegible] فوجوں کی واپسی کا عمل شروع ہوتے ہی پینٹاگون نے

ڈرون طیاروں کی خریداری کے لئے آرڈر گھٹا کر آدھے کر دیئے۔ جس پر کنسورشیم سے منسلک
امریکی سرمایہ کاروں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا اور ساتھ ہی تجویز پیش کر دی کہ پاکستان میں
ڈرون آپریشنز بڑھائے جائیں۔ امریکی بااثر سرمایہ داروں سے دباؤ میں آکر امریکی کانگریس کی
دفاعی کمیٹی نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ پاکستان میں ڈرون حملوں کا دائرہ بڑھایا جائے۔
"ایشیا ٹائمز" کے مطابق اگر صدر اوبامہ بلوچستان میں ڈرون حملوں کا اجازت نامہ جاری کر دیتے تو
اس طرح ایک تو ڈرون طیاروں سے منسلک صنعت کو سہارا مل جائے گا، دوسرا امریکہ کو جدید
ٹیکنالوجی کی آزمائش کا موقع ملے گا۔ کیونکہ بلوچستان میں مسافت زیادہ ہونے کی وجہ سے
طیاروں کی پرواز کا دورانیہ بڑھ جائے گا اور صوبہ سرحد میں مقامی کے اڈوں سے تیار شدہ گھروں کی
نسبت کوئٹہ میں ان طیاروں کو پختہ گھروں اور سنگلاخ چٹانوں کا سامنا ہوگا۔ جن کے لئے زیادہ
وزن اور طاقت کے بم یا گائیڈڈ میزائل اٹھانے والے ڈرون درکار ہوں گے۔ بہرحال مندرجہ بالا
نقطہ نظر "ایشیا ٹائمز" کا ہے، تاہم بعض عالمی مبصرین امریکہ کی بلوچستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا
اصل سبب گوادر کی بندرگاہ اور ضلع دالبندین و نوشکی (چاغی) میں پائے جانے والے سونے کے
ذخائر کو قرار دیتے ہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا صوبہ بلوچستان میں غربت و پسماندگی کے نام پر حالیہ شورش کی ابتدا
2002ء میں اس وقت ہوئی۔ جب ایک معاہدے کے تحت چین نے گوادر کے ساحل پر بندرگاہ
کی تعمیر کا آغاز کیا، کیونکہ قدرتی گہرے سمندر کے ساحل پر بندرگاہ کی تعمیر ہمارے کسی ہمسائے کو
قبول نہیں تھی۔ جبکہ بہت سے ملکوں کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھنے والے گوادر کے ساحلوں تک
پہنچنے کی کوشش میں سوویت یونین جیسا طاقتور ملک خواب کی طرح بکھر گیا۔ گوادر بندرگاہ کی تعمیر پر
بھارت سب سے زیادہ ناخوش تھا۔ بھارتی ایماء پر چند قوم پرست سرداروں نے مخالفت کا وہ انداز
اور موقف اپنایا جو کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے خلاف چند معروف وڈیروں نے اختیار کیا تھا اور آخر کار

پاکستانی زراعت و معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والے اس اہم منصوبے کو ور
نے ڈوبانے میں کامیاب ہو گئے۔ جبکہ تمام تر تحفظات، رکاوٹوں کے باوجود بندرگاہ کی تعمیر
متعین کردہ مدت سے بھی پہلے مکمل ہو گئی۔ گوادر کے لئے چین کو اپنے بہت سے شہریوں،
انجینئروں کی جانوں کی قربانی دینی پڑی۔ بھارت کی طرف سے ہمسایوں کے اندرونی معاملات
میں مداخلت کا یہ عالم ہے کہ 28 مئی 2008ء کو بھارتی لوک سبھا (پارلیمنٹ) سے طویل بحث
مباحثے کے بعد ایک قرارداد منظور کرائی گئی جس میں گوادر بندرگاہ کو بھارتی سلامتی کے لئے
خطرناک قرار دیتے ہوئے اس کے تدارک کا فیصلہ کیا گیا۔

یہ تدارک مختلف طرح کے حملوں کی صورت میں تھا۔ مثلاً بلوچستان میں مسلح مداخلت آباد
کاروں، ترقی پسندوں کی طرف سے اہم سرکاری و دفاعی تنصیبات پر حملے، صوبہ سرحد قبائلی
علاقوں میں دہشت گردوں کی عسکری و مالی امداد اور پاکستان کے طول و عرض میں دھماکوں، خونریزی
جیسوں کو فروغ دیا گیا۔ بھارتی سازشیں اپنی جگہ، امریکہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ چین کی معاشی و دفاعی
[illegible] گوادر تک براہ راست ہو جائے۔

اب آیئے سونے کے ذخائر کی طرف، بلوچستان میں ایکوڈک ضلع چاغی کا پسماندہ ترین
علاقہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا کے دوسرے بڑے ذخائر پاکستان کے ان دور دراز اور
پسماندہ ترین علاقے میں موجود ہیں جہاں سے سونا نکالنے کا کام 2006ء سے جاری ہے۔ سونا
نکالنے کا ٹھیکہ ابتدا میں مینرال ان کمپنی ریسورسز" کو دیا گیا تھا جس نے کچھ عرصہ بعد "ایکوڈک
ریسورسز" کے نام سے سونے کی کانیں آسٹریلیا کی کمپنی "بیتھیان کاپر" اور چلی کی کمپنی
[illegible] (یہ دونوں کمپنیاں امریکہ میں رجسٹرڈ ہیں) جبکہ اکثریتی
[illegible] کمپنی "جوریج واشنگٹن" نے اپنے پاس رکھے۔ دنیا
[illegible] کی [illegible] کا انکشاف اس وقت ہوا۔ جب 11 مئی

2006ء کو امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے "سونے کا ذخیرہ" کے عنوان سے "جوریج واشنگٹن"
کی پریس کانفرنس شائع کی۔ جوریج نے بتایا کہ دنیا کے سب سے بڑے سونے کے
ذخائر پاکستان میں موجود ہیں جن کا ایک حصہ ریکوڈک سے نکالا جائے گا۔ اس سے
باوجود کہ پاکستان سے ان علاقوں والقاعدہ و طالبان کا گڑھ سمجھا جاتا ہے۔

بعد ازاں منظر عام پر آنے والی رپورٹس سے مطابق یہ ذخائر ایسی جگہ میں آتے ہیں
جہاں کے مقامی باشندے آبادی سے بالکل کٹے ہوئے ہیں۔ بلوچستان کے اس علاقے
امریکی مالکوں نے پروجیکٹ پر کام کرنے والے مقامی افراد کو ورغلا کر بڑی تعداد میں بھرتی کر لیا تھا۔ بلوچستان
بڑھا تو ان آبادیوں کو القاعدہ و طالبان کی پناہ گاہیں قرار دے کر بمباری کا نشانہ بنایا گیا۔ اس پالیسی سے غریب
لوگ اپنے حق سے دستبردار نہیں ہوئے تو پروجیکٹ پر کام کرنے والے امریکیوں نے اپنی سیکیورٹی
کے لئے "بلیک واٹر" (XE) سے معاہدہ کر لیا۔ جس کے فوراً بعد بلیک واٹر کے مسلح دستوں نے
ایکوڈک کی پہنچ کر سونا نکالنے کے پروجیکٹ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ یہ بلیک واٹر سیکیورٹی کے مسلح
افراد کی پاکستان میں براہ راست پہلی آمد تھی۔ ان مسلح افراد نے پروجیکٹ کے زرخیز وادیوں
بچھا کر اس کے اندر "ہیلی پیڈ" اور چھوٹے طیاروں کی "لینڈنگ" اور "ٹیک آف" کے لئے
"موبائل رن وے" بھی قائم کر لیا (کیا بلیک واٹر سیکیورٹی کے مسلح افراد اور سونے کی کانوں پر کام
کرنے والے دیگر غیر ملکی حکومت پاکستان کی اجازت سے آتے جاتے ہیں یا قریب ہی واقع
سرحد سے پار افغانستان میں موجود فوجی اڈوں سے براہ راست ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری
رہتا ہے۔ اس کا علم ہماری وزارت داخلہ، خارجہ و دفاع یا پھر بلوچستان و صوبہ سرحد انتظامیہ اس کے
بارے میں بہتر جانتی ہوگی۔ جس نے غیر ملکی کمپنیوں کو سونا نکالنے کی اجازت دی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ بلوچستان
دوسرے مسائل کا شکار رہا ہے۔ جبکہ تلخ حقیقت یہ ہے کہ دونوں مسائل خود ساختہ اور ان کے

اردو فیز
کیلئے

پچھ ولی سازشیں ہیں۔ فرقہ پرستی، پسماندگی اور معاشی محرومیوں کا ہے جن
سے کسی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یہ بھی تو سچ ہے کہ بلوچستان سے چلنے والے قبائل میں ان
سے سردار یا منتخب نمائندے 1947ء سے ہی اقتدار سے مزے لوٹ رہے ہیں۔ خوشحالی ان سے گھر کی
لونڈی ہے تو خوش حالی پیدا ہونے ہی روح کی طرح ان میں حلیل ہو جاتی ہے۔ صحت ہو یا تعلیم ہو
یا دیگر سہولتیں یہ صرف اقتدار ان سے دور پر حاضر رہتی ہے۔ ان کے برعکس غریب کا مقدر اس کے پیدا
ہوتے ہی پھوٹ جاتا ہے۔ بیماری، جہالت، لاچاری، احساس محرومی پسماندگی نسل در نسل ان کا پیچھا
کرتی ہے۔ صرف بلوچستان ہی کیوں دیگر صوبوں کا بھی یہی عالم ہے جہاں کا حکمران طبقہ خود تو
بیرون ملک سے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے ڈگریاں حاصل کرتا ہے اور اپنے دائرہ اختیار میں آباد
غریبوں کو بنیادی انسانی ضروریات کی سہولتیں دینے کو بھی تیار نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ غریب کولہو کے
بیل کی طرح اس تک پہنچ نہ پائے۔ بہرحال یہ سلسلہ شاید اس طرح چلتا رہے گا۔ بلوچستان میں
بڑھنے والی شدت پسندی کو غریب بلوچ عوام کی طرف سے محرومیوں کا ردعمل قرار دے کر بڑے
بڑے سردار اقتدار کے ایوانوں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ رہ گئی کوئٹہ شوریٰ یا بلوچستان میں
القاعدہ کی موجودگی کا معاملہ تو یہ پاکستان کو کیری اوگریبل پر راضی کرنے اور بلیک
واٹر (XE) کی موجودگی برداشت کرانے کے لئے دباؤ کا ہتھکنڈہ ہے۔ امریکہ جو خود افغانستان
میں اپنی تمام تر جدید فنی مشینری اور نیٹو افواج کی معاونت کے باوجود شکست سے دوچار ہے،
طالبان کی تین چوتھائی سے زائد افغانستان کا ساٹھ فیصد علاقہ طالبان کے قبضے و کنٹرول میں ہے تو پھر
القاعدہ کی موجودگی وہیں افغانستان میں موجود ہونا چاہیے۔ ہمیں عالمی رائے عامہ کو بتانا
چاہیے کہ امریکہ نے خلاف جنگ کے دوران طالبان کو افغانستان سے باہر نکل کر روپوش
ہونے کی سہولت کیوں دی۔ اس کی تین لاکھ فوج برسر پیکار تھی اور وہ خطے کو اچھی طرح
جانتی تھی۔ افغانستان ان کی دسترس میں تھا۔ وہ طالبان سات سمندر پار سے

آ کے امریکیوں سے زیادہ (جن کی زیادہ تعداد اوسط فوج سے پیدائشی طور پر ان علاقوں سے
پہاڑی پیچ و خم سے واقف نہیں) یہاں مضبوط ہوں گے۔ یہ میں غلط ہی ہو سکتی ہوں امریکی حکومت
کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے لیکن اس کے لئے ہمارے سامنے ہونے والی امریکی جیسی منافقت
بھری قوم کی طرح سوچنا ہوگا۔

(2009ء)

30 ارب کے نئے ٹیکس

ملک میں بجلی، گیس اور پانی کے بحرانوں کے بعد اب کھانے پینے کی اشیاء کے بحرانوں نے بھی خطرناک شکل اختیار کرنا شروع کر دی ہے۔ گزشتہ کئی ماہ سے چینی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد عوام نے احتجاج شروع کیا تھا۔ میڈیا میں آنے کے بعد سپریم کورٹ آف پاکستان نے معاملے کا نوٹس لیتے ہوئے چینی 40 روپے کلو فروخت کرنے کا حکم جاری کر دیا تھا۔ بعد ازاں مل مالکان اور حکومت کے مابین معاہدہ بھی ہوا جو سپریم کورٹ میں پیش کیا گیا۔ معاہدے میں کہا گیا تھا کہ حکومت راشن ڈپو مل کر چینی کی 40 روپے کلو فروخت کو یقینی بنائیں گے۔ پھر صوبائی حکومتوں نے باقاعدہ نوٹیفیکیشن بھی جاری کر دیا، مگر چینی 40 روپے کلو تو کیا فروخت ہوتی، مارکیٹ سے تو پہلے ہی ہفتوں پہلے مارکیٹ میں چینی 48 تا 55 روپے عام دستیاب تھی اور اب اگر کہیں ملتی بھی ہے تو 80 تا 100 روپے کلو ملتی ہے۔ بعض علاقوں میں تو چینی سرے سے ہے ہی نہیں۔ سندھ حکومت نے 10 لاکھ ٹن چینی درآمد کرنے کا اعلان کیا ہے جبکہ سپریم کورٹ کے حکم سے پہلے صوبہ سندھ کی 31 شوگر ملوں نے 2008-09ء میں 9 ملین ٹن گنے سے چینی تیار کی تھی اور پنجاب میں اس وقت شوگر ملوں کے پاس 32 ہزار 166

میٹرک ٹن چینی موجود تھی مگر سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد اچانک غائب ہو گئی اور بدترین بحران پیدا ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔ اس کی ذمہ داری شوگر ملوں میں چینی کے بحران پیدا ہونے کے وقت بھی چینی کی صنعت پر سیاستدانوں کی اجارہ داری قائم ہو گئی تھی اور وزراء اور پارلیمان کے ارکان نے شوگر ملوں کے مالک ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چینی کی قیمتیں بڑھانے کے لیے چینی کا ذخیرہ شروع کیا تھا۔ پھر معلوم ہوا کہ چینی کے بحران میں کیا سیاستدان ملوث ہیں اور واقعی ان مل مالکان اور حکومت نے محفوظ فاصلہ رکھا ہوا تھا جب سے چینی بحران کی تحقیقات شروع ہوئی ہیں تو حکومت نے تحقیقات روک دی ہیں۔ اب اس حکومت میں شامل کئی وزراء اور ارکان پارلیمان کی بھی شوگر ملیں ہیں تو کیا اب بھی چینی سے بھری بحران سے بھی پشت مل مالکان اور حکومت کے کارندوں کا ہی ہاتھ ہے۔ اس سوال کا جواب اس حقیقت سے مل سکتا ہے۔ شوگر ملز مالکان کا کہنا ہے کہ ہم نے چینی کا ذخیرہ نہیں کیا اور ڈیلروں کو 35 روپے کلو کے حساب سے چینی دے رہے ہیں۔ دوسری طرف ڈیلروں کا کہنا ہے کہ وہ کارندوں کو 39 روپے فی کلو چینی فروخت کر رہے ہیں مگر وہ کارندے من مانے داموں فروخت کر رہے ہیں جبکہ کارندوں کا کہنا ہے کہ ڈیلر چینی 55 روپے سے 60 روپے تک دے رہے ہیں۔ اس لیے ہم 75 روپے سے 80 روپے فی کلو فراخت کر رہے ہیں۔ معاملے کا ایک اور رخ دیکھیں تو حکومت دکانداروں کو تو دوش دیتی ہے مگر یوٹیلٹی سٹوروں پر چینی کی فراہمی میں ناکام ہو چکی ہے۔ جن یوٹیلٹی سٹوروں پر چینی تھوڑی بہت دستیاب ہے وہاں بھی یا تو دکانداروں کو فروخت کی جاتی ہے یا پھر صبح سے شام تک لوگ لمبی قطاروں میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتے رہتے ہیں اور پھر جب ان کی باری آتی ہے تو یوٹیلٹی سٹور والے کہہ دیتے ہیں کہ چینی ختم ہو گئی پھر لوگ احتجاج پر مجبور ہو جاتے ہیں جس پر انہیں پولیس کی لاٹھیاں بھی کھانی پڑ رہی ہیں۔

وزیر اعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ کے آبائی ضلع خیرپور میں بھی چینی کا بحران موجود ہے۔ چینی کی

قیمت فی کلو خوردہ فی کلو 65 سے 80 روپے مقرر کی گئی ہے مگر دوکان قیمتوں پر اشیاء دستیاب نہیں ہیں۔

متعلقہ حلقوں میں تو گویا کہ سے ہے کہ جب تک ہے جان ہے ہم خوردہ فروش واضح ورزی میں مصروف ہیں۔

روزمرہ استعمال سے پیاز کے مطابق خیر پور میں دکانوں پر قیمتی 65 روپے سے 80 روپے فی کلو فروخت ہو رہی ہے جبکہ کئی علاقوں میں 90 روپے فی کلو بھی وصول کر رہے ہیں جبکہ دکانداروں سے پاس ہوئی بھی سرکاری ریٹ لسٹ یا پرائز کنٹرول کمیٹی کا چاری کردہ کوئی لیٹر نہیں ہے۔ دوسری طرف چینی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد چینی کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں۔ علاقوں پر چینی کی کپ 15 روپے سے 20 روپے کا ہو گیا ہے جبکہ گڑ کے استعمال میں اضافے سے ساتھ ہی ان کی قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ گیک بسکٹ دیگر میٹھی چیزوں کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اس وقت خیر پور میں ممدوگز 65 روپے فی کلو اور اوپنی 55 روپے فی کلو فروخت ہو رہی ہے۔ جس سے شہری سخت پریشان ہیں۔ خیر پور ضلع کے دوسرے متعلقہ میونسپل کمیٹیوں اور چھوٹے بڑے شہروں گمبٹ، کنگری، کوٹ ڈی جی، کھپ، رانی پور، ٹنڈو [illegible] ٹی، پیر جو گوٹھ، فیض گنج، پاپا چنگ، سیخ رجہ، جنگو رجہ، ٹالپر ڈاہ، بوزدار ڈاہ اور احمد پور [illegible] میں بھی اشیاء ضروریہ گزشتہ ہی ماہ کے مقابلے میں چینی عوام کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہے۔ [illegible] 90،80 روپے فی کلو فروخت ہو رہی ہے اور حیرت اور تشویش کی بات یہ ہے کہ حکومت اور ضلع انتظامیہ اس صورت حال پر بالکل خاموش ہیں اور خیر پور کے عوام یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ [illegible] نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے جس نے عوام کو بھوک، بدحالی، گیس، بجلی، پانی، چینی اور آٹے [illegible] دیئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس وقت عوام کو روزگار سے نہیں، کھانے [illegible] وقت کی روٹی چاہیے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ [illegible] سے قبل عوام سے شہید بے نظیر بھٹو [illegible] یہ تھا جس نے عوام کو بھلا دیئے اور اب صرف اپنی کرسی بچانے کے

پیچھے ہیں گئے ہوئے ہیں۔ خیر پور سے ہی وفاقی وزراء کی فوج ظفر موج نے حکومت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے جس کے بعد [illegible] پر عمل کی اور عوام کی خدمت [illegible] بجائے تھے۔ وہ ان عہدوں سے بھی چمٹے ہوئے ہیں اور [illegible] پر براجمان ہیں۔ [illegible] ہونے سے نہیں ڈرتے گا۔

کسی بھی ترقی پذیر ملک سے سب سے [illegible] ہوتی ہے اس سے بچنے کے لئے حکومتیں [illegible] کرتی ہیں اور [illegible] کرتی ہیں۔ آئی ایم ایف [illegible] ہیں اور [illegible] وقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ کس وقت ہم جیسے ممالک ان سے قرض لینے کے لئے رجوع کریں اور وہ ہمیں اپنے چنگل میں پھنسا لیں۔ بے روزگاری، مہنگائی، لوڈشیڈنگ اور [illegible] سے عوام ان غیر ملکی آقاؤں کے خلاف [illegible] ہیں اور اب [illegible] بھی ان سے [illegible] ہو رہی ہے۔ ویسے بھی اس صورتحال میں جہاں ہر روز خودکشی [illegible] ہوں روزانہ [illegible] کی آوازیں سنی جاتی ہوں، وہاں [illegible] کر عوام صبر کے سوا کر بھی کیا سکتے ہیں؟ اب ان صبر کے مارے عوام کے لئے بجلی اور پٹرولیم مصنوعات کے نرخوں میں اضافے کی نوید کے بعد تشویشناک بات یہ ہے کہ ان کو رواں مالی سال میں پچیس سے تیس ارب روپے مالیت کے اضافی ٹیکس بھی ادا کرنے ہوں گے اور یہ فیصلہ چونکہ غیر ملکی آقاؤں کا ہے۔ اس سے اب اس سے بچنے کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔

جب کوئی حکومت بجٹ میں اپنے میزانیے پیش کر چکی ہو اور اس کے بعد دوبارہ اس پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس میں ردوبدل کرے، بالخصوص ٹیکس کے اہداف بڑھائے جائیں تو اس کو عوامی زبان میں منی بجٹ کہا جاتا ہے۔ ویسے تو ہم جہاں رہتے ہیں وہاں ہر روز ہی منی بجٹ آتا ہے۔ کبھی پٹرولیم مصنوعات میں اضافے کی صورت میں اور کبھی گیس و بجلی کے نرخ میں اضافے کی صورت میں یا پھر کبھی روزمرہ اشیائے ضرورت کی قیمتوں میں یکدم اضافے کی صورت میں۔ کبھی

حامد
اردو فینز
کلب

مالی مالیاتی اداروں کے بارے پر اگائے جانے والے تمیں ارب روپے سے ان سے نقصان عام آدمی کو برداشت کرنا پڑے گا۔ یکم آئندہ سال 2010ء سے ایل ایڈ یڈ نیلس کا نفاذ براہ راست عوام پر بجلی بن کر گرایا جائے گا۔ یہ نیلس بی ایس ٹی طرز کی طرح کا نیلس ہوگا جو تمام روزمرہ اشیائے صرف پر لگے گا۔ الامحالہ اس ٹیکس کے نفاذ سے ملک میں جہاں مہنگائی کی شرح بڑھ جائے گی وہیں سیلز نیلس کی طرح اس میں بھی نیلس چوروں کو چوری سے لیے نئے راستے مل جائیں گے۔ ایل ایڈ یڈ نیلس کے لیے ابھی شرح کو فائنل نہیں کیا گیا ہے تاہم توقع کی جارہی ہے یہ نیلس کم از کم دس فیصد ہوگا۔ جس کے نفاذ کے بعد پاکستانی عوام کی پہلے سے جہنم زندگی میں نئے عذاب نازل ہوں گے اور وہ زندہ درگور ہو کر رہ جائیں گے۔

(۲۰ جنوری 2010ء)

بینک ڈکیتی اور FIA کا کردار

۱۱ مئی ۲۰۰۰ء کو پاکستان سے روانہ ہونے پر پنجاب بینک فراڈ کیس کی سماعت کرتے ہوئے
بینک آف پاکستان بنام جسٹس افتخار احمد چودھری کی سربراہی میں تین رکنی بنچ نے ایف
آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل طارق کھوسہ کو وزیراعظم مخدوم سید یوسف رضا گیلانی کے حکم پر تبدیلی
کا نوٹس دیتے ہوئے ریمارکس دیئے تھے کہ "طارق کھوسہ کو تبدیل کر کے اچھے کام کی سزا دی
گئی۔ عدالت نے حکم امتناعی نہیں دیا لیکن عدالت کا وقار نہیں۔" عدالت عالیہ نے کہا کہ
مشرف دور میں طارق کھوسہ کو ترقی دے کر ڈی جی ایف آئی اے کیوں بنایا گیا۔

طارق کھوسہ سے قبل کی عدالتی تاریخ میں ایماندار آفیسر مانے جاتے ہیں کا گناہ کیا تھا؟ صرف یہ کہ
انہوں نے نیشنل بینک آف پاکستان پنجاب بینک تک سے بڑے بڑے نادہندگان کا خون چوسنے اور ہڈیاں چبانے والے
بااثر سیاسی و کاروباری مگرمچھوں پر ہاتھ ڈالا تھا۔ بعض جرائم پیشہ سیاستدانوں سے پردہ دار مزمان کو عدالت
سے لے کر تھانے تک پہنچایا تھا۔ ان کی سازش سے پنجاب بینک سے 9 ارب روپے کا فراڈ کر کے فرار
ہونے والے نیشنل بینک کے صدر [illegible] گرفتار کیا۔ ظاہر ہے اب وہ "عوامی دوستوں" سے
کیسے برداشت ہوتے۔ عدالت عظمیٰ کے ریمارکس بھی ناقابل برداشت ہو رہے تھے۔ طارق کھوسہ انتہائی طاقتور

[illegible] کا کہنا ہے کہ کھوسہ اب قانون پر عمل کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے نیشنل بینک کے تمام فراڈ
کرنے والوں کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ جو انکوائری رپورٹ میں تصور کر چکے تھے۔ ان میں
نیشنل بینک کا سابق چیئرمین بھی شامل ہے۔ جس وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے قومی اسمبلی میں
اپنی تقریر کے دوران گڈ مس کر دیا تھا۔ بنایا جانے والا چیئرمین اسلام آباد میں بہت سے حساس
عہدوں پر براجمان افراد کا قریبی دوست بتایا جاتا ہے۔ بینک پروفائل کیسوں کی تحقیقات کے
دوران ڈی جی ایف آئی اے کی تبدیلی نے نہ صرف مختلف حلقوں کو حیران کر دیا ہے۔ نئے ایف آئی
اے چیف کا عزم سوالیہ نشان ہوگا جبکہ ادارے کی ساکھ پہلے ہی کمزور پڑ چکی ہے۔

طارق کھوسہ کی جگہ ظفر اللہ خان کو لایا گیا ہے۔ جن کے اعلیٰ شخصیات کے ساتھ تعلقات سندھ
میں سرائیکی کے دوران نواب شاہ بعد ازاں بدین اور سکھر میں تعیناتی سے چلے آ رہے ہیں۔ دیگر

مقدمات جن پر تفتیش جاری تھی، وہ وفاقی وزیر برائے آبادی ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان، وزیر مملکت برائے امور کشمیر و شمالی علاقہ جات عبدالرزاق عباسی اور سہیل مزسیکنڈل میں ملوث ایک بیوی شخصیت کے قریبی ساتھی ریاض لالانی کے خلاف ہیں۔ ای سی ایل میں نام ہونے کے باوجود جس کے دعویٰ فرار سے متعلق ایف آئی اے تحقیقات کر رہی تھی۔ سپریم کورٹ 26 نومبر کو ایف آئی اے کو سہیل مزسیکنڈل سے متعلق اپنی حتمی تحقیقات دو ہفتے کے اندر پیش کرنے کی ہدایت کر چکی تھی۔

طارق کھوسہ نے ایف آئی اے میں سب انسپکٹروں اور دیگر کی بھرتی کے سلسلے میں سیاسی دباؤ قبول نہیں کیا تھا۔ ظفر اللہ خان جواب ایف آئی اے کی سربراہی کریں گے، بذات خود ان سے نیب نے نامعلوم ذرائع سے جائیداد بنانے کی تحقیقات کی تھیں۔ سرحد نیب کے ترجمان نے دی نیوز کو بتایا کہ ان کے خلاف ناقابل تردید ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے تحقیقات روک دی گئی۔ (دی نیوز 11 دسمبر 2009ء) ظفر اللہ خان 2004ء میں اس وقت بھی شہ سرخیوں کا موضوع بنے تھے۔ جب انہوں نے آئی بی کا ڈائریکٹر ہوتے ہوئے اپنے بھتیجے کے خلاف قتل کے مقدمہ میں پولیس کو خاموش رہنے کیلئے دباؤ ڈالا تھا۔ متاثرہ خاندان کے وکیل ملک رب نواز نون نے اس وقت عدالت میں بیان دیتے ہوئے بتایا تھا کہ ملزم نے ثبوت آئی بی کے حکام کی مدد سے ضائع کر دیئے ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ پولیس نے کیس کی تفتیش آئی بی حکام کے بے پناہ دباؤ میں کی اور ملزم پر فائدہ ثبوت ضائع کرنے میں مدد دی ہے۔ ایف آئی اے کے سٹے ڈائریکٹر جنرل نے اس بات کی بھی تصدیق کی ہے کہ خان کا بھتیجا بھائی خالد مرزئی جو اس وقت کوہاٹ کا کمشنر ہے [illegible] سے انکار میں نہیں رہا ہے۔ ظفر اللہ نے اپنے نیب کے زیر تفتیش رہنے کی بھی [illegible] تصدیق کی ہے۔ [illegible] نظم نے انہیں صدر کے اصرار پر تعینات کیا [illegible] تمام تعیناتیاں مشاورت کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ [illegible] تعینات رہنے کی تصدیق کی تاہم صدر زرداری سے اپنے کسی

برادراست تعلق کی تردید کی۔

ایف آئی اے کے ایک سینئر آفیسر نے اعلیٰ سطحی اس اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "اس تبدیلی سے گزشتہ 8 مہینوں میں ہونے والی بھرتی 180 ڈگری پر واپس آ سکتی ہے۔" طارق کھوسہ جن کی تعیناتی رواں برس دسمبر میں ہونی تھی، وہ ایجنسی کے سربراہ کی حیثیت سے ایک سال مکمل ہونے سے قبل ہی عہدے سے ہٹا دیا گیا اور کسی احتجاج سے خدشے پیش نظر انہیں پہلے ہی وفاقی سیکرٹری کے عہدے پر ترقی دے دی گئی۔ جو بے نسبتا مراعات یافتہ ہے اٹھنی ہارڈ کیس ڈویژن کا تھی۔ ایف آئی اے کے سربراہ کی تبدیلی کے لئے چند سیاسی شخصیات اور ان کے قریبی افراد جن کو طارق کھوسہ کا سامنا تھا، آپے سے باہر ہو رہے تھے۔ بہبود آبادی کی وفاقی وزیر ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان جن کے مبینہ طور پر انسانی سمگلنگ میں ملوث ہونے کے الزامات تھے، کے کیس کی بھی تفتیش کی گئی تھی۔ فردوس عاشق پہلے ہی ریکارڈ پر الزامات کی تردید کر چکی ہیں۔ ماضی میں انہی الزامات پر موقف کیلئے جب ان سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے اپنے سے منسوب الزامات کی تردید کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ریکارڈ کی اس غلطی کی طرف توجہ مبذول کرانے خود چیئرمین نادرا کے پاس نہیں گئیں کیونکہ انہوں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ انہوں نے ایف آئی اے کے ڈائریکٹر جنرل کے بیان کی بھی تردید کی کہ الیاس پہلے اعتراف کر چکا ہے اور اب مکر گیا ہے۔ مگر اسلام آباد ہائی کورٹ (تحلیل سے قبل) نے 22 جون 2009ء کو کیس میں موٹ نادرا کے ملازم کی بعد از گرفتاری ضمانت پر ریمارکس دیئے کہ "ڈپٹی اٹارنی جنرل 5 لاکھ روپے کا چیک ڈاکٹر فردوس اعوان کے پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے کیش کرانے سے متعلق عدالت کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ پولیس کی فائل معاملے کے اس پہلو کے متعلق خاموش ہے اور اس معاملے کو سلجھانے کیلئے تفتیشی افسر کی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔ یہ معاملات پراسیکیوشن سٹوری میں شبہات پیدا کرتے ہیں۔"

فردوش ۔ شق اعوان کا کہنا ہے کہ وہ بیوں کو تحقیقات شروع ہونے سے پہلے ہی برطرف کر
چکی تھیں ۔ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ کیس طرح والدین کی غیر حاضری میں ایسے
نین ایجر نے پاسپورٹ حاصل کر لیے ۔ ازرے نے کہا کہ یہ سارا معاملہ نادرا، ایف آئی اے اور دیگر
اداروں کی ناکامی کی واضح مثال ہے ۔ ازرے حکمت سینئر عبدالرزاق کی کمپنی "ملک ایکسچینج پرائیویٹ
لمیٹڈ" کے 165 ارب روپے فارن کرنسی ایکسچینج کے سکینڈل کے شواہد سے متعلق رائے لینے کے لئے
قائمیں مرکزی بینک کو بھی ارسال کی گئیں ۔ اگلا مرحلہ مذکورہ وزیر سے تفتیش کیلئے حکومت کی اجازت
لینا تھا ۔ کھوسہ پہلے بھی ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان سے انسانی سمگلنگ میں مبینہ طور پر ملوث ہونے
پر تحریری بیان لے چکے ہیں ۔ انہیں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری کے اس اعتراف کے بعد کیس میں
ملوث کیا گیا تھا کہ اس نے انسانی اسمگلروں کی جانب بھیجے گئے پیسے ان کے حوالے کئے ۔ جن کے
پاسپورٹ پر بچوں کو بھیجا گیا تھا ۔ اس واقعہ کے بعد ڈاکٹر فردوس عاشق اعوان کی طرف سے ایک
بیان جاری کیا گیا ۔ جس میں انہوں نے کہا کہ ایف آئی اے نے انہیں الزام سے بری کر دیا ہے ۔
جن پر ایف آئی اے کی طرف سے سختی سے تردید کی گئی ۔ کھوسہ نے ماضی میں آن ریکارڈ کہا تھا کہ
تقریباً 15 ارب یا تو بیرون ملک منتقل کئے گئے یا پھر ملک ایکسچینج کے 3 ملازمین کے ذریعے غیر
قانونی طریقے سے یہ رقم پاکستان لائی گئی ۔ انہوں نے کہا کہ ابتدائی تحقیقات میں مجموعی طور پر 40
سے 50 ارب مبینہ طور پر ان خفیہ اکاؤنٹس میں رہے جو ملک ایکسچینج کے ملازمین کی جعلی کمپنیوں کے
نام سے کھولے گئے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ ایف آئی اے کے اندازے کے مطابق مجموعی طور پر
15 ارب یا تو بیرون ملک منتقل کئے گئے یا اس چینل سے غیر قانونی طور پر پاکستان لائے گئے ۔
ان [illegible] نوجوانوں کو اٹلی سے وطن واپس لانے میں کوشاں تھے ۔ جنہیں فردوس
عاشق اعوان سے صاحبزادے بتا کر ملک سے باہر سمگل کیا گیا تھا ۔ اٹلی سے ان نوجوانوں کے
[illegible] ین اے محترمہ فردوس عاشق اعوان پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے ۔

جنرل (ر) اشرف سے ملاقات سے بعد سیاسی صورت سے قبل سے پاکستانی عوام امید
کر بیٹھے تھے کہ شاید اب ان سے دن پھر جائیں اور مہنگائی بھی معاملات میں ہو چکے ہیں
ہمیں محسوس ہوتا ہے جیسے موجودہ صورت اپنی "LATE" کاں رہی ہے ۔ ملک اسمعیل کی دکان
بھارت سے نانی کی نواسی کی نوحہ پڑھی جا رہی ہے ۔ 12 ربیع الاول سے اس خواب سے انصر رہوں نے
"ذی نیوز" میں "می ڈیڈی کمپنی" سے نام سے ایسا سکینڈل آؤٹ کیا ہے ۔ جس نے ساری قوم کو
احتجاج کر رکھ دیا ۔ یہ زلزلہ زدگان کے نام پر ہونے والا انتہائی قابل نفرت فراڈ ہے ۔ جس میں باپ
نے مشینری خریدی، بیٹی کی کمپنی نے فروخت کی اور رقم بیوی سے اکاؤنٹ میں پہنچ گئی ۔ پوری قوم
میڈیا اور عدلیہ کی چیخ و پکار کے باوجود صوبہ سرحد "ایرا" (زلزلہ متاثرین کی مدد سے لئے قائم ادارہ)
کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک نام اینڈ پاپ کمپنی قائم کی اور فریضہ
کے تمام ٹھیکے بیٹی کو نواز دیئے ۔ والد کا بینک اکاؤنٹ اکھوں روپے تک پہنچ گیا ہے ۔ ایک دفتری
تحقیقات کے نتیجے میں اس انوکھے فراڈ میں پروونشل ارتھ کوئیکری کنسٹرکشن اینڈ ری ہیبلی ٹیشن
اتھارٹی (پی ای آر آر اے) کے ایک اعلیٰ عہدیدار کو زلزلہ متاثرہ علاقوں کیلئے ناقص معیار کے
ٹریکٹر کے حصول کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے ۔ سارا سودا اس انداز سے کیا گیا کہ سارا معاملہ گھر ہی میں
طے ہو گیا ۔ باپ نے مشینری خریدی، بیٹی کی کمپنی نے مشینری بیچی اور رقم بیوی کے اکاؤنٹ میں چلی
گئی ۔ ڈی جی پی ای آر آر اے ناصر اعظم نے وضاحت کی ہے کہ ان کی بیٹی کی کمپنی 1999ء سے
ٹریکٹر کے کاروبار میں مصروف ہے اور نفی کی کہ اس معاملے میں کسی طرح شامل ہیں یا پی ای آر آر
کے فنڈ سے خریداری کی اجازت دی تھی ۔ خریدے گئے ٹریکٹر ناقص معیار کے ہونے کے ساتھ
ساتھ پہاڑی علاقوں میں کام کیلئے بھی موزوں نہیں تھے ۔ فیڈرل ارتھ کوئیکری کنسٹرکشن اینڈ ری
ہیبلی ٹیشن اتھارٹی (ایرا) جو کہ وزیراعظم سیکرٹریٹ کا حصہ ہے ۔ وزیراعلیٰ سرحد پرداؤ ڈال رہی
ہے کہ ڈی جی پی ای آر آر اے کو برطرف کیا جائے ۔ پولیس میں ان کے خلاف مقدمہ درج کرا کر

تمام ذمہ داران کے خلاف تحقیقات کی جائیں لیکن اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ وزیراعظم سیکرٹریٹ میں موجود ذرائع کا کہنا ہے کہ سرحد کے وزیراعلیٰ امیر حیدر خان ہوتی مبینہ طور پر اس افسر کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں جبکہ وزیراعلیٰ کے قریبی ذرائع کا مسلسل کہنا ہے کہ امیر ہوتی قیصر کرتے ہوئے میرٹ کو مدنظر رکھیں گے۔ ڈی جی پی ای آر آر اے نے وزیراعلیٰ سے رشتے داری کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ وزیراعلیٰ کے بھائی میرے برادر نسبتی ہیں۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ اس معاملے کی 3 تحقیقات ہوئیں۔ جن میں سے پہلی صوبائی انسٹیکشن ٹیم، دوسری نیب اور تیسری ایرا کے تحت کی گئی لیکن ان کا کوئی بھی نتیجہ سامنے نہیں آ سکا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ پی آئی ٹی نے اس فراڈ کی تصدیق کی اور مانسہرہ کے 2 افسران کے خلاف کارروائی کی سفارش کی لیکن ڈی جی پی ای آر آر اے کے خلاف کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔ حالانکہ نیب اور ای آر آر اے نے اس مبینہ فراڈ میں ڈی جی کو ہوشیار قرار دیا۔ وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ میں موجود ذرائع نے ''جو دستاویزات دکھائیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صوبائی حکومت نے باضابطہ طور پر وزیراعلیٰ امیر حیدر ہوتی اور صوبائی چیف سیکرٹری سے رابطہ کیا کہ ڈی جی پی ای آر آر اے اور دیگر ملوث افراد کے خلاف کارروائی کی جائے۔ (ڈی او نمبر: 11 بمورخہ 2009ء) ایرا کی ایک تحقیقات کے مطابق تحصیل میونسپل ایڈمنسٹریشن (ٹی ایم اے) کے سوئنڈ ویسٹ مجھت کیلئے ایک PC-1 کیلئے ڈسٹرکٹ ارتھ کوئیک اتھارٹی کی جانب سے 2 کروڑ 60 لاکھ کی 11 نومبر 2007ء کو منظوری دی گئی۔ ایرا کا پراجیکٹ ایویلیوایشن سیل (پی ای سی) کی جانب سے 18 دسمبر 2007ء کو لیٹر نمبر 104 (8)/ ERRA/ PEC/ 07 میں سے فیصلہ کر دیا گیا۔ مذکورہ اصل PC-1 میں کھدائی مشین، آبی باؤزر، 2 چھوٹے ڈمپ ٹرک، سیونگ فیلنگ مشین، 100 ٹرالیوں، وائرلیس سسٹم اور 150 کچرے کے ڈبے شامل تھے۔ بعدازاں اوریجنل PC-1 پر نظرثانی کی گئی اور اسے 2 کروڑ 32 [illegible] مشینوں کو 25 ٹریکٹروں سے بدل دیا گیا۔ پالیسی اور رول

کے معائنے کے تحت تحقیقات میں کہا گیا یہ نظرثانی متعلقہ فورم سے منظور ہونی چاہیے تھی۔ ڈی جی پی ای آر آر اے نے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے تئیں اس کی منظوری دے دی۔ PC-1 کی نظرثانی کے بعد اخبارات میں فروری 2009ء میں ٹریکٹروں کی خریداری کیلئے اشتہار دیا گیا لیکن اس اشتہار میں درج ذیل کمالات موجود تھے۔

(i)۔ بولی لگانے والے کی اہلیت کیلئے کسی قسم کا معیار مقرر نہیں کیا گیا تھا۔

(ii)۔ جواب دینے کا وقت پی پی آر اے میں تجویز کردہ وقت سے کم تھا۔

(iii)۔ ٹینڈر کیلئے دستاویزات بھی تیار نہیں تھیں۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دفتری دستاویزات کے مطابق ڈی جی پی ای آر آر اے، ہز ایکسی لنسی وزیراعظم، پی ایم اے مانسہرہ عبدالرحمن اور دیگر مقامی افسران جن میں اسسٹنٹ کمشنر بالاکوٹ، تحصیل آفیسر، پی ایم اے مانسہرہ اینڈ ہمنڈ نے ٹریکٹروں کی خریداری تجویز کی۔ اور پیج 25 میں 24 جنوری بجوئی طور پر 49 ٹریکٹر خریدے گئے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس سارے عمل میں پی پی آر اے کے قواعد وضوابط کو یکسر نظرانداز کیا گیا۔ جس سے بولی دینے کی پیشکش کرنے والے فراہمیں سے کوئی بھی بولی دینے کا اہل نہیں ہو سکا۔ بولی کے اس سارے عمل میں حصہ لینے والے فراد کے 2 مختلف ریکارڈ موجود ہیں۔ عائشہ انٹر پرائزز، نیو بلینڈ انک، نیو بلینڈ ہری پور، [illegible] ہی ایٹ پشاور اور نیشنل مشینری اسٹور ہری پور جبکہ دوسرے ریکارڈ میں بولی دینے والے۔ عائشہ انٹر پرائزز، گل انٹر پرائزز، احسن ٹریڈرز اور فیلکو ایسوسی ایٹس ہیں۔ دونوں ریکارڈ میں میسرز۔ عائشہ انٹر پرائزز کو سب سے کم بولی لگانے والا دکھایا گیا ہے۔ جس میں ایک ٹریکٹر کی ٹرالی سمیت قیمت 4 لاکھ 60 ہزار بتائی گئی تھی۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کسی بھی بولی لگانے والے کی جانب سے کمپنی کے اصل لیٹر ہیڈ پر کوٹیشن جمع نہیں کرائی گئی۔ اس پر رجسٹریشن نمبر یا این ٹی این نمبر موجود نہیں تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی فرم بولی دینے کی اہل نہیں تھی۔ رپورٹ میں کہا گیا

ہے کہ 7 سیکیورٹیز کی مد میں 339 11 ملین روپے میسرز عشائقہ پرائزز کو ادا کئے گئے۔ مارکیٹ
ریٹ کے مطابق ایک سیکیورٹیز کی قیمت بہت زیادہ ادا کی گئی۔ پی آئی ٹی (پراونشل انویسٹمنٹ بیورو) کی
تیار کردہ تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق غلط ادائیگی کی وجہ سے قومی خزانے کو 4.310 ملین روپے کا نقصان برداشت
کرنا پڑا۔ قواعد کے مطابق یہ رقم ایس ای سی پی رجسٹرڈ کسی بھی فرم یا کمپنی کو ادائیگی وغیرہ نہیں کی جا سکتی
جبکہ پی ای آر آر اے کے فوکس ٹیم نے میسرز عشائقہ پرائزز کو بغیر مناسب انوائس اور بنی
ایس ای رجسٹریشن کی ادائیگی کردی۔ ایرار رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پی آئی ٹی نے این ڈبلیو ایف
پی ریجنل فرام سروسز آرڈیننس 200ء کے تحت صرف 2 افسران عبدالرحمٰن، ٹی ایم او، ٹی ایم
اے، مانسہرہ اور عبدالحلیف ٹی او آئی، ٹی ایم آئی، مانسہرہ کے خلاف کارروائی کی تجویز دی۔ بجائے
اس کے کہ نقصان کا ازالہ کیا جائے۔ ایرا حیران ہے کہ پی آئی ٹی نے کیسے پی ای آر آر اے کے
ڈی جی کو نظر انداز کر دیا۔ جنہوں نے پرچیز کمیٹی کے سربراہ کا کردار ادا کیا تھا۔ رپورٹ میں کہا گیا
ہے کہ پرچیز کمیٹی اس سارے معاملے کی ذمہ دار ہے کیونکہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ناکام
رہی اور ٹھیکہ ایسی کمپنی کو دیا گیا۔ جس کی ساکھ کے حوالے سے کئی سوالات موجود ہیں۔ یہاں ایک
دلچسپ امر یہ ہے کہ تمام تحقیقات میں یہ سامنے آیا ہے کہ تمام ادائیگیاں اکاؤنٹ نمبر 3225
ہوئی تھیں جو کہ میسرز عشائقہ پرائزز کا ہے اور نیشنل بینک آف پاکستان سول سیکرٹریٹ پشاور میں
ہے۔ میسرز عشائقہ پرائزز کے مالک ٹی ای پی ای آر آر اے کی بنی ہے جبکہ اکاؤنٹ آمنہ ناصر چلا رہی
ہیں جو کہ ناصر اعظم کی اہلیہ ہیں اور ناصر اعظم کو پہلے ہی وارننگ جاری کیا جا چکا ہے۔ اس تحقیقات کی بنیاد پر
یہ کہا جا سکتا ہے کہ میسرز عشائقہ پرائزز کو 49 ٹریکٹروں کی خریداری کی مد میں ادا کی گئی رقم ناصر اعظم
کے خاندان کی ہے جو کہ ٹی ای پی ای آر آر اے ہونے کے ساتھ ساتھ فرم کے حقیقی مالک ہیں۔
یہ معاملہ ٹی ای پی ای آر آر اے کے خلاف فراڈ کی دفعات میں بھی دائر کیا جائے۔ مزید یہ کہ کمپنی
کے خلاف بھی [illegible] فرام سروسز آرڈیننس کے تحت ضابطے کی کارروائی کی بھی

ضرورت ہے۔ ڈائریکٹر جنرل پی ای آر آر اے سے جب اس سلسلے میں رابطہ کیا گیا تو ان کا کہنا
تھا کہ میں نے کوئی کرپشن نہیں کی اور بتایا کہ میری بنی 1999ء سے ٹریکٹروں کا کام کر رہی ہے
اور اب تک 800 ٹریکٹر بیچ چکی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ کمپنی رجسٹرڈ ہے اور اس کی تصدیق ایف بی
آر سے کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہ تو میں کمپنی کا ڈیلر ہوں اور نہ ہی میں نے کسی خریداری
کا حکم دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں نے صرف ادائیگی سے متعلق توثیق کی تھی کہ میری بنی کی کمپنی
کو ادائیگی کر دی جائے۔ ٹی ایم او مانسہرہ نے انکوائری کمیٹی کو بتایا کہ تاحال میسرز ٹریکٹر پہاڑی
علاقوں میں کام کرنے کے لئے موزوں نہیں۔

یہ مشتے از خروارے کچھ مثالیں ہیں اگر مجموعی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو انسانی عقل دنگ رہ
جاتی ہے اور اس بات کا یقین ہونے لگتا ہے کہ واقعی یہ ملک اللہ کی خاص عنایت ہے ورنہ تو ہمارے
ارباب بست وکشاد اسے کھوکھلا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

(جنوری 2010ء)

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ ایگریمنٹ معاشی لحاظ سے ایک نہایت ہی اہم دستاویز ہے لیکن
س اہم دستاویز کے نئے معاہدے میں پاکستانی معیشت کی تباہی کیلئے ایک سوچا سمجھا منصوبہ تیار کیا
گیا ہے جو کہ ہمارے ملک کی سلامتی کیلئے بھی خطرہ ہے۔ نئے معاہدے کو تاجر برادری اور معاشی
ماہرین نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ نئے معاہدے میں بہت سی جگہوں پر پاکستانی بزنس کمیونٹی کے
تحفظات ہیں جن کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔ جس کیلئے کچھ تجاویز اور تحفظات درج ذیل ہیں۔
ملی معاہدوں کے تحت افغانستان کو ٹرانزٹ تجارتی سہولیات فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہے تاہم
ہی معاہدہ میں بھارت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور آئندہ بھی بھارت کا اس میں کوئی کردار نہیں
ونا چاہیے۔ لیکن افغانستان پاکستان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نئے معاہدہ کے مجوزہ ڈرافٹ میں شامل
یک شق کے تحت بھارتی ٹرانسپورٹ مچھیوں کو واہگہ بارڈر اور کراچی بندرگاہ سے کابل اشیاء لے
جانے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس پر سرحد چیمبر آف کامرس، کوئٹہ چیمبر آف کامرس اور فیڈریشن
آف پاکستان چیمبر آف کامرس کے نمائندوں کے علاوہ کسٹمز کلیئرنگ فارورڈنگ ایجنٹس، شپنگ
ایجنٹس اور ٹرانسپورٹرز نے اعتراضات کئے ہیں کہ افغانستان کے

ساتھ ٹرانزٹ ٹریڈ پہلے نئے معاہدے کی تیاری سے دوران بھی ایک دوطرفہ بارڈر ٹریڈ
ہے جس سے پاکستان کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔ اور اس کو مدنظر رکھتے ہوئے سرحد چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور پاکستانی ٹرانسپورٹروں سے مذاکرات بھی
افغانستان کے ساتھ نئے ٹرانزٹ معاہدے میں ان نقاط پر توجہ دی جائے۔ یا ہے جن کے تحت
بھارت کی ٹرانسپورٹ مچھیوں کو واہگہ بارڈر سے افغانستان تک اور افغانستان سے قندھار اور طورخم
بندرگاہ سے کابل تک ٹرانزٹ گڈز لے جانے کی اجازت دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جس
سے پاکستان کے مفاد کو نقصان پہنچے گا بلکہ سیکیورٹی کے خطرات بھی بڑھ جائیں گے۔ حال ہی
میں پاکستانی سیکیورٹی فورسز کی جانب سے کامیاب کارروائیوں سے دوران انڈین ٹرکوں میں افغان
ٹرانسپورٹ کے دو بڑے ٹرالر پکڑے گئے۔ جن میں کروڑوں روپے سے زائد کی مالیت کا
چھوٹا اور بڑا اسلحہ بھی تھا جو کہ دہشت گردی کی غرض سے اندرون ملک سپلائی ہو رہا تھا۔ اس
معاہدے کے مجوزہ ڈرافٹ پر مذاکرات کا حتمی دور مارچ، اپریل 2010ء میں شروع ہوگا۔ جس
کے بعد اسے حتمی شکل دے کر اس پر دستخط کئے جائیں گے۔ ان دستخطوں سے پہلے متعلقہ ذمہ
داران کو چاہیے کہ وہ اس فیلڈ کے ماہرین، تاجر برادری کے نمائندوں، چیمبرز اور دیگر تجارتی و
معاشی شعبوں سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے صلاح و مشورہ سے اسے حتمی شکل دیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اسلامی جمہوریہ افغانستان کے درمیان ٹرانزٹ ٹریڈ کو باضابطہ
بنانے کیلئے 2 مارچ 1965ء کو اس وقت کے وفاقی وزیر تجارت پاکستان وحید الرحمان اور محمد سرور خان
وزیر تجارت افغانستان کے مابین ایک معاہدہ عمل میں آیا تھا۔ اس معاہدے کو پاک افغان ٹرانزٹ
ٹریڈ ایگریمنٹ گیتا (گڈز ان ٹرانزٹ تو افغانستان) کا نام دیا گیا تھا۔ اور اس وقت سے لیکر آج
تک اس معاہدے کی رو سے افغانستان کو غیر ملکی اشیاء کی ترسیل کی راہداری کیلئے کراچی کی بندرگاہ
اور پھر کراچی سے طورخم، خیبر ایجنسی، صوبہ سرحد اور چمن بلوچستان صوبہ بلوچستان کے بارڈر تک

کمنز کیئرنس کی سہولت دی گئی اور آگے افغانستان تک ٹرکوں، ٹرالرز کے ذریعے ترسیل کی جارہی ہے۔ جس سے نہ صرف پاکستان ریلوے، کراچی پورٹ ٹرسٹ (کے پی ٹی) کو اربوں روپے کا فائدہ ہوا تھا بلکہ اس شعبے سے ہزاروں افراد جن میں کمنز کیئرنگ ایجنٹس، بارڈر وشپنگ ایجنٹس، ٹرانسپورٹرز اور دیگر افراد کا روزگار بھی وابستہ ہے۔

اس معاہدے کے تحت دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کو اشیاء کی تجارت کیلئے مکمل آزادی دے رکھی ہے مگر اس معاہدے کے تحت افغانستان پاکستان کو اپنی مصنوعات وسطی ایشیائی ریاستوں کو ایکسپورٹ کرنے کیلئے ٹرانزٹ کی سہولیت فراہم نہیں کرتا۔ اسی طرح افغانستان ایسی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا کہ ان مصنوعات کو افغانستان سے ہی واپس آنے سے روکا جاسکے۔ حالانکہ اس معاہدے کے تحت افغانستان پاکستان کو وسطی ایشیائی ریاستوں تک اپنی مصنوعات پہنچانے میں مدد کا پابند ہے۔ آجکل وسطی ایشیائی ممالک کی زیادہ تر تجارت ایرانی بندرگاہ بندر عباس سے ہوتی ہے جو کہ ازبک دارالحکومت سے 3800 کلومیٹر دور ہے۔ اگر یہی تجارت براستہ پشاور ترمیز ہو تو اس فاصلے میں خاطر خواہ کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ کراچی اور گوادر کی بندرگاہیں 2700 کلومیٹر کی دوری پر ہیں۔

اب آئندہ چند ہی روز میں پاک افغان تجارتی رابداری معاہدہ پر مذاکرات کا پانچواں دور اسلام آباد میں شروع ہونے جارہا ہے۔ اس لئے ان اہم ترین مذاکرات کے دوران وزارت تجارت پاکستان کی تاجر برادری کے نمائندوں کو بھی شریک کرے اور ان کے ذریعے ورلڈ بینک اور بھارت کے سازشی حصہ کو ختم کرے اور اس اہم مذاکراتی پیشرفت میں جو اہم ترین سازشی ایشو ہیں۔ انہیں کسی بھی طرح سے معاہدے کا حصہ نہ بننے دے۔ آخر میں یہ بتاتا چلوں کہ بھارت کی مداخلت سے ہمیں جو پریشانی ہورہی ہے وہ ہمیں اپنے ملکی مفاد اور دفاع کی وجہ سے ہے اس لئے مختصراً عرض ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے مابین دوطرفہ تجارتی تعلقات کو مزید فروغ دینے کی ضرورت

ہے جو بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ جب اس سلسلے میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔ افغان تاجروں کو پاکستان میں اور پاکستانی تاجروں کو افغانستان میں ہر قسم کی سہولیات دی جائیں تاکہ دونوں ملکوں کے مابین تجارتی حجم کو بڑھایا جاسکے۔ ان اقدامات سے پاک افغان باہمی تجارت و فروغ میں مدد مل سکتا ہے۔ پاکستان اور افغانستان دونوں کو یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ وہ تاریخی، مذہب اور ثقافت کے اٹوٹ رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ دونوں ممالک ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہیں۔ ان کا نفع اور نقصان ایک ہے۔ اس لئے انہیں کسی تیسری قوت کو اپنے تعلقات بگاڑنے کا موقع نہیں دینا چاہیے اور باہمی تعاون اور ہم آہنگی سے مساوی ترقی کی راہ پر شانہ بشانہ آگے بڑھنا چاہیے۔

(جنوری 2010ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کرپشن جسدِ ملی کو کینسر کی طرح کھا رہی ہے

حیرت ہے کہ رواں مالی سال کیلئے پہلی سہ ماہی رپورٹ میں بتایا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جاری جنگ سے 4 کھرب روپے کی وصولی کم رہے گی۔ رواں مالی سال کے دوران مہنگائی کی شرح 10 ـــ 12 فیصد رہنے اور معاشی ترقی کی شرح 3.3 فیصد رہنے سے ٹیکس محصولات 7 ارب 80 کروڑ روپے کم ـــ 8 ارب 80 کروڑ روپے اکٹھے ہونے کی توقع ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ایکسپورٹس 18 ارب 50 کروڑ سے 19 ارب ڈالر رہنے کی توقع ہے۔ امپورٹس 30 ـــ 50 ارب ڈالر سے 31 ارب ڈالر تک رہنے کی توقع ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں ایکسپورٹس پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور جس ملک نے خسارہ سے بچنا ہوتا ہے۔ وہ امپورٹس پر زیادہ توجہ دیتے ہیں مگر ہمارے ملک میں ایکسپورٹس پر زیادہ توجہ دینے کی بجائے درآمدات کیلئے ڈالر مہیا کرنے کیلئے ہر سال وزیر خزانہ کو بیرونی ممالک سے بھیک مانگنے کیلئے بھیجا جاتا ہے اور وہ واپسی پر ڈالروں کی بھیک کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اس سال بھی وزیر خزانہ نے بھیک مانگنے کیلئے بیرونی ممالک کے دورے کئے ہیں۔ ان دوروں کے نتیجہ میں کتنی بھیک ملی ہے اس کا ابھی تک کوئی اعلان نہیں کیا گیا۔ ہر سال بھیک مانگنے کے بعد وزیر خزانہ کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ اتنے ارب ڈالر کی بھیک ملی ہے۔ اس سال بھی بھیک ملنے کی خوشخبری سنائی جائے گی۔

ہر سال وزیر خزانہ بھیک مانگنے کیلئے بیرونی ممالک کے دورے کرتے ہیں اور اپنی قوم کو بھیک ملنے کی خوشخبری سناتے ہیں اور ہر سال ان کے دورے کے بعد قوم کو بھیک ملنے کی خوشخبری سنائی جاتی ہے اور ہر سال بھیک ملنے کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ اس سال بھی وزیر خزانہ نے بیرونی ممالک کے دورے کئے ہیں اور بھیک ملنے کی خوشخبری سنائی جائے گی۔ اس سال بھی وزیر خزانہ نے بیرونی ممالک کے دورے کئے ہیں اور بھیک ملنے کی خوشخبری سنائی جائے گی۔

ایکسپورٹرز کی فہرست بنانے کی منظوری دیدی گئی ہے۔ اس فہرست میں شامل ایکسپورٹرز کو ایکسپورٹ پر زیادہ توجہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ایکسپورٹرز کو ایکسپورٹ پر زیادہ توجہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ایکسپورٹرز کو ایکسپورٹ پر زیادہ توجہ دینے کی ہدایت کی گئی ہے۔

پاکستانی معیشت کے بارے میں آئی ایم ایف نے اپنی سہ ماہی رپورٹ میں معاشی استحکام، تیز رفتار ترقی کے لیے اصلاحات سے حوالے سے مثبت اقدامات کو سراہا ہے۔ اگرچہ معاشی صورت حال بدستور نازک ہے، تاہم افراط زر میں کمی، زرمبادلہ کے ذخائر میں بہتری اور مالی سال کے پہلے تین ماہ کی مثبت رننگ امید افزا ہیں۔ آئی ایم ایف کی رپورٹ بہرحال پاکستانی حکومت کی کارکردگی پر بھرپور اطمینان کا اظہار نہیں کرتی، کیونکہ حکومت آئی ایم ایف کی اہم شرائط پر پورا اترنے میں ناکام رہی ہے۔ دوسرا جائزہ مقررہ ہدف حاصل نہ کرسکا ہے۔ خیال رہے کہ جنوری 2009ء میں عالمی بینک کی رپورٹ میں بھی اس نکتے کا اظہار کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق 2008-09ء میں جی ڈی پی کے 8.8 فیصد ہوگیا۔ مالی سال 2009-10ء کے پہلے نو ماہ میں ریونیو میں مسلسل کمی واقع ہورہی ہے۔ جولائی تا مارچ میں ایف بی آر کے ٹیکس وصولیوں میں 3.6 فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ سالانہ ہدف کے حصول کے لیے یہ 10.5 فیصد ہونا چاہیے۔ اس سے حکومت مالی خسارے کا ہدف حاصل نہیں کرسکے گی۔ وزیر خزانہ شوکت ترین نے مختلف میڈیا

کہ سال کی پہلی سہ ماہی میں حکومت مالی خسارے کے ہدف سے جی ڈی پی کا 2.0 فیصد نیچے ہے۔

تاہم ان کا اصرار تھا کہ حکومت سالانہ ہدف حاصل کر لے گی۔

سابقہ حکومت کے اراکین بالخصوص سعدیہ شاہد بار بار کہہ چکے ہیں کہ معاشی صورت حال کی وجہ سے اور موجودہ حکومت کا انتخاب ہوتا ہے کیونکہ مشرف دور میں معیشت تیز رفتار ترقی کر رہی تھی۔ سابقہ دور میں شرح نمو کی بلند شرح سے اس کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ عالمی بینک سابق وزیر کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہے، تاہم اکثر پاکستانی ماہرین معاشیات اس کی وجہ گیارہ ستمبر کے بعد سے بیرونی امداد کو قرار دیتے ہیں۔ انتیس اکتوبر 2009ء کی عالمی بینک کی اپ ڈیٹ کے مطابق اس عشرے کے اوائل میں پاکستان میں بلند شرح نمو کی بنیاد بیرونی فنانسنگ تھی، جبکہ ریونیو اور بچتوں کی شرح سست روی کا شکار تھی۔ بیرونی امداد پر معیشت کے انحصار کی وجہ سے معیشت کا بیرونی صورت حال سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ 08-2007ء میں عالمی معیشت بحرانی کیفیت کا شکار ہوئی، جو پاکستان کے لیے ادائیگیوں کے توازن میں بگاڑ کا باعث بنی۔

دوسرا بڑا مسئلہ پہلے مسئلے سے منسلک ہے۔ وقتی سے کہیں کم ریونیو کے باوجود حکومت اپنے اخراجات میں کمی نہیں کر سکی ہے۔ عالمی بینک تسلیم کرتی ہے کہ حکومت نے اخراجات میں کمی کی کوششیں کی ہیں تاہم یہ ناکامی سے دوچار ہوئی ہیں۔ ملک میں توانائی کے بحران کی وجہ سے بجلی کی قیمتوں میں حکومت سبسڈی کی وجہ کی بنا پر اضافہ کرنے سے کتراتی رہی اور یوں سبسڈیز کا بوجھ خزانے پر بڑھتا چلا گیا۔ صوبائی سطح پر ڈویلپمنٹ اخراجات نے بھی حکومتی کوششوں کو متاثر کیا ہے، جس سے بے صوبوں کو بڑھتے پیمانے پر مقامی بینکوں بالخصوص مرکزی بینک سے قرضہ لینا پڑا۔ فی الوقت [illegible] پاکستان معاشی بحران سے باہر آ گیا ہے۔ اسٹیٹ بینک کے گورنر کے [illegible] پاکستان مزید کسی پروگرام کی رپورٹ نہیں کی ضرورت نہیں تاہم وزارت خزانہ [illegible] سے اتفاق نہیں کرتی، جو ابتدائی اور سکیورٹی صورت حال میں

[illegible] کے لیے تیار ہو رہی ہے۔ عالمی بینک کی اقتصادی ٹیم کی اپ ڈیٹ سے مطابق [illegible] صورت حال اور بیرونی اخراجات میں کمی اور ریونیو میں اضافے کی وجہ سے مالی سال [illegible] کا ہدف حاصل کر لے گا۔ تاہم اگلا سال کی صورت حال بدستور گمبھیر رہنے کا امکان ہے۔

اسٹیٹ بینک نے اپنی مانیٹری پالیسی جاری کرتے ہوئے خبردار کیا ہے کہ دہشت گردی سے خلاف جنگ، ملک کی امن و امان کی صورت حال اور بجلی بحران سے باعث معیشت میں خطرے اور سب پٹی کی بجلی سطح خاصی بلند ہو چکی ہے۔ اسٹیٹ بینک کی اس رپورٹ میں بھی معیشت کو درپیش جس خطرے کا ذکر کیا گیا ہے، یہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ تو اپنانے اور اپنی سرزمین پر دھماکوں، خودکش حملوں اور تخریب کاری کے واقعات کی آماجگاہ بنانے کا ناگزیر نتیجہ اور نقد قیمت ہے جو پاکستانی عوام کو ادا کرنا پڑ رہی ہے۔ خود سرکاری بیانات کے مطابق اس الاؤ حصول اور ناکام مہم میں آنکھیں بند کر کے کود پڑنے کے نتیجے میں پاکستان کو اب تک چالیس ارب ڈالرز سے زائد کا نقصان اٹھانا پڑا ہے اور امن و امان کی ناگفتہ بہ صورتحال کے باعث ملکی معیشت تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہے۔ امریکہ پاکستان کے اس نقصان کا ازالہ کرنے کی بجائے اسے صرف ڈیڑھ ارب روپے کی نام نہاد امداد کی خاطر ذلت آمیز شرائط قبول کرنے پر مجبور کر رہا ہے اور آئی ایم ایف نے پاکستان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر سات ارب ڈالر کے قسط وار قرضے کے لیے پاکستانی عوام کی پشت پر مہنگائی کے تازیانے برسانے شروع کر دیئے ہیں۔ پاکستان کے پاس اس کے سوا [illegible] کوئی راستہ ہی نہیں ہے کہ وہ اس مہم سے صوبے چلد چھڑا کر ملک میں امن و امان کی صورت حال بہتر بنانے پر توجہ دے۔ ایسا نہ ہو کہ پاکستانی عوام کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور وہ عالمی استعمار اور اس کے مقامی آلہ کار عناصر کے خلاف فیصلہ کن معرکے کیلئے میدان میں نکل آئیں۔

ماضی میں دنیا کے بہت سے ممالک میں ایسا ہوا ہے اور اب بھی ایسا نہ ہو سکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ نیپ فیئر کا تعلق نیوزی لینڈ سے ہے، وہاں کے قانون و انصاف کے اسسٹنٹ وزیر ہیں،

سے ہم پاکستان کے لاکھوں ازلی محنت برائے انصاف کہہ سکتے ہیں۔ 2005ء کی بات ہے۔
اسے اپنے گھر کے باتھ روم میں ٹائلز لگوانے کی ضرورت پیش آئی۔ اس نے ٹھیکیداروں سے رابطہ
کیا۔ ایک ٹھیکیدار سے اس کے معاملات طے ہو گئے۔ ٹھیکیدار کو اس نے کام سونپ دیا۔ ٹھیکیدار نے
اپنے کارندے بھیجے اور چند دنوں میں کام مکمل کر لیا اور اپنے پیسے لے کر چلتا گیا۔ چند روز بعد یہ خبر
سامنے آئی کہ فلپ فینڈ نے جس ٹھیکیدار سے کام کروایا ہے، اس کے پاس غیر قانونی باشندے کام
کرتے تھے۔ اس خبر کی اشاعت نے نیوزی لینڈ کے محکمہ احتساب کی توجہ حاصل کر لی۔ اخباری خبر
کی تصدیق ہونے پر محکمہ احتساب نے فلپ فینڈ کو استعفیٰ دینے کے لیے کہا۔ فلپ فینڈ نے فوراً
استعفیٰ دے دیا۔ مقدمہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا، فلپ فینڈ کے لیے سیاست کے دروازے بند
ہوتے چلے گئے۔ 2006ء میں اسپیکر نے فلپ کی اسمبلی کی رکنیت منسوخ کر دی۔ 2007ء
میں اسے پارٹی سے بھی نکال دیا گیا۔ مقدمہ چلتا رہا اور 6 اکتوبر 2009ء کو عدالت نے فلپ فینڈ
کو سات سال قید کی سزا سنا دی۔

جس ملک میں ادارے مضبوط ہوں، ریاستی قوانین حکمرانوں کی ہاتھ کی چھڑی نہیں بن سکتے
اور نہ ہی وہ جیب کی گھڑی بنا کر اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ فلپ فینڈ کے واقعے پر نظر ڈال لیجیے اور
دیکھ لیجیے کہ کیا ہمارے ہاں موجود ہوتا تو اس کا ردعمل کیسے سامنے آتا ہے؟

مغربی جمہوریت کو اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھنے والے ہمارے حکمران آج تک نہیں سمجھ پائے کہ
مغرب میں ترقی اور ہمارے ہاں تنزلی کیوں ہے؟ ہر سیاست دان ملکی صورت حال پر مگرمچھ کے
آنسو بہاتا ہے لیکن وہ عوام کو ریلیف دینے کے لیے تیار نہیں، خود "ریلیف" لینے کے جتن کرنے
سے ہمارے ریلیف دے سکتے ہیں۔ پاکستان پر نظر ڈالیں تو سمجھنے والوں نے "رفعتیں"
[illegible] "بلندیوں" میں ہے۔ پاکستان میں جتنا زیادہ ووٹ حاصل کرنے
[illegible] "گناہ" ہے۔ سیاسی اور قانونی بنیادوں پر سب سے زیادہ ریلیف

[illegible] مقدمہ بن کا طرۂ امتیاز ہے۔ سیاسی مخالفت کی بنیاد پر قائم ہونے والے مقدمات کا ہوا
[illegible] کرنے، واپنا کیا چھپا لیتے ہیں۔ فلپ فینڈ کا مقدمہ اور سیاسی مرتبہ بھی دیکھیں اور اس کا جرم
[illegible] بھی تو حالات کار دکھانے والوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ نیوزی لینڈ جیسے ملک میں ترقی کر
[illegible] اور ہم کیوں تنزلی کے عمیق گڑھے میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔

[illegible] ہمارے ہاں لاکھوں، کروڑوں اور اربوں کی کرپشن کرنے والے: صفائی سے بچتے ہیں کہ
صرف مقدمے پر ہم استعفیٰ کیوں دیں؟ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی گلوبل کرپشن رپورٹ 2009ء
میں پاکستان نے کرپشن میں مزید ترقی کر کے 47 ویں سیٹ سنبھال لی ہے اور سومالیہ کے بعد
دوسرے نمبر پر ہے۔ بنگلہ دیش بھی ہم سے بہتر رینکنگ میں ہے۔ اس فہرست میں 180 نمبر داری میں پہلا نمبر نیوزی لینڈ کا ہے
[illegible] جس ملک میں احتساب اتنا کڑا ہو کہ ایک وزیر اور وہ بھی انصاف کے محکمے کا صرف اتنے
سے جرم پر کہ اس نے ایسے ٹھیکیدار سے ٹائلز لگوائیں جس کے پاس ایسے لوگ کام کرتے تھے، جو
قانونی دستاویزات کے حامل نہیں تھے، اس "جرم" کی تو ہمارے ہاں خبر تک نہیں بنتی، وہاں نہ
صرف خبر بنی بلکہ وزارت، رکنیت اور پارٹی سے فلپ فینڈ کو اس طرح نکال دیا گیا جیسے مکھن سے
بال کو نکال دیا جاتا ہے۔ کسی نے دہائی دی نہ دلوایا۔ نہ اسے اپوزیشن کی سازش قرار دیا۔ فلپ
فینڈ پر مقدمہ چلا تو کوئی دباؤ آیا نہ حیلے بہانے تراشے گئے اور سزا ہونے پر فلپ فینڈ نے اسے
"کینگرو کورٹ" کا نام دیا، نہ چمک کا شاخسانہ قرار دیا۔ ایسے ملک میں کسی کو کیسے جرأت ہوگی کہ وہ
معمولی سی بھی کرپشن کرے اور پھر اسے چھپا سکے۔

ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی اس رپورٹ کی کریڈیبلٹی کے لیے یہی کافی ہے کہ نیوزی لینڈ کو 180
ممالک میں سرفہرست رکھا گیا ہے۔ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق صرف ایک سال
(2009ء) میں 500 ارب روپے کی کرپشن ہوئی۔ جس ملک میں عوام نان جویں کو ترستے ہوں
اور خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہو، انفرادی اور اجتماعی

نوٹ شیئر روزمرہ کا معمول بن چکا ہو وہاں اتنے بڑے پیمانے پر کرپشن کا ہونا واضح کرتا ہے کہ
ملکی معاشی بہبود کی جانب توجہ کی کمی نہیں کرپشن ہوتی ہے، جو کروڑوں اور اربوں تک پہنچ
سکتی ہے۔ دوسری طرف تمام قوانین موجود ہوتے ہوئے بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے۔ بعض اس
کے باعث انہیں "مقدس گائے" بنا دیا گیا ہے یا "مفاہمت" کے نام پر انہیں راستہ دے دیا گیا
ہے۔ پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک اگر کہیں ترقی حاصل کی ہے تو وہ کرپشن کا میدان ہے۔
یار لوگ اسے بھی یہ کہہ کر کہ "چلو پاکستان نے کسی فیلڈ میں تو ترقی کی" قہقہوں میں اڑا دیتے ہیں۔
آج ٹرانسپرنسی رپورٹ کو سازش قرار دینے والے کل تک انہی رپورٹوں کے حوالے دے کر سابقہ
حکومتوں کو کرپٹ قرار دیتے تھے۔

پاکستان کی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالیں تو سب سے زیادہ حکومتیں کرپشن کے الزام میں اپنے
انجام کو پہنچیں۔ مگر آنے والی حکومت نے اس سے بڑھ کر کرپشن کی۔ کرپشن ملک میں کیسے ختم ہو
جب کرپٹ مافیا کے افراد ایوان کے کارندے حکمران ہوں اور ان کے "فرنٹ مین" سودے طے کر
نے میں زر تسکین پہنچانے میں ان راست مصروف عمل ہوں۔ کرپشن کے متعلق وزیر خزانہ شوکت
ترین جب ایوان میں اعتراف کرتے ہوں کہ "بدعنوانی سے حاصل کردہ رقم بڑے لوگوں کی
جیب میں جاتی ہے اور ان بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کے لیے حکومت کو جرأت درکار ہے۔" یہ
بات بچے بچے کو معلوم ہے جب حکومت ہی پر وہ قابض ہوں۔ پاکستان میں ایسا مذاق اب تک دیکھنے
میں نہیں آیا۔ ایک جملہ ذہن میں آتا ہے جو اب سے پیش کرتے ہیں۔ این آر او (قومی لوٹ مار آرڈیننس)
کی رو سے ان مقدس 8041 افراد کی بات کرتے ہیں۔ جنہوں نے 165 ارب کی کرپشن کی تو
اب وہ سب سے بڑے ایماندار بن گئے۔ 165 ارب کی کرپشن 300 افراد نے کی ہے۔
باقی سب کے سب ایماندار ہیں یا ان کا احتساب کیوں نہیں ہوتا۔

(فروری 2010ء)

فاٹا کی مفلوج معیشت

عسکریت پسندی، دہشت اور لوگوں کی نقل مکانی کے نتیجے میں وفاق سے زیر انتظام قبائلی
علاقوں کی معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے اگرچہ ملک کے تمام اشاریے اسے 30 سالوں میں پسماندہ
ترین علاقہ ظاہر کرتے چلے آ رہے ہیں مگر 9/11 کے بعد ہونے والی مسلح جھڑپوں اس کے لیے تباہ
شدید ثابت ہوئیں ہیں اور تقریباً تمام کاروبار صنعتیں اور زراعت منسوخ ہو کر رہ گئی ہیں۔ فاٹا
سیکرٹریٹ کے عہدیداروں کا کہنا ہے کہ اس خطے کو ایک کھرب 71 ارب روپے (12 ارب ڈالر)
سے زائد کا نقصان ہو چکا ہے۔ ان میں وہ نقصانات شامل نہیں ہیں جو حالیہ جنگ در جنوبی
وزیرستان میں نقل مکانی اور لوگوں کی بے گھری کے نتیجے میں ہوئے ہیں۔

ایک عہدیدار نے بتایا کہ فاٹا کی معیشت کو پہنچنے والا نقصان بہت بڑا ہے۔ جس کی وجہ
سرحدوں اور دکانوں کی بندش، سفر اور نقل و حمل کے کرایوں میں اضافہ، بڑھتی ہوئی قیمتیں، بے
روزگاری، زراعت، صنعتی پیداوار اور افغانستان سے ٹرانزٹ ٹریڈ میں کمی ہے۔

انفرااسٹرکچر کی تباہی کا اندازہ 12 ارب 68 کروڑ لگایا گیا ہے۔ جب کہ دہشت گردی
سے جنگ پر ہونے والا معاشی نقصان (سفر نقل و حمل کا نقصان مذکورہ بالا نقصان کا 75 فیصد ہے)

9ارب 50 کروڑ روپے تک پہنچ گیا ہے۔ مالی نقصان کا اندازہ 88ارب 80 کروڑ روپے ہے جب کہ سیلابی اور بے گھر افراد کی بحالی کے لیے مزید 45ارب روپے کی ضرورت ہے۔ ماحولیاتی نقصان کا تخمینہ 5ارب روپے لگایا گیا ہے۔ فاٹا کی 90 فیصد سے زائد آبادی براہ راست یا بالواسطہ طور پر زراعت اور مویشیوں سے ہونے والی اپنی آمدنی سے محروم ہو چکی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ زراعت اور مویشیوں پر ہے۔ اراضی کے استعمال کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاٹا کی کل 28 لاکھ ہیکٹر اراضی میں سے صرف 7 فیصد یعنی 2 لاکھ ہیکٹر اراضی زیر کاشت ہے اور کاشت کاروں کا شعبہ بری طرح متاثر ہوا ہے۔ زرعی اور لائیو سٹاک کے شعبے میں سرکاری املاک کو پہنچنے والے نقصانات کا تخمینہ 4ارب 25 کروڑ روپے لگایا گیا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ نقصان باجوڑ میں ہوا جب کہ نجی املاک کو ہونے والے نقصان کا اندازہ 19ارب روپے ہے۔

بے فصل سبزیوں اور پھلوں کی برآمدات جو مقامی افراد کی آمدنی کا ذریعہ تھیں رک گئی ہیں۔ کاشتکاروں کو خدشہ ہے کہ انہیں 9ارب 50 کروڑ روپے سالانہ کا نقصان ہوا ہے۔ عہدیدار کا کہنا ہے کہ کاشت کار اراضی و امن کی ابتر صورتحال اور نقل و حرکت کے باعث فصلیں کاشت کرنے سے قاصر ہیں۔ زرعی پیداوار کی عدم دستیابی اور ان کی بلند قیمتیں بھی ایک مسئلہ ہیں۔ قبائلی پٹی میں پھل سے پیداوار پر تو کچھ نہیں ہی جا سکتی۔ علاقے میں لائیو سٹاک سب سے زیادہ متاثر ہوا ہے۔

فاٹا میں جاری شورش نے علاقے کی اس معاشی سرگرمی پر شدید دباؤ ڈال رکھا ہے۔ جو پہلے ہی محدود تھی کاروبار کرنے کے اخراجات، قیمیات، زندگی بسر کرنے اور نقل و حمل کی لاگتوں میں کئی گنا اضافے نے لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ یہ علاقے جنگ پیش رہ حکومتیں بھی ہمیشہ نظر انداز کرتی رہیں۔ اب یہ علاقے سے نہیں زیادہ خستہ حالی کا شکار ہے۔ یہاں نجی شعبے کی سرمایہ کاری [illegible]

[illegible] ہے۔

[illegible] میں قائم این جی او سے ایک ملازم نے [illegible] سے شروع ہوئی ہے۔ پہلے [illegible] پر ڈویژن میں کام کرتا ہے جہاں مختلف [illegible] دینے کے لیے بلایا گیا ہے۔ [illegible] سے پہلے ڈویژن سے [illegible] کی ہے۔ اب [illegible] موجودہ منصوبے امن و امان کی ابتر صورتحال سے [illegible] ہے۔ [illegible] کے لیے راستے کے [illegible] علاقے کے 3 پروجیکٹوں پر صرف 20.23 اور 37 فیصد [illegible] ہے۔ [illegible] ایجنسی کے ایک اجلاس میں ایک صحافی نے شکایت کی کہ [illegible] دونوں کو فیلس ادا کرنا پڑتا ہے اور وہ کنوئیں اور [illegible] سے درمیان پھنس کر رہ گئے ہیں۔ انہیں [illegible] دونوں کو خوش کرنا ہوتا ہے بصورت دیگر وہ کام نہیں کر سکتے۔

دکانوں پر بہت کم گاہک آتے ہیں کیونکہ زیادہ تر لوگوں کی [illegible] قوت خریداری اشیاء پر ہے۔ قبائلی علاقے کے لڑکے اور نوجوان جو مختلف بڑے شہروں میں کم پیمانہ ملازمت سے منسلک تھے۔ ان کے مالکان نے انہیں فارغ کر دیا ہے۔ عہدیدار کا یہ بھی کہنا ہے کہ علاقے کی معاشی ترقی ایک طویل المدتی پروجیکٹ ہے۔ اس کے لیے مستقل استحکام، سرمایہ کاری اور امداد کی فراہمی کی ضرورت ہے۔ بین الاقوامی برادری کو دل کھول کر امداد کی رقوم فراہم کرنی چاہئیں۔ پاکستان اور دنیا کو فاٹا میں ناکام نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ناکامی علاقے میں شدید تباہی لائے گی۔ رقوم کے فقدان، چشم پوشی، دستیاب وسائل کے استعمال میں ناکامی، سرکاری انفراسٹرکچر کی تباہی نے معاشی سرگرمیوں کی سطح انتہائی کم کر دی ہے۔

فاٹا کا سرحد پار تجارت کے لیے امن، جیک محل وقوع اور اس علاقے کے لوگوں کی اسمگلنگ میں مہارت ایک بڑی دولت ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اس علاقے کے لیے سرکاری اور نجی قومی

اور یمن ، قوامی سرمایہ کاری کے حصول کی کوشش کرے۔ ایک صنعت کار سید عبداللہ نے کہا کہ فونا اسکو کے کارخانوں کے بنے مشہور ہے۔ اس کے ۔۔ وہ یہاں کروڈیٹ، میگنیز، ماربل، کوارٹز، سوپ اسٹون، تانبے، زمرد اور کوئلے کے قیمتی ذخائر موجود ہیں۔ یہ فیلس فری زون ہے اور یہاں سستی محنت بکثرت دستیاب ہے۔ سرمایہ کاروں کو یہاں آنا چاہیے۔

دلچسپی کی بات ہے کہ ماربل کی صنعت کو کسی مشکل صورتحال کا سامنا نہیں ہے اور ان کا کاروبار پروان چڑھ رہا ہے۔ ماربل انڈسٹریل ایسوسی ایشن کے سابق چیئرمین شاہد آرخان نے بتایا کہ ان کا فارمولا آسان ہے۔ وہ مقامی افراد کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں اور مصالحت کے جذبے کے تحت چھوٹا اور چھوٹ کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ انہیں کسی مسئلے کا سامنا نہیں ہے۔ اگر قبائلیوں کو شراکت کی بنیاد پر شامل کر کے پروجیکٹس شروع کیے جائیں تو یقیناً کامیابی ہوگی۔ فونا سیکرٹریٹ نے پائیدار ترقیاتی پروگرام 2006-2015 تیار کیا ہے۔ جس کا تخمینہ ایک کھرب 24 ارب روپے لگایا گیا ہے۔ یہ ایک اچھا آغاز ثابت ہو سکتا ہے۔

پلان میں 10 ارب روپے زراعت کے لیے 3 ارب صنعت کے لیے 5 ارب کان کنی کے لیے۔ رکھے گئے ہیں 1000 کلومیٹر طویل سڑکوں کی تعمیر کے لیے 6 ارب 87 کروڑ روپے دو قبائلی ایجنسیوں کو مؤثر رابطہ فراہم کرنے کے لیے ایکسپریس وے کی تعمیر کے لیے 19 ارب روپے رکھے گئے ہیں۔

(فروری 2010ء)

تیرا ہی دل نہ ہو تو بہانے ہزار ہیں

دنیا میں یہ اصول رائج ہے کہ قیمت صرف اسی چیز کی بڑھائی جاتی ہے جس کی خصوصیت بنتا ہو، اچھی ہوں، کوالٹی معیاری ہو، مارکیٹ میں وہ چیز باآسانی دستیاب اور ایک عام صارف کے لئے فائدہ مند ہو مگر ہمارے ملک میں الٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ چیز کی کوالٹی خراب ہو، مارکیٹ سے نایاب ہو، لوگ حصول کے لئے مارے مارے پھر رہے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ دام بڑھ گئے ہیں۔ دالیں، چاول، چینی، گھی، تیل، آٹا، غرضیکہ انسانی ضرورت کی وہ کونسی اشیاء ہیں جو وافر مقدار میں سستے داموں باآسانی مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ یہی حال گیس اور بجلی کا ہے، اکثر علاقوں میں گیس کی لوڈشیڈنگ ہے اور کئی کئی گھنٹوں کے لئے بجلی غائب ہے، جبکہ بجلی کے نظام کا یہ حال ہے کہ ذرا سی تیز ہوا چلے تو تاروں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، آندھی آئے تو بجلی غائب۔ گرمیوں میں تو لوڈشیڈنگ تھی ہی، لیکن سرد موسم میں بھی آٹھ آٹھ گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ اب تو معمول کی بات بن گئی ہے، اس صورت حال میں ان گنت لوگ ذہنی مریض بن کر رہ گئے ہیں، لیکن اس سب کے باوجود طرفہ تماشہ دیکھئے کہ ایک طرف عوام لوڈشیڈنگ کا عذاب بھگت رہے ہیں تو دوسری طرف بجلی کی نرخوں میں نہ رکنے والا اضافہ ایک ایسا ظلم ہے جس کی پاکستانی تاریخ میں نظیر مشکل

اردو فینز
کیلئے

ے عوام کی کمر اس لئے توڑی جا رہی ہے کہ وہ بس بکنے اور مجبور رہیں۔ یہ وہ اس ملک میں
ضرور ہونا ایک جرم بن گیا ہے۔ یہ عجب ستم ظریفی ہے اگر ایک طرف حکومت عوام سے اپنے
حمایت مانگ رہی ہے اور یہ تقاضا کر رہی ہے کہ موجودہ حکومت کے ہاتھ مضبوط کیے جائیں تاکہ
دوسری جانب وہ عوام کو دیوار سے لگا رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ جمہوریت پاکستان سے بہتر ہے
ہے یہ بھی درست ہے کہ عوام آمرانہ دور کے غلط فیصلوں کی سزا بھگت رہے ہیں لیکن یہ جمہوریت
کا کیسا عجب نمونہ ہے کہ جس میں عوام کی زندگی اجیرن ہوتی جا رہی ہے۔

یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ پہلے ہی صرف پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے
نے عوام مہنگائی کے بوجھ تلے بری طرح دب چکے ہیں۔ اس کے باوجود بجلی کی قیمتوں میں حالیہ
اضافے سے مہنگائی کا ایک ایسا طوفان آئے گا جس سے حکومت کے لئے بھی حالات پر قابو پانا
مشکل ہو جائے گا۔ موجودہ حالات میں مہنگائی کے اس طوفان اور مختلف اداروں کی اجارہ داری
سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عوام کا کوئی پرسان حال نہیں۔ صرف جاگیرداروں، سرمایہ داروں،
سیاستدانوں، حکمرانوں اور لوٹ مار کرنے والوں کے لئے ہی تمام سہولیات میسر ہو سکتی ہیں۔
غریب عوام اس وقت اپنے آپ کو بالکل تنہا اور بے سہارا محسوس کر رہے ہیں اور وہ مایوسیوں کی انتہا
تک پہنچ چکے ہیں، چنانچہ ان حالات میں عوام یہ سوال کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ حکومت
کہاں ہے اور حکومت کی ترجیحات کہاں ہے جس کے تحت عوام کو تحفظ اور سہولیات میسر آتی ہیں۔ کیا
عوام کے ان سوالوں کا جواب اور مشکلات کا تدارک حکمرانوں اور سیاستدانوں کے پاس ہے؟ کیا
عوام کے نام پر سیاست کرنے والوں کی یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ وہ عوام کے سوالوں کا جواب دیں
اور ان کی مشکلات کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کریں لیکن یہ تو جب ہی ممکن ہے جب حکمران
اور سیاست دان اپنے قلعہ نما محلات سے باہر نکل کر دیہی علاقوں اور شہروں کی غریب بستیوں میں
جا کر حالات معلوم کریں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ عوام کی اکثریت کن مصائب اور مشکلات میں

ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف عوام کو دینے کے لئے حکومت کے پاس بجلی نہیں ہے جبکہ
دوسری طرف بجلی کی قیمتوں میں ہوش ربا اضافہ کر کے ان کی زندگی اجیرن بنائی جا رہی ہے۔ حالات
یہ ہو چکی ہے کہ 2008ء میں جو لوگ ایک ہزار روپے بجلی کا بل ادا کر رہے تھے، وہی لوگ آج
دو بل ادا کر رہے ہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس عرصہ میں کروڑوں لوگوں کی آمدنی میں ایک پائی
کا بھی اضافہ نہیں ہوا۔ ایک بجلی کے بوں پر ہی کیا موقوف صرف ایک سال کے عرصہ میں اشیاء
ضروریہ کی قیمتوں میں اس قدر خوفناک اضافہ ہو چکا ہے کہ پہلے لوگوں کے صرف ہاتھ کانپتے تھے
اب ان کی آنکھیں بھی نرزہ براندام ہو گئی ہیں۔ اس کے باوجود مہنگائی، ذخیرہ اندوزی، امن و امان کی
بگڑتی ہوئی صورت حال اور بحرانوں کے بھنور میں پھنسے عوام پر حکومت کی جانب سے بجلی کی
قیمتوں کے اضافے کا بم گرا دیا گیا۔ حیرت اس بات پر ہے کہ یہ سب کچھ ایک ایسی جمہوری دور
حکومت میں ہو رہا ہے جس کا بنیادی خمیر روٹی کپڑا اور مکان کی فراہمی ہے لیکن حالات یہ ہیں کہ
عوام کے منہ سے روٹی، تن سے کپڑا اور سر سے مکان کا سایہ بھی چھنتا جا رہا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ حکومت نے پہلے ہی آئی ایم ایف سے کئے گئے معاہدے کے تحت یکم جنوری
2010ء سے عوام پر بجلی بم گرانے کی تیاری کر لی تھی۔ ظلم تو یہ ہے کہ 12 فیصد اضافے کی زد
میں وہ لوگ بھی آئے جو خط غربت کی لکیر سے بھی بہت نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ
موجودہ حکمرانوں نے دو سال قبل الیکشن مہم کے دوران یقین دہانی کرائی تھی کہ عوام کو کمر توڑ مہنگائی
سے نجات دلائیں گے، جبکہ 2009ء میں حکومت نے ایک وعدہ آئی ایم ایف سے بھی کیا تھا کہ
بجلی کی قیمتوں میں بتدریج ہوش ربا اضافہ کر کے عوام کی کمر توڑ کر رکھ دے گی۔ حقیقت حال یہ ہے
کہ عوام سے کیا گیا وعدہ تو ایفا نہ کیا گیا لیکن آئی ایم ایف سے کیا گیا ہر وعدہ پورا کیا جا رہا ہے، جس
کی تازہ مثال بجلی کی مزید قسط کی وصولی کے لئے حکومت آئی ایم ایف کی دست نگر اور مجبور

حامد

اردو فینز

کیلئے

ضرورت ہوگی۔

قبل ازیں بھی کئی ممالک نے کوئلے پر انحصار کم کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ
بجلی کی پیداوار کے لیے صرف برآمدی کوئلہ ہی استعمال کرتے ہیں۔

کوئلہ انرجی مینجمنٹ سے متعلق سندھ کی جانب سے پیش کش کا ایک لیٹر ملنے کے بعد زیر زمین
موجود کوئلے کی تہیں سے پیدا ہونے والی 400 میگاواٹ کی بجلی گھر بنانے کا اعلان کیا ہے۔ دریں اثنا
پلاننگ کمیشن بھی اپنی سائنس دان ثمر مبارک مند کی مدد سے دیسی ٹیکنالوجی کے استعمال سے
زیر زمین کوئلے کی تہیں سے پیدا ہونے والی 50 میگاواٹ کا ایک بجلی گھر تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

زیر زمین کوئلے کو گیس میں تبدیل کرنا (یو جی جی) ایک ایسا عمل ہے جس میں کوئلے کو آتش گیر
مصنوعات (سائن گیس) میں بدلا جاتا ہے اور اس گیس کو بطور ایندھن یا کیمیکل استعمال کیا جاتا
ہے۔ یو جی جی (انڈر گراؤنڈ کول گیسیفکیشن) سے کان کنی کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے لئے
خصوصی کول پراسیسنگ آلات اور گیسیفیکیشن ری ایکٹر بھی درکار نہیں ہوتے۔

تاہم ذکر تحقیق اور آزمائشوں کے باوجود یو جی جی پر مبنی کوئی تجارتی طور پر جاندار پروجیکٹ
ابھی تک کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا ہے۔ یہ تحقیق یورپ، امریکہ، چین، سابق سوویت یونین اور
آسٹریلیا میں کی جا چکی ہے۔

کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کی تین نئی اور جدید آزمودہ اور دنیا بھر میں عام ہیں۔ کوئلے کو ان ممالک
میں جہاں یہ بہت مقدار میں دستیاب ہے، محفوظ اور قابل بھروسہ تصور کیا جاتا ہے۔ جاپان جہاں
اپنی بجلی کا صرف 18 فیصد کوئلے سے پیدا کرتا ہے جو زیادہ تر درآمد شدہ ہوتا ہے۔

[illegible] کوئلے سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبے پر کام شروع کر دیا ہے۔ ماحولیات سے 2001 میں عمل ہونے کی توقع تھی۔ اس
سے قبل بندرگاہ پر پلانٹ کی جلد از جلد تعمیر کی راہ بھی ہموار ہو رہی تھی۔ تاہم 1996 میں
پیپلز پارٹی کی حکومت نے تحلیل کر دیے جانے کے بعد اس ماحولیات دوست منصوبے پر کام رک گیا۔
حکومت تھر کے کوئلے سے فائدہ اٹھانے کی بجائے درآمد کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

پاکستان کو سستی بجلی کی ضرورت ہے۔ یہ مقصد مقامی اور درآمد شدہ کوئلے سے چلنے والے بجلی
گھر قائم کر کے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حکومت نے ابھی تک اپنی توجہ تھر پر ہی مرکوز رکھی ہے
اور دوسرے آپشنز پر توجہ نہیں دے رہی ہے۔

دستیاب معلومات سے پتا چلتا ہے کہ لاکھڑا کوئلے سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ
450 میگاواٹ کے بجلی گھر کا قیام ایک قابل عمل آپشن ہے۔ لاکھڑا اول ڈویلپمنٹ کمپنی لمیٹڈ
(ایل ڈی سی) مکمل طور پر تیار کوئلے کی 44 کانوں کی مالک ہے جن میں ہر ایک روزانہ 40 تا
50 ٹن کوئلہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جبکہ 39 کانوں کو ترقی دی جا رہی ہے۔ لاکھڑا کی
کانوں سے کوئلے کی سالانہ اوسط پیداوار 10 لاکھ ٹن سے زائد ہے۔ یہ پیداوار زیادہ تر خانوت
میں واپڈا کے پاور پلانٹ اور اینٹیں بنانے کی صنعت میں استعمال ہوتی ہے۔ 2008 تک یہاں
سے 30 لاکھ ٹن کوئلہ نکالا گیا تھا۔

سندھ کول اتھارٹی نے کوئلے کے پیٹائش کردہ ذخائر کا اندازہ 24 کروڑ 60 لاکھ ٹن لگایا ہے۔
جب کہ لاکھڑا کول فیلڈ میں ایک ارب 32 کروڑ 80 لاکھ ٹن کوئلے کی موجودگی کی نشاندہی موجود
ہے۔ تخمینوں کے مطابق 450 میگاواٹ بجلی تیار کرنے والے بجلی گھر کے لئے 30 سال تک
9 کروڑ ٹن جبکہ 150 میگاواٹ بجلی کے لئے 3 کروڑ ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی۔ ان اندازوں
سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ 600 میگاواٹ کے بجلی گھر کو تیس سال تک چلانے کے لئے 12 کروڑ
ٹن کوئلہ درکار ہوگا۔ جس کے لئے 16 کروڑ 20 لاکھ ٹن کوئلے کی ضرورت ہوگی۔

اردو نوٹس
کلب

(فروری 2010ء)

OO

پانی پر صوبے آپس میں ٹکرا جائیں گے؟

پانچ سات سال پہلے جب چولستان کے علاقوں کی طرف سے بھارتی آبی جارحیت پر مختلف
بند ہوا تو بھارتی حکومت سے خریدے پر امرتسر، دہلی اور ایبٹ آباد وغیرہ سے بھی شور مچنے سے
ازانے والے پاکستانی دانشوروں نے اسے پاک بھارت تعلقات میں رونما ہونے والے دراڑ
پسندانہ قدم قرار دے کر کہا تھا کہ یہ صرف دو ملکوں کی انتہا پسند تنظیموں کا پراپیگنڈہ ہے۔ ان
دنوں یہ خبر بھی سننے میں آئی کہ مقبوضہ کشمیر میں سرگرم مجاہدین نے دریائے جہلم پر بھارتی حکومت کی
جانب سے سلال ڈیم بنانے کے منصوبے کی مخالفت میں مارچ یا اپریل تین تین دن کے بعد جیسے ہی
ہم نے یو ٹرن لیا۔ خصوصاً بھارت و مقبوضہ کشمیر میں مل جینے کی جو آزادی نہیں آئی۔ اس
بھارتیوں نے انتہائی ناجائز فائدہ اٹھا کر پاکستان کے پانی پر ڈاکہ زنی کرتے ہوئے پاکستان کو
قریباً قحط سے دوچار کرنے کا گھناؤنا منصوبہ بنا لیا ہے۔

عالمی بینک کے تحت 1960ء میں پنڈت جواہر لال نہرو وزیراعظم بھارت اور فیلڈ مارشل
محمد ایوب خان صدر پاکستان کے درمیان سندھ طاس معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ جس کے مطابق
دریائے سندھ، جہلم اور چناب کا پانی پاکستان کو ملنا تھا جب کہ دریائے راوی اور بیاس کے پانی کا

حصہ بھارت کو دیا گیا۔ دریائے سندھ کا 20 فیصد پانی بھارت کو ملتا تھا۔ اور شرط یہ تھی کہ بھارت اس پر کوئی ڈیم نہیں بنائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت اس وقت دریائے سندھ پر تین ڈیم بنا رہا ہے۔ جس سے پاکستان میں قحط سالی کا خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔ ان میں سے پہلا ڈیم نیموباز گو، دوسرا ڈیم نجار اور تیسرا ڈیم کیلہ خالصی بانا لیک ہے۔ ان سے بھارت 200 میگاواٹ سے زیادہ بجلی حاصل کرے گا۔ بھارت نے حسب معمول اس معاہدے کی بھی خلاف ورزی کی اور مسلسل کرتا چلا آرہا ہے۔ کئی مرتبہ اس مسئلے پر مذاکرات ہوئے لیکن ہر دفعہ بھارت کی ہٹ دھرمی آڑے آئی حتیٰ کہ کچھ بین الاقوامی ضمانت داروں نے بھی ان مذاکرات میں شمولیت کی۔ سوال اٹھتا ہے کہ جو معاہدہ ابتدائی برسوں میں منظور ہوا تھا آج تک اس کی پاسداری کیوں نہ کی گئی۔ کیا اسے پاکستانی حکمرانوں کی بزدلی سے تعبیر کیا جائے کہ وہ اپنے جائز حق کے لئے بھی آواز نہ اٹھا سکے۔ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ بھارت نے مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کی طرف بہنے والے ہر دریا پر کئی کئی ڈیم بنا لئے ہیں۔ یہاں تک کہ دریائے چناب کے بہاؤ کو کم یا زیادہ کرنے کا اختیار بھی اس کے پاس ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان 2000ء میں اس وقت تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ جب بھارت نے دریائے چناب پر بگلیہار ڈیم کی تعمیر شروع کی تھی۔ 20-10 ڈیموں کی مزید منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور دریائے جہلم پر کشن گنگا ہائیڈرو پاور بنانے کی تیاری کر چکا ہے۔ اس میں افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کئی سال تک پاکستان غفلت میں پڑا رہا۔ دانستہ یا غیر دانستہ ہو بے شک یہ ناقابل معافی عمل ہے۔ پاکستان چونکہ ایک زرعی ملک ہے اور ہماری خوراک اور درآمدات کا 80 فیصد انحصار برآمدی مقاصد سے ہونے والی فصلوں پر ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بھارت نے پاکستان کو بنجر بنانے کی منصوبہ بندی کر لی ہے۔ اس کو تباہی کی انگوائری ہونی چاہیے۔ 2007ء میں پاکستان کی شکایت پر اس وقت تک سب کچھ بن چکا تھا۔ عالمی بینک نے [illegible] کو درست قرار دیتے ہوئے بھارت کو ہدایت جاری کیں کہ ڈیم

کی اونچائی ڈیزائن سے کم کی جائے۔ ڈیم کے ذخیرے کی استعداد پچاس لاکھ کیوبک میٹر کم ہونے سے 37 ملین کیوبک میٹر کم کر کے 32 ملین کیوبک میٹر تک لایا جائے۔ بھارت کو توانائی پیدا کرنے کے لئے مزید 3 میٹر اونچائی سے پانی لینا ہو گا۔ بجائے اس کے کہ ان تین ترمیمات کو دور کیا جاتا۔ بھارت نے اپنی روایتی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چناب کا پانی بھی روک لیا۔ جس کی وجہ سے پنجاب میں کپاس اور گنے کی فصلیں بری طرح متاثر ہوئیں اور پاکستان کو 40 فیصد پانی کی کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان کے مراکز، فیصل آباد اور تریموں بیراجز سے نکلنے والی نہروں میں بھی نہیں جو لاکھوں ایکڑ رقبے کو سیراب کرتی تھیں قحط سالی اور غذائی بحران پیدا کرنے کا سبب بن گئیں۔ جس کی وجہ سے ضلع سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، جھنگ اور ساہیوال وغیرہ کے لاکھوں ایکڑ رقبے کے بنجر ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہے۔ بھارت نے دنیا سے ہر بار احتجاج کو درخور اعتنا نہیں جانا۔

پاکستان کو اپنے مطالبات کے لئے اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے۔ جس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ بھارت کو سندھ طاس معاہدہ پر سختی سے عمل درآمد کروائے۔ اسی دوران پاکستان کو ہنگامی بنیادوں پر بھی ماہرین سے بھی گفتگو شروع کرنی چاہیے اور ملک میں اپنے ماہرین تیار کرے۔ برٹش ماہرین کی ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتیں۔ اب تو سرحد پر یہ باتیں کی جانے لگی ہیں کہ پاکستان میں پانی کی کمی کی وجہ سے قحط سالی کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے جب پانی نہیں ہو گا تو فصلیں نہیں ہوں گی اور جب فصلیں نہیں ہوں گی تو خوراک کی کمی پیدا ہو گی اور بجلی سے بھی بڑا بحران ہو گا۔ بھارت نے خفیہ طور پر مقبوضہ کشمیر میں چھوٹے بڑے 62 ڈیمز بنا رکھے ہیں اور بناتا چلا جا رہا ہے اور مکاری یہ ہے کہ پاکستان کی جانب بہنے والے دریاؤں اور ندی نالوں کا رخ بھارت کی طرف موڑتا چلا جا رہا ہے اور ہم ڈیموں پر صرف سیاست کر رہے ہیں۔ بھارت اپنی سازش میں کامیاب ہے اور پاکستان کو بنجر کرنے کے پروگرام پر کاربند ہے۔ زراعت کی بات تو الگ رہی اب تو ہمارے بڑے بڑے شہروں

ہے پینے کے پانی کی بھی کمی ہو رہی ہے۔ ملک کے وارالحکومت کو ہی لیں۔ جہاں پینے کے پانی
میں 40 فیصد کی کمی ہو رہی ہے اور پانی کی زیر زمین بندی کی بھی خبریں ہیں۔ چونکہ یہی حال ملک کے
بھی ہے۔ جہاں صرف 3 گھنٹے پینے کا پانی مہیا ہوتا ہے اور لوگ اس کو بھی بجلی کی معذوری سے گھنٹے پہلے
ہیں۔ اور یہ قصہ پوری ہے کہ بھارت ڈیمز بنا رہا اور ہر خواب فروش کے مزے لوٹتے رہے۔
ہے اپنے حصے میں آنے والا وسط جہلم 95 بڑے ڈیمز بنا رہا ہے جن کی اونچائی 200 فٹ
ہے۔ اور اس وسط تک 51 ڈیمز مایوان 48، بیچوان 40 اور بھارت مزید 10 بڑے ڈیمز بنا
رہا ہے۔ اس کے برعکس پاکستان کے موجودہ دو بڑے ڈیمز منگلا اور تربیلا ڈیمز اپنی عمر پوری کر چکے
ہیں یہ کرنے والے ہیں اور ان کی پانی ذخیرہ کرنے کی استعداد کم ہو چکی ہے اور یہ تقریباً مردہ ڈیمز
تک پہنچ چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے 4 کروڑ ایکڑ زمین کے بنجر ہونے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔
خوفناک پہلو یہ ہے کہ پاکستان میں فی کس پانی کی استعداد جو 1951ء میں 5200 کیوبک میٹر
تھی۔ اس وقت 1100 کیوبک میٹر تک پہنچ چکی ہے اور 2025ء تک 550 کیوبک میٹر فی کس
پہنچنے کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ پھر جس رفتار سے ہماری آبادی بڑھ رہی ہے۔ اس کے حساب سے
ہماری فی کس پانی کی استعداد 1951ء سے ڈبل ہونی چاہیے تھی لیکن سب کچھ اس کے برعکس ہو رہا
ہے۔ آپ کو یہ جان کر بھی دکھ ہوگا کہ ہماری 55 فیصد آبادی کو پینے کا پانی مہیا نہیں۔ بین الاقوامی
قوانین کے مطابق بھارت پاکستان کو ایک اور تھپڑ دینے والا ہے۔ بھارت نے پنجاب کو بنجر کرنے
کے لئے دریائے چناب پر "پاکل دل" (PAKAL DUL) ڈیم بنانے کی منصوبہ بندی کر لی
ہے۔ جو سارے میں بھیلم سے تین گنا بڑا ہوگا۔ اس ڈیم کی وجہ سے چناب کا 30 لاکھ ایکڑ فٹ پانی
ذخیرہ ہو جائے گا۔ اس منصوبے کا محل وقوع جموں کشمیر کشتوار نیشنل پارک ہے۔ اس سے پہلے
بھارت پنجاب کے 2/3 حصے کو بنجر بنا چکا ہے۔ پہلے ہی پاکستان میں پانی کی کمی 40-30 فیصد تک کم
ہو چکی ہے اور پاکل دل ڈیم سے 50 فیصد تک جا سکتی ہے۔ پاکل دل کے مقام پر بھارت نے زیر

ہے تقریباً 35 کلومیٹر لمبی سرنگ تعمیر کر لی ہے جو دریائے چناب کے پانی کو راوی میں منتقل کرے گی۔
پاکستان واٹر فرنٹ نے بھارت کی طرف سے پانی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے سے
عالمی قوانین کی خلاف ورزی اور پاکستان کے خلاف جارحیت قرار دیا ہے۔ اس کا
بنیادی مقصد پاکستان کے اندر اس پینتیس مسلسل فیصلہ کن جنگ میں بھارت کی آبی برتری سے
فائدہ اٹھانا ہے۔ اس میں امریکہ اور دوسرے اہم ممالک کو آگاہ کرنے سے تمام اداروں اور قوتوں کو معلوم
ہو سکے گا کہ ایک صدی سے عملی تعاون دینا ہے جو ایوان صنعت و تجارت میں قائم ہونے والے
پاکستان واٹر فرنٹ نے پہلے فیڈریشن چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور زرعی تنظیموں جن میں پاکستان
کسان فورم، متحدہ کسان محاذ، فارمرز ایسوسی ایشن آف پاکستان اور کسان بورڈ شامل ہیں۔
کے نمائندوں کو پہلے ہی آن بورڈ کر لیا ہے۔ پاکستان واٹر فرنٹ کے کنوینر شفاعت علی خان نے اس
سلسلہ میں ہونے والے اجلاس کے دوران بتایا کہ بھارت 120 ارب ڈالر کی لاگت سے بڑے
آبی ذخیرے تعمیر کر رہا ہے۔ یہ منصوبے 2016ء میں مکمل ہوں گے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ
بھارت ہمسایوں ملکوں چین، بنگلہ دیش اور بھوٹان کے ساتھ پہلے ہی پانی کے تنازعات موجود ہیں
اور اب پاکستان کے خلاف اس نے آبی جارحیت شروع کر رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت کا
یہ معاندانہ رویہ 1948ء سے چل رہا ہے۔ پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کے لئے بھارت
منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں عالمی بینک کے ایک ماہر ڈیوڈ لیلی انتھل نے اپنی ایک رپورٹ
میں 1948ء میں خبردار کیا تھا کہ وہ تمام دریا جن پر پاکستان کا انحصار ہے۔ پاکستان کے لئے
زندگی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ تمام دریا بھارت اور کشمیر سے نکلتے ہیں اور پانی کے بغیر ایک ہفتہ کے
دوران پاکستان کی دو کروڑ ایکڑ اراضی خشک ہو جائے گی اور کئی کروڑ افراد قحط سالی کا شکار ہو جائیں
گے۔ ان کا کہنا تھا کہ دنیا کی کوئی فوج بموں اور شیل فائر کے ذریعہ اس طرح دوسری قوم کو تباہ نہیں
کر سکتی۔ جس طرح بھارت پاکستان کے لئے دریاؤں کے پانی کو روک کر اسے تباہ کر سکتا ہے۔

بحیثیت پاکستانی ہمیں اپنے اندر بھی جھانکنا ہوگا کہ آج تک پاکستان میں پانی کے ذخیرہ کرنے
کے لیے ہم کیا کوششیں کرتے رہے ہیں۔ ہمیں بھی اس بارے میں سوچنا ہوگا کہ کون سی قوتیں
پاکستان کی ترقی سے وابستہ ہے۔ ان کی کوششوں سے اگر پاکستان کے دشمنوں کو فائدہ ہوتا ہو تو وہ کس سے
لئے کام کر رہے ہیں؟ اس سے بھارت میں وہ تعمیر کرنے والی قوتوں کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔
پاکستان کے اندر قومی آبی ذخیرہ کے لئے اتفاق رائے ہو نہیں رہا اور وہ اپنے حریف ملک سے
پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ صورتحال تمام سیاسی اور غیر سیاسی قوتوں کو ملک کی تباہ کن درپیش خطرات سے
نمٹنے کے لئے متحد ہونے کا سبق دے رہی ہے۔ کیا ہم اس سے بحیثیت قوم سبق حاصل کریں گے؟

انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کی طرف سے پنجاب کے لئے چشمہ جہلم لنک کینال کھولنے
کے فیصلے اور پنجاب کی طرف سے حصہ سے زیادہ پانی کے استعمال پر بلوچستان اور سندھ سے تحفظات کا
اظہار کیے جانے کا ذکر کیا ہے کہ پنجاب کو ہمارے خیر پانی کے جذب کے تحت حصہ سے زیادہ پانی استعمال
کرنے دیا لیکن اب سندھ کے حق میں پانی نہیں دے رہا۔ ارسا کے فیصلے کے مطابق چشمہ
جہلم لنک کینال کھولنے کے بعد اب پنجاب دریائے سندھ سے روزانہ 6 ہزار کیوسک پانی حاصل
کرے گا۔ اسی دوران پنجاب کے وزیراعلیٰ شہباز شریف کا بیان بھی سامنے آیا۔ جس میں انہوں نے
پانی پر پنجاب کے حق سے کسی بھی طور پر دستبردار نہ ہونے کا اعلان کیا۔ مبصرین کے مطابق ان کا یہ
بیان سندھ اسمبلی میں جس اراکین کی جانب سے پنجاب پر پانی کی چوری کے الزام کے ردعمل میں
سامنے آیا۔ سندھی اراکین کے اس الزام پر پنجاب اسمبلی میں شدید ناراضگی کا اظہار ہوا تھا۔ دوسری
جانب وفاقی وزیر پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف نے وزیراعلیٰ سندھ سید قائم علی شاہ سے ملاقات کر کے
انہیں یقین دہانی کرائی ہے کہ سندھ کو اس کے حصے کا پانی فراہم کیا جائے گا۔ اس ملاقات سے قبل وزیر
[illegible] وزیراعلیٰ ہاؤس میں گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا چشمہ کینال سے پنجاب کو پانی کی فراہمی
[illegible] 1991ء کے معاہدے کے برخلاف ہے۔ جس میں چشمہ کینال کا

[illegible] پانی کی
[illegible] کرتے ہوئے اس فیصلے سے صوبہ [illegible]
[illegible] صوبوں سے درمیان پانی پر پیدا [illegible]
[illegible] سے پاکستانی حکومت اس پانی [illegible]
[illegible] پانی کے بٹوارے پر آپس میں [illegible]
[illegible] بھارت کی آبی جارحیت [illegible]
[illegible] کے ذریعے [illegible]
[illegible] کی تقسیم سے متعلق [illegible]
[illegible] کی طرح مشترکہ مذاکرات سے [illegible]
[illegible] کی گئی۔ ساتھ ساتھ صوبوں و مرکز میں [illegible]
[illegible] فیصلہ کر لینا چاہیے۔ ورلڈ بینک کے ماہر پانی انجینئر ڈیوڈ [illegible]
ہونے والی آبی جارحیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ بھارت کی طرف سے منصوبہ
مکمل ہونے پر صرف ایک ہفتہ پاکستان کا پانی روکنے سے پاکستان کی 2 کروڑ ایکڑ [illegible]
جائے گی۔ آج ہمارے صوبے ایک دوسرے سے اس مسئلے پر لڑ جھگڑ رہے ہیں [illegible] بھارتی سازش
کامیاب ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ پانی کسی بھی قوم کی زندگی موت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دنیا کی بڑی
بڑی تہذیبیں پانی کی کمی سے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ بھارتی حکمرانوں نے نہ صرف ہمارا
پانی روک کر پاکستانی زراعت کے کلیجے میں زہریلا خنجر گھونپا ہے بلکہ اس مسئلے پر صوبوں کو بھی آپس
میں لڑانے جا رہے ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ پاکستان تمام مصلحتیں ایک طرف رکھ کر ساری قوم اس
مسئلے کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے بھارت سے اپنا حق حاصل کرے بصورت دیگر پاکستان معاہدہ
سندھ طاس سے علیحدگی کا اعلان کرے ورنہ ایتھوپیا بننے کے لئے تیار رہے۔

(.2010ج..)

بحیثیت پاکستانی ہمیں اپنے اندر بھی جھانکنا چاہیے کہ جو قومیں پاکستان میں پانی کے ذخیرہ کاہوں کے قیام کو روکنے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ انہیں بھی اس بارے میں سوچنا چاہیے کہ ان کی یہ پاکستان کی تباہی کے لئے کوششوں سے اگر پاکستان کے دشمنوں کو فائدہ ہوتا ہے تو وہ کس سے لئے کام کر رہے ہیں؟ اس سے بھارت میں ڈیم تعمیر کرنے والی قوتوں کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ پاکستان کے اندر قومی آبی ذخیرہ گاہوں کے لئے اتفاق رائے ہو نہیں رہا اور وہ اپنے حریف ملک سے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ صورتحال تمام سیاسی اور غیر سیاسی قوتوں کو ملک کی بقا کو درپیش خطرات سے نمٹنے کے لئے متحد ہونے کا سبق دے رہی ہے۔ کیا ہم اس سے بحیثیت قوم سبق حاصل کریں گے؟

انڈس ریور سسٹم اتھارٹی (ارسا) کی طرف سے پنجاب کے لئے چشمہ جہلم لنک کینال کھولنے کے فیصلے اور پنجاب کی طرف سے حصے سے زیادہ پانی کے استعمال پر بلوچستان اور سندھ کے تحفظات کا ظہور کیا ہے اور کہا ہے کہ پنجاب کو ہم نے خود پانی کے جذب کے تحت حصے سے زیادہ پانی استعمال کرنے دیا لیکن اب وہ حصے کے مطابق ہمیں پانی نہیں دے رہا۔ ارسا کے فیصلے کے مطابق چشمہ جہلم لنک کینال کھولنے کے بعد اب پنجاب دریائے سندھ سے روزانہ 6 ہزار کیوسک پانی حاصل کرے گا۔ اسی دوران پنجاب کے وزیر اعلیٰ شہباز شریف کا بیان بھی سامنے آیا۔ جس میں انہوں نے پانی پر صوبوں کے حق سے کسی بھی طور پر دستبردار نہ ہونے کا اعلان کیا۔ مبصرین کے مطابق ان کا یہ بیان سندھ اسمبلی میں بعض ارکان کی جانب سے پنجاب پر پانی کی چوری کے الزام کے ردعمل میں سامنے آیا۔ سندھی ارکان کے اس الزام پر پنجاب اسمبلی میں شدید ناراضگی کا اظہار ہوا تھا۔ دوسری جانب سندھ کی وزیر اعلیٰ نے وزیر اعظم سید یوسف رضا گیلانی سے ملاقات کر کے ان سے سندھ کا پانی فراہم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس ملاقات سے قبل وزیر اعلیٰ سندھ نے [illegible] چشمہ جہلم لنک کینال سے پنجاب کو پانی کی فراہمی [illegible] 1991ء کے معاہدے کے برخلاف ہے۔ جس میں چشمہ جہلم لنک کینال

کی تعمیر کے بعد پنجاب کو پانی کی فراہمی کا تعین کیا گیا ہے۔ سندھ کا مؤقف ہے کہ [illegible]

پاکستان برائے فروخت نہیں!

یوں تو ہماری حکومتی پالیسیوں کی وجہ سے ہر نیا دن اس مملکت خداداد کے بے بس اور بے کس عوام پر نئی بجلی گرانے کا دن ثابت ہوتا ہے کبھی پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں کا عذاب نازل ہوتا ہے کبھی بجلی، گیس کے ریٹس بڑھے پر چھری چلاتے ہیں اور کبھی پاکستان کی بے گناہ دینی حافیہ صدیقی کے ساتھ امریکی انصاف کا ہونا ہوتا ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حکومت نے پاکستانی وسائل کی بھی دوست سیل لگا رکھی ہے اور خود کو روشن خیال ثابت کرنے کے لئے ایسے جارحانہ اقدامات کئے جاتے ہیں کہ یقین نہیں کرنا چاہتا۔ ان میں افغان ٹرانزٹ ٹریڈ بھی شامل ہے۔ جس سے پاکستانی معیشت کو سالانہ 2 ارب ڈالر کا ٹیکہ لگ رہا ہے۔

افغانستان پر روسی یلغار، لاکھوں مہاجرین کی میزبانی، طالبان حکومت کے خاتمے کے لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی فوج کشی اور بعد میں دہشت گردی کے خلاف جنگ نے صوبہ سرحد کی معیشت اور انفراسٹرکچر کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ پورے صوبے اور اس سے ملحقہ قبائلی علاقہ جات میں آئے دن خودکش حملوں اور مڈبھیڑوں میں جاں بحق اور زخمی ہونے والوں کی تعداد [illegible] آتش و آہن کی بارش رکنے کا نام نہیں لیتی جنازے اب

[illegible] سے پیچھے رہا۔ افغانستان سے واقعات اور افغان مہاجرین سے قبائلی علاقہ جات سے سرحد پار کر گئے ہیں۔ بڑی تعداد میں مہاجرین سرحد کی دوسری طرف بھی بکثرت سے آباد ہیں۔ یہاں کی معیشت میں کرتے ہیں جبکہ ٹرانزٹ اور دوسرے انڈسٹری معیشت کو بھی کاروبار پر بھی قابض ہیں۔ سرحد سے ساتھ پاکستان کی مجموعی معیشت وایسے بڑا نقصان افغانستان سے ساتھ [illegible] سے ہونے سے اٹھانا پڑ رہا ہے۔ ٹرانزٹ ٹریڈ ایک عالمی اصطلاح ہے۔

اس میں وہ ملک جس کے پاس اپنی بندرگاہ نہ ہو اپنے قریبی ہمسایہ ملک کی پورٹ پر سے تجارت درآمد کرتا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ سے تحت درآمد ہونے والی اشیاء پر کوئی ڈیوٹی نہیں لگتی جبکہ حکومت پاکستان اپنی ضروریات کے لئے درآمد ہونے والی اشیاء پر 35 سے 40 فیصد ٹیکس وصول کرتی ہے۔ ہماری بزنس کمیونٹی کسٹم اور دوسرے ذمہ دار اداروں کے ساتھ مل کر افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کی آڑ میں آنے والے مال تجارت کو بغیر کوئی ڈیوٹی ادا کئے مقامی مارکیٹ میں رکھ دیتی ہے جس سے حکومت کو محصولات کی مد میں ہر سال 2 سے ڈھائی ارب ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

فیڈرل بورڈ آف ریونیو کے چیئرمین نوید احمد نے گزشتہ روز فنانس سے متعلق قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کو بتایا کہ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کی آڑ میں 4 سے 5 ارب ڈالر کی اشیاء سمگل ہو رہی ہیں۔ جس سے ہماری معیشت بھاری نقصان سے دوچار ہے۔ قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کے اجلاس کی کارروائی اور نجی ٹی وی کی ایک خصوصی رپورٹ کے نتیجے میں جو حقائق سامنے آئے ہیں۔ ان کے مطابق 3 کروڑ کی آبادی والے ملک افغانستان کے لئے جو جنگ سے تباہ حال ہے اور وہاں غربت کی شرح بھی زیادہ ہے۔ ستر کروڑ آبادی والے ملک پاکستان سے زیادہ الیکٹرانکس کی مصنوعات، خوردنی تیل اور دیگر اشیاء درآمد ہو رہی ہیں۔ کسٹم حکام کے مطابق افغانستان کے لئے الیکٹرانک مصنوعات اور خوردنی تیل کے ساتھ زیادہ منگوائی جانے والی اشیاء میں چائے، ٹائر، کپڑا اور دیگر

اردو فونٹ
کیلئے

[illegible] پاکستان جانے کی [illegible] پاکستان میں [illegible] ہیں اس
[illegible] اس حصار کا [illegible] ہے۔ اس حصار کا اعتراف الیف بی آر [illegible]
[illegible] کی [illegible] سے ہیں۔ [illegible] پیدا ہوتا ہے کہ کئی [illegible] سے جاری
[illegible] کی [illegible] اس حصار کو [illegible] کے لئے [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کیوں نہیں اپنائی جا سکی۔ [illegible] سے [illegible]
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] کیوں نہیں [illegible] ہے
[illegible] کی [illegible] کی [illegible] کی [illegible] کیوں نہیں [illegible]۔ ملکی معیشت [illegible]
[illegible] کے [illegible] کا سامنا ہے۔ ہمارے ملک [illegible] پر [illegible] ہیں۔
[illegible] کی [illegible] کی [illegible] کی [illegible] کو بری طرح متاثر کر رہی ہے۔

[illegible] پاکستان کے [illegible] وزیر خزانہ مخدوم [illegible] سے [illegible] کہ پاکستان
[illegible] سے [illegible] کی [illegible] کو [illegible] سے [illegible] کیوں [illegible] ہے؟
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] پر [illegible] کے [illegible] سے [illegible] ہے اور [illegible] سال
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] سے [illegible] کیوں [illegible] ہے۔ انہوں
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] پر [illegible] کے [illegible] میں [illegible] کو [illegible] ہے۔ انہوں
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] کا [illegible] بھارت پر اس
[illegible] کے [illegible] کے [illegible] کے [

ان رہنماؤں نے اس بات پر خاص طور سے اعتراض کیا تھا کہ اس معاہدے سے تحت پاکستان نے امریکہ کو اپنی سرزمین پر فوجی اڈے دے دیئے ہیں جو سوویت یونین اور چین کے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس صورت میں ان ممالک کے پاکستان کے ساتھ تعلقات متاثر ہو سکتے ہیں۔ ان رہنماؤں میں مغربی پاکستان میں میاں افتخار الدین، خان عبدالغفار خان، عبدالصمد خان اچکزئی بحیثیت صدر نیشنل عوامی پارٹی مشرقی پاکستان سے مولانا عبدالحمید بھاشانی اور ان سے متعدد دوسرے شامل تھے۔ اگر اس زمانے کے پاکستان ٹائمز، امروز اور ہفت روزہ جریدہ لیل و نہار کے شمارے دیکھے جائیں تو ان کی خبروں کی سرخیاں، ان کے اداریے اور ان کے مضامین ان فوجی معاہدوں پر تنقید سے بھرے پڑے ہوں گے۔ لیکن اردو اور انگریزی کے ایسے بھی کثیر الاشاعت روزنامے تھے جو ان معاہدوں کے حق میں رطب اللسان تھے اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ جدید امریکی فوجی ساز و سامان کے ذریعے وہ کشمیر کو بھارت سے آزاد کرا لیں گے لیکن جب ستمبر 1965ء میں ہند پاک جنگ ہوئی جو کشمیر سے شروع ہوئی تھی تو امریکہ اور جنوب مشرقی ایشیائی معاہدہ SEATO نے پاکستان کی اس بات پر مذمت کی کہ وہ امریکی سامان حرب بھارت کے خلاف استعمال کر رہا ہے جبکہ یہ اسلحہ اسے پاکستان پر سوویت یونین اور عوامی جمہوریہ چین کے حملے سے دفاع کے لیے دیئے گئے تھے۔

اس جنگ میں طفل کی بات یہ تھی کہ جب امریکہ نے اس بنا پر پاکستان کی امداد بند کر دی تو جنگ میں تباہ شدہ ٹینکوں، توپوں اور جہازوں کی مرمت کے لیے کل پرزے دستیاب نہ ہو سکے اور پاکستان مجبوراً جنگ بند کر کے بھارت سے 10 جنوری 1966ء کو تاشقند معاہدہ کرنا پڑا۔ جس سے واضح پاکستان اپنے جنگی مقصد یعنی کشمیر کو آزاد کرانے میں ناکام رہا۔

امریکہ نے 1960ء میں حکومت پاکستان کے علم میں لائے بغیر بڈبیر کے فضائی اڈے سے [illegible] U2 کی پروازیں بھیجنی شروع کر دیں۔ جن میں سے ایک

.. FRANCIS GARRY POWERS [illegible] گرایا گیا اور اس کا پائلٹ

[illegible] جس نے انکشاف کیا کہ یہ طیارہ [illegible] سے [illegible] فضائی حدود میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت [illegible] سے پرواز کر رہا تھا۔ اس وقت [illegible] سے سیٹو کی جنرل کونسل خروشیف سے [illegible] پاکستان اور افغانستان [illegible] کر کے افغانستان سے [illegible] پشاور کیوں [illegible]؟ اس وقت [illegible] نے جدید طور پر نقشے کی نشاندہی کرتے [illegible] افغانستان میں [illegible] افغانستان نے شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان کے [illegible] پر دعویٰ کیا تھا۔ یہ اس لئے [illegible] جو وہ آزاد کیے جائیں یا افغانستان سے [illegible] میں۔ اس زمانے میں سوویت [illegible] پاکستان اور امریکہ کے فوجی معاہدے کی وجہ سے آزاد پختونستان کی حمایت کرتا تھا۔ خروشیف نے پاکستان کے [illegible] کو دھمکی دی کہ اگر آئندہ اس کی سرزمین سے امریکی جاسوس طیارہ سوویت روس کی فضائی حدود میں داخل ہوا تو پشاور کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

اس وقت پاکستان کے آمر کی آنکھیں کھلیں کہ اپنی سرزمین پر کسی ملک والے کو فوجی [illegible] بڑی غلطی ہے اور انہوں نے حتی المقدور اس کی تلافی کی کوشش بھی کی اور اپنی کتاب "دوست نہ [illegible]" میں آزاد خارجہ پالیسی اپنانے کا عزم کیا۔ ایوب خان نے مارچ اپریل 1968ء میں بڈبیر کا فوجی اڈہ امریکیوں سے خالی کرا لیا۔ جبکہ ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو توازن کرتے ہوئے روس سے بہتر تعلقات پیدا کیے اور مشرقی یورپ کی کمیونسٹ ریاستوں اور ویتنام کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے۔ موجودہ حکومت جو دن رات "جیے بھٹو" کے نعرے حق پھاڑ پھاڑ کر لگاتی ہے۔ جس طرح امریکہ کی جھولی میں گری ہے۔ کیا اس سے بھٹو شہید کی روح کو خوشی ہوتی ہوگی؟ خدارا پاکستان کی سالمیت سے مذاق بند کریں۔ قبل اس کے کہ مکافات عمل [illegible] پڑے اور آپ کے پاس فرار کا کوئی راستہ بھی باقی نہ رہ جائے؟

(مارچ 2010ء)

بجلی کی قیمتوں میں اضافہ

نئے مالی سال کا آغاز گیس اور بجلی کی قیمتوں میں اضافے سے ہوا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ملک پہلے ہی ہوش ربا مہنگائی اور بجلی کے مسلسل بحران کی گرفت میں ہے۔ گیس اور بجلی کی قیمتوں میں بالترتیب 18 اور 12 فیصد ہونے والا اضافہ ملک میں مہنگائی کے ایک اور سیلاب کا سبب بن جائے گا۔

تاجر، صنعتکار اور کاشتکار بجلی کی قیمتوں پر بالعموم اور عوام الناس بالخصوص احتجاج کر رہے ہیں۔ یہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت ہے جو بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے عوام کی زندگی مزید اجیرن بنانے پر تلی ہوئی ہے۔

شعبہ پیداوار انڈیکس (ایس پی آئی) جو افراط زر کی نشاندہی کرتا ہے۔ اگلے دو ماہ کے دوران چھ فیصد سے اوپر جائے گا۔ ملک میں افراط زر 22 ماہ کے بعد کم ہو کر اکتوبر 2009ء میں 8.7 فیصد تھا جب کہ فروری 2008ء میں یہ اپنی بلند ترین سطح یعنی 25 فیصد پر تھا۔

[illegible] بلند ترین قیمتوں سے باعث ملک کی مائیکرو اور میکرو معیشت پہلے ہی عدم [illegible] سے دوچار ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے بجلی اور گیس کی قیمتوں میں آئی ایم ایف [illegible] کے تقاضے سے تحفظ دیا ہے۔ دباؤ کے تحت

[illegible] بجلی کی پیداواری لاگت گھریلو، تجارتی اور صنعتی مقاصد کے لیے اس کی قیمت فروخت کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ جس کے باعث نادہندگی کا شعبہ بجلی کی تیزرفتار پیداوار اور اس قیمت فروخت کے درمیان فرق کم کرنے پر مجبور ہے۔ تاہم ان اقدامات سے مناسب منصوبہ بندی، مہارت اور بدعنوانی کے خاتمے کے بغیر خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوں گے۔

سابق پاکستان الیکٹرک پاور کمپنی (پیپکو) کے سربراہ وزیر حسین نے کہا ہے کہ بجلی اور گیس کی قیمتوں میں اضافے سے قیمتوں کا فرق کم کرنے میں مدد نہیں ملے گی۔ یہ صرف سرکاری ادارے اور تجارتی صارفین طویل عرصے سے اپنے بجلی کے واجبات ادا نہیں کر رہے۔

بجلی پیدا کرنے والے اداروں کو نقصان کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ جس کے باعث وہ بروقت اپنا کام انجام دینے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے بجلی کے واجب الادا بلوں کی سرکاری نجی اداروں کی جانب سے ادائیگی کے لیے سخت اقدامات کا مشورہ دیا اور کہا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کا خمیازہ وہ غریب عوام بجلی اور گیس کی قیمتوں میں اضافے کی صورت میں بھگتتے رہیں گے۔ جن کے بجلی کے بل صرف ایک سال میں دگنے ہو گئے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ بجلی کی چوری میں ہر سطح پر اضافہ ہو جائے گا کیونکہ صارفین کی اکثریت موجودہ مہنگائی کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ بجلی کے گھریلو صارفین کو بجلی کی اضافی قیمتوں کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دیا جانا چاہیے۔ جب کہ سرکاری اور تجارتی صارفین سے بجلی کے درجات کی وصولی بنگامی بنیادوں پر کی جائے۔

ملک کو توانائی کے سنگین بحران کا سامنا ہے۔ شہری اور دیہی علاقوں میں 4 تا 6 اور 8 تا 10 گھنٹوں کی لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے۔ دوسری جانب سی این جی سیکٹر میں گیس لوڈ مینجمنٹ کے تحت بالخصوص ملک کے شمالی علاقوں میں سی این جی اسٹیشن بند کر دیئے گئے ہیں۔ بین الاقوامی مارکیٹ میں کروڈ آئل کی قیمت 80 ڈالر کے قریب منڈلا رہی ہے۔ جس کا براہ راست اثر پیٹرولیم کی مصنوعات کی مقامی قیمتوں پر پڑ رہا ہے۔ جو عوام کی اکثریت کی پہنچ سے باہر ہیں۔ یہ سراسر [illegible]

توانائی کے ذرائع بجلی اور گیس کی ناکافی سپلائی کے نتیجے میں دگنا ہو گیا ہے۔ جو پیداواری لاگت میں مزید اضافے کا سبب بنے گا۔

ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن اور سابق گورنر اسٹیٹ بینک عشرت حسین کا خیال ہے کہ اہم میکرو اکنامک انڈیکیٹرز تسلی بخش حالت میں ہیں لیکن رواں مالی سال کے باقی چھ مہینوں میں ان کے استحکام اور شرح نمو کو برقرار رکھنے کے لیے ملک میں توانائی کی سخت ضرورت ہے۔ بین الاقوامی منڈیاں پاکستانی مصنوعات کی منتظر ہیں۔ اب یہ پالیسی سازوں، بیوروکریٹس اور تاجروں پر منحصر ہے کہ وہ ایسی حکمت عملیاں اور میکانزم وضع کریں جو ملکی معیشت کا سبب بنے۔

اگر حکومت 31 دسمبر 2009ء تک لوڈ شیڈنگ میں خاتمے میں ناکامی کے بعد اپنے الفاظ پاس کرتے ہوئے 5 ہزار میگاواٹ بجلی کی کمی دور کر سکے تو یہ ایک معجزہ ہی ہوگا۔ اس کی جانب سے رینٹل پاور پروجیکٹوں کے حصول کی کوششوں پر سرکاری اور نجی سیکٹروں کی جانب سے نکتہ چینی کا سلسلہ جاری ہے۔ امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورتحال اور سیاسی عدم استحکام اب بھی غیر ملکی اور مقامی سرمایہ کاروں کے لیے باعث تشویش ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافہ اور کرائے کے بجلی پلانٹس کا حوالہ بجلی کی کمی سے نمٹنے کا محض ایک عبوری اور مہنگا طریقہ ہے اور توانائی کے جاری بحران کے حل کی اس وقت تک کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ جب تک کہ بجلی ملکی وسائل مثلاً کوئلے سے پیدا نہ کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کو ان تمام مسائل سے نمٹنے کے لیے بجلی کی تیاری کے یک جامع منصوبے کی اشد ضرورت ہے۔

(اپریل 2010ء)

سرکاری اللّے تللّے

حکومت کی طرف سے ایک طرف ملکی معیشت واقتصادیات کو ترقی واستحکام دینے کے دعوے کیے جا رہے ہیں اور زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافے کی خوشخبریاں" کے ساتھ ساتھ پچھلے ہی دنوں سرکاری سطح پر ایک مرتبہ پھر کہا گیا بلکہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ آئندہ تین برسوں میں ہر شہری کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کیا جائے گا۔ ساتھ ہی پچھلے ہی دنوں پیپلز پارٹی کی ترجمان محترمہ فوزیہ وہاب نے بھی قوم کو یقین دہانی کروائی ہے کہ پیپلز پارٹی قوم کو دس لاکھ گھر فراہم کرنے کے لیے قطعاً سنجیدہ ہے۔ محترمہ فوزیہ وہاب کے اس بیان پر انشاء اللہ تفصیلی جائزہ الگ سے پیش کیا جائے گا اور مجموعی طور پر اس وقت صرف پیپلز پارٹی کے 43 سال پرانے دعوے عوام کو روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنے کے ایک مرتبہ پھر اعادے کے ساتھ چوتھی مرتبہ فروری 2008ء سے اقتدار سنبھالنے والی حکومت کی گزشتہ دو سال کی کارکردگی کیسی رہی۔ اس نے اپنے صرف ان تین وعدوں کی تکمیل میں کہاں تک کامیابی حاصل کی اور برسرِ زمین حقائق کیا رہے؟ اور ان سے اب تک قوم کو کیا کچھ مل سکا ہے اور اس دو سالہ کارکردگی کی روشنی میں مستقبل قریب کی یعنی آئندہ تین برسوں کی صورت حال کیا ہو سکتی ہے اور اس بابت کیا توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں اور بحیثیت مجموعی قوم کی حالت سدھرنے کے

کتنے امکانات ہو سکتے ہیں۔ اس کا بہتر جواب 10 فروری 2010ء اور 9 فروری 2010ء کو آنے والی تین میڈیم ٹرم رپورٹوں کی روشنی میں بآسانی لیا جا سکتا ہے۔ جس کے لیے پہلے ہمیں معاصرین کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

ان تینوں رپورٹوں کو پیپلز پارٹی کی اس چوتھی حکومت کی دوسری سالگرہ کا تحفہ بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور سب سے اہم اور دلچسپ بات یہ ہے کہ تینوں رپورٹیں بیشتر اور بنیادی طور پر سرکاری ذرائع ہی سے حاصل شدہ معلومات کا احاطہ کرتی ہیں۔ اور ان میں رپورٹر حضرات کی ذاتی محنت اور تحقیق بھی شامل ہے جو یقیناً قابل تحسین بھی ہے۔ اس اعتبار سے یہ بالکل سنجیدہ و معروضی، کامل احتیاط پر مبنی اور قطعاً غیر جانبدارانہ اور متوازن رپورٹیں ہیں اور سرکاری ذرائع سے بھی حاصل ہونے کی بنیاد پر کوئی بھی فریق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض پیپلز پارٹی کی مخالفت میں اور مخالفین کا اپنی اپنی دشمن پر مبنی پروپیگنڈا ہے۔ مزید برآں پیپلز پارٹی اپنی موجودہ ٹرم کے دو سال مکمل کر چکی ہے۔ اس کے پاس اگلے تین سال ضرور ہیں لیکن دراصل اس حکومت کا ابھی پانچواں سال تو انتخابی مہم کا سال ہو گا۔ اس اعتبار سے پیپلز پارٹی کے پاس صرف دو سال باقی ہیں اور پانچویں سال میں اس کو اپنی اس چوتھے سال کی کارکردگی کے حوالے سے انتخابی مہم چلانا ہو گی۔ اور وہ قوم کو ان چار برسوں میں جو کچھ دے سکی ہو گی۔ اس کی روشنی میں قوم بھی یہ فیصلہ کر سکے گی کہ اسے اب اگلی ٹرم کے لیے بھی پیپلز پارٹی ہی کو منتخب کرنا چاہیے یا نہیں۔ اس اعتبار سے یہ رپورٹیں قوم اور پیپلز پارٹی دونوں کے لیے پچھلے دو سال کی کارکردگی کی "بیلنس شیٹ" بھی ہیں اور پیپلز پارٹی کی جانب سے قوم کو دی جانے والی [illegible] کی تکمیل کا آئینہ بھی۔ اور مزید سہولت کے لیے یوں بھی سمجھ لیا [illegible] میں بھی پیپلز پارٹی کی کارکردگی یہی رہے گی تو ان زیر نظر رپورٹوں میں [illegible] آئندہ دو برس بعد رونما ہونے والی [illegible] کی روشنی میں قوم سے دو سال بعد کے حالات کا کچھ نہ کچھ

اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی خود ہی فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس کے لیے دو سال [illegible] اپنی چار سالہ کارکردگی کا بیانیہ پیش کرنا مناسب ہے اور آئندہ انتخابات سے متعلق [illegible] ہیں۔ اس بابت کوئی بھی مناسب فیصلہ کرنا، اپنا احتساب اور صورت حال واضح کرنے کے لیے ضروری فیصلے اور اقدامات پیپلز پارٹی ہی کا کام ہے۔

قوم کے سامنے یہ بیلنس شیٹ پیش کرنے کا یہی مقصد ہے تو آیئے ان رپورٹوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلی رپورٹ یوں ہے تاریخوں کی ترتیب سے تازہ رپورٹ اور اس سے پہلے آنے والی رپورٹوں کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ ان تین رپورٹ اپنی جگہ جس اہمیت کی حامل ہے۔ وہ ان رپورٹوں کے مطالعے سے ازخود واضح ہو جاتا ہے۔

بدھ 10 فروری 2010ء کو آنے والی ایک میڈیم رپورٹ کے مطابق وفاقی ادارہ شماریات کے حوالے سے جاری کی گئی ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات نے انکشاف کیا ہے کہ افراط زر کی شرح ایک بار 18 فیصد سے تجاوز کر گئی ہے۔ پٹرولیم مصنوعات، بجلی کی قیمتوں میں اضافے کے بعد ضروری اشیاء کی قیمتوں میں ایک بار تیزی سے اضافہ ہو گیا ہے۔ ادارہ شماریات کے مطابق 4 فروری کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران گزشتہ مالی سال کے اسی ہفتے کی نسبت حساس اشاریوں میں افراط زر کی شرح 18.18 فیصد کی سطح پر ریکارڈ کی گئی۔ 3 ہزار آمدنی والے طبقے کے لیے افراط زر کی شرح 18.79 فیصد، 5 ہزار روپے ماہانہ آمدنی والے طبقے کے لیے 18.67 فیصد، 12 ہزار روپے تک کی آمدنی والے طبقے کے لیے 18.20 فیصد جبکہ 12 ہزار روپے سے زائد آمدنی والے طبقے کے لیے 18 فیصد ریکارڈ کی گئی۔ ایک ہفتے میں 20 اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ، 11 کی قیمتوں میں کمی ہوئی جبکہ 22 کی قیمتیں مستحکم رہیں۔ پٹرولیم مصنوعات، گڑ، چکن، دال مونگ، گوشت، چاول باسمتی، ٹوٹا، دال چنا، تیل سرسوں، دال مسور، گندم اور انڈے سستے ہونے کی تازہ اور تازہ دودھ شامل ہیں، کی قیمتیں بڑھیں۔ افراط زر دسمبر 2009ء کے دوران 14 فیصد

کی سطح پر تقریباً جو اب بڑھ کر 18 فیصد سے تجاوز کر چکا ہے۔ اس اضافے سے غریب اور متوسط طبقے کی مشکلات مزید بڑھ گئی ہیں کیونکہ ان کی آمدنی نہ بڑھنے کی وجہ سے ان کی قوت خرید کم ہو گئی ہے۔

اب آیئے اس سے صرف چند دن قبل ایک ساتھ آنے والی دو رپورٹس

پہلی رپورٹ دن رات محنت کر کے غریبوں اور عوام کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کرنے کے دعووں کے برعکس حکومت کے اپنے اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ دو برس سے دوران ہوشربا مہنگائی کے نتیجے میں تقریباً ہر شہری کی زندگی اس سطح سے 50 فیصد زیادہ مہنگی ہو گئی ہے۔ جنتی پیفروری ۔۔ ج 2008ء میں ہوا کرتی تھی۔ جب موجودہ حکومت نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ ایک طرف ملک کی اقتصادی حالت خراب ہو گئی ہے تو دوسری طرف کرپشن میں بھی ریکارڈ اضافہ دیکھنے میں آیا ہے جبکہ گورننس بھی خستہ حالت میں ہے۔ بدانتظامی روایت بن چکی ہے۔ روپے اور ڈالر کے درمیان تبادلے کا فرق 1-60 سے بڑھ کر 1-85 تک جا پہنچا ہے۔ ۔۔ مشرف کی زندگی سے بدتر ہو چکی ہے۔ ملک کے تاجر طبقے کے لیے صورتحال کا بگڑنا اس سے ۔۔ ہوتا ہے۔ حکومت کا سینسٹو پرائس انڈیکس (ایس پی آئی) یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ فروری 2008ء میں 173 تھا۔ جو جنوری 2010ء میں بڑھ کر 254 تک پہنچ چکا ہے۔ روزمرہ کے استعمال کی چند شے کی قیمتوں میں 250 سے 300 فیصد تک بے مثال اضافہ ہوا ہے۔ عوامی حکومت میں روٹی کپڑا اور مکان کے مسئلہ کرنے والے حکمرانوں نے فروری 2008ء سے حقیقتاً نہیں بے مثال مہنگائی دی ہے۔ مثلاً وزارت شماریات کے ایورج پرائس انڈیکس کے مطابق چنی 26 روپے سے بڑھ کر موجودہ قیمت 70 روپے تک پہنچ چکی ہے۔ آٹا ساڑھے 16 روپے سے 30 روپے کلو ہے۔ چینی فی پتی (250 گرام کا پیکٹ) 65 روپے سے بڑھ کر ۔۔ ہے۔ مرغی کا گوشت 71 روپے سے بڑھ کر 116 روپے ہو گیا ہے وغیرہ۔

روزمرہ کی چیزیں سبزیاں اور پھل بجلی اور قدرتی گیس کے نرخ سے استعمال کی چار بڑی مصنوعات بھی ۔۔ چیز مہنگے سے مہنگی ترین ہو گئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار میں صرف ایک چیز ہی ایسی ہے جس کی قیمت میں کمی آئی ہے یعنی یہ 28 سے 16 روپے فی کلوگرام ہو گیا ہے۔ غریب سے غریب بجلی کی ۔۔ ماہانہ 100 یونٹ استعمال کرتے ہیں، میں 50 فیصد اضافہ ہوا ہے اور قیمت فروخت 2008ء کے 2.65 روپے فی یونٹ سے بڑھ کر موجودہ نرخ 3.91 روپے فی یونٹ تک جا پہنچی ہے۔ 100 یونٹ سے زیادہ بجلی استعمال کرنے والے صارفین اور کمرشل اور صنعتی صارفین کے نرخوں میں عام صارف کے مقابلے میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ دوسرا یہ صارفین جو 101 سے 300 یونٹس کے درمیان بجلی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے نرخ 4.69 روپے فی یونٹ (علاوہ ٹیکس) ہے، جو 301 سے 700 یونٹ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے نرخ 8.03 روپے فی یونٹ ہے جبکہ 700 یونٹس سے زائد استعمال کرنے والوں کے لیے نرخ 10 روپے فی یونٹ (ٹیکس کے بغیر) ہے۔ کمرشل صارفین کے لیے بجلی کے نرخ فروری 2008ء میں 9.53 روپے فی یونٹ (بشمول ٹیکس) ہوا کرتے تھے جبکہ اب یہ قیمت 14.93 روپے فی یونٹ (بشمول ٹیکس) تک جا پہنچی ہے۔ کم سے کم صارفین کے لیے قدرتی گیس کی قیمتوں میں 15 فیصد اضافہ ہوا جبکہ ایل پی جی کی قیمتیں 817 روپے فی سلنڈر سے بڑھ کر 1092 فی سلنڈر ہو گئیں یعنی 270 روپے فی سلنڈر، پٹرول کی قیمتیں 53.83 روپے فی لیٹر سے بڑھ کر موجودہ 71.11 روپے فی لیٹر تک جا پہنچی ہیں۔ ڈیزل 37.86 سے 69.27 فی لٹر اور مٹی کا تیل 42 سے 72 روپے فی لٹر تک پہنچ چکا ہے۔ وہ غریب جو ایل پی جی نہیں خرید سکتے۔ جن کے پاس قدرتی گیس نہیں ہے اور لکڑی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے لیے لکڑی کی قیمتیں 230 روپے فی 40 کلوگرام سے بڑھ کر 302 روپے ہو گئی ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اس عرصے کے دوران کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتوں میں بھی زبردست اضافہ ہوا ہے۔ جس کے تحت گندم کی قیمت 18 روپے

ے 27 روپے فی کلو ہوگئی۔ آٹے کی قیمت 16.5 سے 19.30 فی کلو ہوگئی۔ باسمتی چاول 36
سے 43، ایری 26 سے 34، دال مسور دھلی ہوئی 71 سے 123، دال مونگ دھلی ہوئی 51 سے
84، دال مونگ 42 سے 84، گائے کا گوشت 122 سے 174 روپے، بکرے کا گوشت 234
سے 312 فی کلو، انڈے 62 سے 80 روپے فی درجن، درمیانے سائز کی ڈبل روٹی 19 سے
26 روپے، چینی 26 سے 70، گڑ 31 سے 73، لال مرچ پاؤڈر 133 سے 167، تازہ دودھ
30 سے 41، کوکنگ آئل 115 فی کلو، بسن 44 سے 147 فی کلوگرام، پکانے کے تیل کا ڈھائی
کلو کا ڈبہ 318 سے 353 روپے، آلو 11 سے 17 روپے فی کلو، پیاز 12 سے 25 روپے فی
کلو، کیلے فی درجن 32 سے 38 روپے، چائے کا ایک کپ 7 روپے سے 11 روپے، بڑے
گوشت کی ایک پیٹ (پکی ہوئی) 20 سے 29 روپے ہوگئی ہے جبکہ فارم مرغی کا نرخ 71 روپے
سے بڑھ کر 116 روپے فی کلوگرام تک پہنچ گیا ہے۔ 2007-08ء میں اقتصادی ترقی کی شرح
4.1 فیصد تھی جو نیچے گر کر 3.4 فیصد (نظر ثانی شدہ اندازے) ہوگئی ہے۔ پارلیمنٹ میں حال ہی
میں جمع کرائی جانے والی "قرضوں کے متعلق پالیسی بیان" رپورٹ میں پہلے ہی حکومت کو متنبہ کیا
گیا ہے کہ جی ڈی پی کی شرح کے مقابلے میں قرضوں کی بڑھتی ہوئی شرح (جواب 58.1 فیصد
تک پہنچ گئی ہے) تشویش ناک ہے اور یہ سلسلہ جاری نہیں رہنا چاہیے۔ بصورت دیگر یہ 60 فیصد
کی حد بھی عبور کر جائے گی۔ جس کا اشارہ ایف آر ڈی ایل ایکٹ 2005ء میں دیا جا چکا ہے۔
قرضوں کے متعلق پالیسی بیان وزارت خزانہ کے ڈیبٹ آفس نے تیار کیا۔ جس کے سربراہ
[illegible] مسرور احمد قریشی ہیں۔ اس بیان میں بتایا گیا تھا کہ ملک کے مجموعی غیر ملکی قرضے
[illegible] (بی ڈی پی) میں 6.6 ارب ڈالر زیادہ 14.3 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ موجودہ مالی
[illegible] دوران پاکستان نے مجموعی سرکاری قرضے
[illegible] 8100 ارب روپے تک جا پہنچے۔ اس میں 495 ارب

روپے یا 6.5 فیصد کا اضافہ ہوا۔ ملک سے داخلی قرضے 3010 ارب روپے تھے جو
4090 ارب روپے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق 2008-09ء کے دوران سرکاری قرضوں میں
1600 ارب روپے (26.6 فیصد) کا اضافہ ہوا۔ جون 2009ء کے آخر تک ملک کے مجموعی
قرضے 7605 ارب روپے تک جا پہنچے۔ (حوالہ روزنامہ "عوام" کراچی، 4 فروری 2010ء)
دوسری رپورٹ پی پی پی کے دور حکومت کے پہلے دو سال کے دوران میں قومی پیداوار میں
ارب روپے سے بڑھ کر ڈیڑھ ہزار ارب روپے ہوگیا۔ جبکہ صارفین پر ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا ہے
ورنہ داروں پر ٹیکسوں کا بوجھ کم ہوا۔ ملک کے اندر ہونے والی [illegible] کرنے کے لیے موثر
اقدامات نہ ہونے کے برابر ہے۔ صرف پٹرولیم اور اس کی مصنوعات پر صارفین سے [illegible]
ہونے والی سوا ارب روپے کا ٹیکس حکومت وصول کر رہی ہے۔ پٹرولیم پر ہونے والی سوا ارب
روپے اور سیلز ٹیکس بھی سوا ارب کے لگ بھگ امسال وصول ہوگا۔ 2007-08ء میں پاکستان
کے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ ایک ہزار آٹھ ارب روپے سے زیادہ ڈالا گیا۔ 2008-09ء میں یہ
بوجھ بڑھا کر 1157 ارب روپے ڈالا گیا تھا۔ 2009-10ء میں صرف ایف بی آر کے ٹیکسوں
کا بوجھ 15 سو ارب روپے سے تجاوز کر جائے گا۔ ٹیکس ان ڈائریکٹ ہوں، ڈائریکٹ ہوں یا
پٹرولیم لیوی ان کا بوجھ بالآخر صارفین کے اوپر ہی منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ایک سروے کے مطابق
رواں مالی سال کے پہلے سات مہینوں میں 692 ارب روپے سے زیادہ کے ٹیکس پاکستانی عوام ادا
کر چکے ہیں۔ گزشتہ مالی سال 2008-09ء میں پٹرولیم لیوی کے علاوہ 440.3 ارب روپے
کے ڈائریکٹ ٹیکس 452.3 ارب روپے کا سیلز ٹیکس، 116 ارب روپے کی فیڈرل ایکسائز اور
148.4 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی وصول کی گئی۔ اس سے قبل کے مالی سال 2007-08ء میں
387.8 ارب روپے کے ڈائریکٹ ٹیکس 405.6 ارب روپے کا سیلز ٹیکس 92.1 ارب روپے
کی فیڈرل ایکسائز اور 150.6 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی وصول کی گئی تھی۔ اس طرح دو سالوں

اردو فینز
کیلئے

میں عوامی حکومت کے دور میں عوام پر پڑنے والے بی آر کے ٹیکسوں کا بوجھ 1008 ارب روپے سے بڑھ کر 15 سو ارب روپے کے لگ بھگ ہو گیا ہے۔ 31 جنوری 2010 تک سے سات ماہ میں ایف بی آر نے گزشتہ سال کے پہلے سات ماہ کے مقابلے میں 10 فیصد زیادہ ٹیکس غیر موافق ملکی حالات کے باوجود جمع کیے۔ جولائی 2008ء سے جنوری 2009ء تک ایف بی آر نے 630 ارب 46 کروڑ روپے کے مجموعی ٹیکس جمع کیے جبکہ جولائی 2009ء سے جنوری 2010ء کے دوران 693 ارب روپے سے زیادہ کے ٹیکس جمع کیے۔ ان میں 286.4 ارب روپے کے ڈائریکٹ ٹیکس 272.2 ارب روپے کا سیلز ٹیکس، 76.7 ارب روپے فیڈرل ایکسائز اور 84 ارب روپے کی کسٹم ڈیوٹی شامل ہے۔ پی پی پی کی حکمرانی کے پہلے دو سالوں میں آئی ایم ایف۔ ورلڈ بینک سے کیے گئے جنرل مشرف حکومت کے وعدے کو نبھاتے ہوئے کسٹم ڈیوٹی زیادہ سے زیادہ عمومی شرح 35 فیصد سے کم کر کے 25 فیصد کر دی گئی لیکن اس کے ساتھ تقریباً چار سو درآمدی آئٹموں پر پی پی پی حکومت نے 15 سے 40 فیصد ریگولیٹری ڈیوٹی عائد کر دی۔ پی پی پی کے برسر اقتدار آنے سے پہلے جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 2007-08ء کے وفاقی بجٹ میں 15 فیصد تھی مگر پی پی پی حکومت نے 2008-09ء کے وفاقی بجٹ میں جنرل سیلز ٹیکس کی شرح 15 سے بڑھا کر 16 فیصد کر کے صارفین پر بیک جنبش قلم 140 ارب روپے کے ٹیکس کا بوجھ ڈال دیا۔ پی پی پی کے دو سالہ دور حکومت میں چینی پر سیلز ٹیکس کی شرح اگست ستمبر 2009ء سے غریبوں کے ہم پر 16 فیصد سے مکر کے 8 فیصد گزشتہ سال تو کر دی گئی مگر چینی کی قیمت اس حساب سے کم نہیں کرائی۔ وجہ یہ ہے کہ چینی کے کارخانے کے مالک سیاستدان زیادہ ہیں۔ حزب اقتدار کے [illegible] ہیں۔ ترجیحی یہ ہے کہ چینی صارفین کو آج 65 سے 75 کلو شوگر مل [illegible] سے ہیں [illegible] مالکان سے پی پی پی کے حکمران ساٹھ پینسٹھ ستر روپے کلو کے [illegible] نہیں کر رہے جبکہ آج بھی جنرل سیلز ٹیکس حکام کو 28 روپے

[illegible] کلو تصور کرنے کا کہا گیا ہے۔ پاکستان کے صارفین سے اتنا بڑا جھوٹ ماضی کی کسی حکومت نے 82 ملین گرل مالکان کو فائدہ پہنچانے کے لیے بھی کرنے کی جرأت نہیں کی۔ صارفین و آئی حکومت خود ٹیکہ لگا رہی ہے۔ وہ اس طرح کہ دو سالوں سے افراطِ زر کی شرح 60 فیصد ہونا گم ہے۔ ہونا گم ٹیکس کہنے کو تو ڈائریکٹ ٹیکس ہے مگر وہ سارا بھی غریب صارفین پر ڈالا جا رہا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جب تک موجودہ حکومت خریداروں کی این آئی سی (کمپیوٹرائزڈ نیشنل شناختی کارڈ) نمبر یا نیشنل ٹیکس نمبر کا اندراج کرنے کا قانون نہیں بناتی، پورا سیلز ٹیکس ہونا گم ہوتا رہے گا۔ وزارت خزانہ کے ذرائع کے مطابق فروری 2008ء میں جب پی پی پی کی حکومت بنی۔ زرمبادلہ کے ذخائر 15 ارب ڈالر کے لگ بھگ تھے جو اس سے بعد کم ہو کر پانچ چھ ارب ڈالر رہ گئے۔ آج پھر پندرہ ارب ڈالر کے لگ بھگ ہیں مگر ان دو سالوں میں غیر ملکی قرضوں میں ریزرو اضافہ ہوا۔ فروری 2008ء میں غیر ملکی قرضے تقریباً 38 ارب ڈالر کے تھے جو آج 58 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہو گئے ہیں۔ اس طرح دو سالوں میں قوم پر صرف غیر ملکی قرضوں کے بوجھ میں 18 ارب ڈالر کے قریب اضافہ ہو گیا ہے۔

ان رپورٹوں کی روشنی میں ملک و قوم کی دو سال بعد کی ممکنہ صورتحال کا نقشہ بہت حد تک واضح ہو جاتا ہے جو حکمرانوں کے لیے کچھ وقت فکر بھی مہیا کرتا ہے ایک آدھ لمحہ نہیں بشرطیکہ وہ غیر ملکی دوروں سے یہ وقت نکال سکیں کیونکہ معاملہ اٹھارہ کروڑ عوام کا ہے اب فیصلہ پیپلز پارٹی خود کر سکتی ہے۔

(اپریل 2010ء)

حامد
اردو فیلز
کیلئے

صورتحال میں کمر صرف غریب ہی کی ٹوٹ رہی ہے۔ مہنگائی پورے ملک میں ہے اور ہر پاکستانی اس کا خاتمہ چاہتا ہے لیکن ٹرائبل ایریا سرحدی صوبے کا شہری 1979ء سے 2010ء تک افغانستان کی صورتحال سے بری طرح متاثر رہا ہے۔ صوبہ سرحد سے اشیاء خورد و نوش کی بڑی مقدار سرحد پار چلی جاتی ہے۔ جس سے تاجروں، صنعت کاروں اور جاگیرداروں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نام پر سمگلنگ کی شرح میں ہونے والا اضافہ مکئی معیشت کو کھوکھلا جبکہ چند کاروباری خاندانوں کی تجوریاں بھر رہا ہے۔ لاکھوں افغان مہاجرین کی آمد اور پاکستان خصوصاً صوبہ سرحد سے تیار ہونے والی اشیاء کی افغانستان ترسیل سے ہمارے صنعت کاروں کو بڑی منڈیاں مل گئی ہیں لیکن اس سب کے باوجود یہی کارخانے دار اور دکاندار عوام کے خون پسینے کی کمائی سے جمع ہونے والا ٹیکس دہشت گردی کے نام پر حکومت سے پیکیج کی صورت وصول کر رہا ہے۔ ماہرین اقتصادیات کا موقف ہے کہ حالت جنگ ہو یا امن گھی، آٹے، چاول، دال، چینی کا استعمال کم نہیں ہوتا۔ لوگ زندہ رہنے کے لئے خوراک حاصل کر رہے ہیں۔ پھر کارخانہ دار کس چیز سے متاثر ہو رہا ہے۔ اگر چند غیر ضروری اشیاء کے استعمال میں کمی آئی بھی ہے تو وہ بہت معمولی ہے۔ صرف حبیب بینک نے گزشتہ 5 سال کے دوران 19 ارب 27 کروڑ روپے کے قرضے معاف کئے ہیں۔ قرضہ معاف کرانے والوں میں دو ادارے بھی شامل ہیں جو مالی طور پر مستحکم قرار دیئے جا رہے ہیں۔

اس دوران سرمایہ دار مزید مستحکم جبکہ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ جس کے لئے زندگی کی گاڑی کو رواں رکھنا بھی ممکن نہیں رہا۔ حکومت کے انتظامی سیٹ اپ میں مقامی مارکیٹ کنٹرول کا نظام ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کا کام ہے۔ انگریز سرکار نے اپنے ریونیو کلکٹر یعنی ڈپٹی کمشنر کو بے انتہا [illegible] دے رکھے تھے۔ جن میں ایک مارکیٹ کنٹرول بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ قیمتوں کو [illegible] رسد سے متعلق معاملات کا بھی نگران ہوتا ہے۔

[illegible] صدر جنرل پرویز مشرف نے متعارف کروائے گئے ضلعی نظام حکومت میں ضلعی انتظامیہ کے اختیارات [illegible] دیئے گئے اور ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کا سربراہ ڈسٹرکٹ ناظم منتخب ہوا۔ [illegible] ہوا ہے کہ اس [illegible] میں ہماری مارکیٹ پولیس اینڈ بیوروکریسی سے آزاد ہو گئی۔ اس وقت صوبہ سرحد کے [illegible] حصوں کی طرح پشاور میں بھی مہنگائی نے عام شہری کا جینا مشکل کر دیا ہے۔ آٹے، چینی، دالوں کے ریٹ کسی نہ کسی حوالے سے تقریباً ہر ماہ ہی بڑھتے ہیں۔ گھی کا وزن روز بروز کم ہو رہا ہے۔ دودھ 40 سے 50 روپے فی لیٹر فروخت ہو رہا ہے۔ دہی 46 روپے کلو مل رہا ہے۔ گوشت اور قیمے کے نرخ ہر دکان دار نے اپنی مرضی سے مقرر کر رکھے ہیں۔

ملاوٹ کا عالم یہ ہے کہ دودھ میں پانی صاف ستھرا پایا جاتا ہے بلکہ اس میں انتہائی مضر کیمیکل ملائے جا رہے ہیں جو دودھ کو گاڑھا کر دیتے ہیں۔ گوشت کا معیار چیک کرنے کے لئے ذبح خانے میں ڈاکٹر کی مہریں ہر جانور پر لگی ہوتی ہیں جبکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ انتہائی ناکارہ اور بیمار جانور روزانہ ذبح کر کے مارکیٹ میں لائے جا رہے ہیں۔ پھل فروٹ عام آدمی کی پہنچ سے دور ہے۔ سبزیوں کے نرخ ہر دکاندار من مانے وصول کر رہا ہے۔ ہماری بیوروکریسی کا اب تک یہی کہنا تھا کہ پورا انظام منتخب لوگوں کے ہاتھ میں ہے لیکن اب سب کچھ بیوروکریسی کے ہاتھ میں ہے دیکھنا یہ ہے کہ کیا ایڈمنسٹریٹرز مہنگائی کے جن کو قابو کر پائیں گے یا منتخب لوگوں کی طرح مصلحت کا شکار ہو کر خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔ سیاسی قیادت سے متعلق تو یہ بات عام رہی ہے کہ کسی منتخب بندے کے لئے امن و امان قائم رکھنے کے لئے سخت قدم اٹھانا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ اسے اپنا ووٹر عزیز ہوتا ہے لیکن اب تحصیل اور ڈسٹرکٹ لیول پر سرکاری افسران کی کارکردگی کا امتحان ہے تاہم اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان افسروں پر سیاسی دباؤ کم سے کم پڑے۔

(اپریل 2010ء)

وی۔اے۔ٹی کا عذاب

اخبارات کے مطابق آئی ایم ایف نے شرط لگائی ہے کہ قرضے کی اگلی قسط اس وقت پاکستان کو دی جائے گی جب حکومت عوام پر ایک نیا ٹیکس لگائے جس کو انگریزی میں ویلیو ایڈڈ ٹیکس۔ (VAT Value Added Tax) کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اردو میں اس کا کیا نام ہوگا۔ جب آئی ایم ایف اس کے نفاذ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے تو ضرور یہ کوئی مصیبت ہوگی کیونکہ آئی ایم ایف پاکستان کے عوام سے کوئی محبت نہیں ہے۔ عجیب قرضہ ہے کہ 7.5 یا شاید 11.3 ارب ڈالر کا قرضہ معلوم نہیں کتنی قسطوں میں دیا جا رہا ہے اور ہر قسط سے قبل نئی نئی شرائط لگائی جاتی ہیں۔ پہلی منتخبی حکومت ختم کروا دی، اس پر ٹیکس لگوا دو اور اب VAT یہ نام ہی کوئی خطرناک قسم کا ہے خدا خیر کرے۔ حکومت پاکستان نے حکم کے مطابق تمام صوبوں نے اس ٹیکس کو نافذ کرنے کے لئے صوبائی اسمبلی میں پیش کر دیا ہے۔ تمام اخبارات کے مطابق تو قرض لیتے وقت تمام شرائط طے ہو جاتی ہیں، یہ عجیب قرضہ ہے کہ ہر قسط سے ساتھ نئی نئی شرائط طے کی جاتی ہیں، کیا ان سے مراد ہر بار نئے نئے ٹیکس ہیں جن کا بوجھ عوام پر مزید لادا جا رہا ہے۔

[illegible] (ایف بی آر) کے چیئرمین کا کہنا ہے کہ "VAT" کوئی نیا

[illegible] ٹیکس جنرل سیلز ٹیکس (جی ایس ٹی) ہی کا تبدیل شدہ VAT کی شرح 15 فیصد ہوگی [illegible] کافی آمدنی نہیں آئے گی۔ 3 سے 5 سال میں 800 ارب سے اضافی ٹیکس وصول ہوں گے۔ ایف بی آر والے بیچارے عوام سے ٹیکس وصول کرنے کے ماہر ہیں۔ VAT کے سلسلے میں بہت جلد آپ کو ٹیلی ویژن پر نظر آئے گا۔ جی ایس ٹی کی شرح 16 فیصد ہے۔ VAT اس کی جگہ لے گا اور اس کی شرح 15 فیصد ہوگی۔ (یہ ایک جملہ معترضہ ہے (اب ٹیکس بھی ترقی پسند ہونے لگے ہیں) [illegible] سے اس ٹیکس کی مخالفت کر دی تو یہ ٹیکس نہیں لگے گا۔ [illegible] صاحب عجیب بات کر رہے ہیں، ایک طرف تو وہ کہتے ہیں کہ VAT کوئی نیا ٹیکس نہیں ہے۔ پرانے ٹیکس جی ایس ٹی وغیرہ ہیں ہے۔ پرانے ٹیکس کی شرح 16 فیصد ہے اور نئے VAT کی شرح اس سے 1 فیصد کم ہوگی۔ اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد 800 ارب کے اضافی ٹیکس وصول ہوں گے۔ ان سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ جناب اگر اس نئے ٹیکس کی شرح بھی وہی ہے جو ٹیکس نافذ کرنے والا محکمہ بھی پرانا ہے، تاجر اور صنعت کار بھی نئے نہیں ہیں تو اضافی آمدنی کیسے ہوگی۔ کیا سرمایہ دار ایماندار ہو جائیں گے یا ایف بی آر والے فرشتے بن جائیں گے۔ ٹیکسوں کی کم وصولی کے ذمہ دار عوام نہیں بلکہ آپ کے محکمے کا عملہ ہے جو سرمایہ دار سے مل کر ٹیکس چوری میں ملوث ہوتا ہے آپ یہ ٹیکس جمع کرنے کے لئے فرشتے کہاں سے لائیں گے عوام سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں، ان کو صاف کہہ دیں کہ چونکہ آئی ایم ایف کا حکم ہے اس لئے عوام کو مزید قربانی دینی ہوگی۔ ساتھ یہ بھی بتا دیں کہ یہ قرضہ اور یہ ٹیکس عوام کی فلاح و بہبود کے لئے نہیں بلکہ حکمرانوں کی عیاشیوں کے لئے ہے۔

"اگر حکومت نے VAT نافذ کیا تو خوراک کی تمام اشیاء کی قیمتیں 100 فیصد بڑھ جائیں گی۔ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد امکان یہ ہے کہ مرغی کے گوشت کی قیمت 200 روپے فی کلو اور

گوشت کی قیمت 500 روپے فی کلو ہو جائے گی۔ اشیائے خوراک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر نکل جائیں گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت خوراک کی اشیاء پر VAT نافذ کرکے عوام کے ہاتھوں سے روٹی کا نوالہ بھی چھیننا چاہتی ہے۔ آج کل مرغی کا گوشت 190 روپے فی کلو گرام، بڑا گوشت 220-200 روپے فی کلوگرام اور چھوٹا 400-350 روپے فی کلوگرام ہے۔ یہ قیمتیں اب بھی عام آدمی کی قوت خرید سے باہر ہیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں خوراک کی اشیاء کو لازمی اشیاء قرار دے کر ٹیکسوں میں چھوٹ دی جاتی ہے۔ پاکستان میں عجیب رسم ہے کہ ٹیکس سب سے پہلے خوراک کی اشیاء کو متاثر کرتا ہے۔ اگر ٹیکس کاروباری طبقے پر لگایا جائے تو وہ فوراً اس بوجھ کو قیمتیں بڑھا کر عام آدمی کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عام آدمی کہاں جائے۔ اگر VAT نافذ کیا گیا تو ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ پھر ملک بھر کے 28 ہزار پوشری فارم بند کر دیئے جائیں گے۔ مارکیٹ کے عام دکانداروں کا بھی کہنا ہے کہ اس ٹیکس کے نفاذ کے بعد مجبوراً ان سب کو اپنا کاروبار بند کرنا پڑے گا۔ حکومت قیمتیں بڑھا کر خود ہی افراط زر میں اضافہ کر رہی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ غریبوں پر ٹیکس لگانے کی بجائے اپنے فضول اخراجات کو کم کرے۔ ان کا مطالبہ ہے کہ چونکہ عوام کی کھال اتارنے کی دوڑ میں پاکستان دنیا میں اول نمبر پر ہے اس لئے پاکستان کا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں لکھا جانا چاہیے۔ پاکستان کی اکثریت بہت غربت میں وقت گزار رہی ہے۔ ان کی کمر پہلے سے ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔ حکومت روزانہ تیل اور دوسری اشیاء کی قیمتیں بڑھا دیتی ہے۔ کیا حکومت کو عوام پر رحم نہیں آتا؟

دنیا بھر میں حکومتوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ٹیکسوں کی وصولی کے بدلے میں عوام کو بنیادی سہولتیں مہیا کریں۔ تعلیم، صحت اور جان و مال کا تحفظ جیسی سہولتیں ان میں سرفہرست ہوتی ہیں۔ [illegible] حکومت نے ان تمام ذمہ داریوں سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اب وہ بچہ اچھی تعلیم حاصل

[illegible] ڈاکٹر ہسپتال لاہور یا ایم آر آئی ہسپتال پشاور سے علاج کروانا چاہے تو [illegible] اخراجات برداشت کر سکتا ہو۔ جان و مال کا تحفظ اس شہری کو حاصل ہو گا جس کے پاس زیادہ اسلحہ ہو اور جس کے پاس اپنی فوج ہو۔ اپنے ذاتی اخراجات پر علاج کرنے میں تو عام حکومت دنیا کا کوئی بھی قانون عوام سے یہ سہولت چھیننے کا حق نہیں دیتا۔ پاکستان سے عوام کی بے حسی ہے کہ حکومت ان کا خون چوس کر اپنی عیاشیوں اور سامراجی جنگوں کو بھرنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اندرونی اطلاعات کے مطابق حکومت پاکستان نے آئی ایم ایف کو یقین دلایا ہے کہ پریذیڈنٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیوں میں اپنے بجٹ میں VAT بل کی منظوری دے دیں گی۔ یہ ٹیکس یکم جولائی 2010ء سے لاگو کر دیا جائے گا۔ آئی ایم ایف کے مشرق وسطیٰ اور سنٹرل ایشیا کے لئے ڈائریکٹر [illegible] ان دنوں پاکستان کے دورے پر ہیں۔ ان کے دورے کا مقصد آئی ایم ایف سے 11.3 ارب ڈالر کی امداد کی پانچویں قسط جو 1.2 ارب ڈالر بنتی ہے کی ادائیگی سے قبل ان شرائط کے مسائل کو حل کرانا ہے۔

انہوں نے اپنی ٹیم کے ساتھ خزانہ کے مشیر حفیظ اے شیخ اور سٹیٹ بنک کے گورنر سید سلیم رضا سے بھی ملاقات کی ہے۔ ان خبروں کے مطابق آئی ایم ایف کو اس بات کا بھی خصہ ہے کہ پاکستان کی حکومت بجلی کے نرخ بڑھانے میں پس و پیش کر رہی ہے۔ صوبائی اسمبلی میں اس ٹیکس کا بل پیش کیا جا چکا ہے۔ کیا اپنے لئے اسلام آباد میں پلاٹ اور اپنے والدین کے لئے مفت علاج کی سہولت حاصل کرنے والے ممبران صوبائی اسمبلی میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اپنے غریب ووٹروں کو اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکیں۔

آئی ایم ایف نے حکومت پاکستان کے ساتھ ویلیو ایڈڈ ٹیکس کے نفاذ بجلی کی قیمتوں میں بڑھانے اور بجٹ خسارہ مقررہ حد کے اندر رکھنے کے معاملات طے ہونے کے بعد ایک ارب 20 کروڑ ڈالر قرضے کی قسط مئی میں جاری کرنے کی یقین دہانی کروائی ہے۔ وزارت خزانہ کی طرف

سے وفاقی ادائیگیوں کا تخمینہ دسمبر تک مالی سال کے لئے کی قیمتوں میں جو اپریل سے اضافہ ہو
ی وجہ سے پاکستان کو ہونے والی 25 ارب روپے کی اضافی آمدنی جبکہ دوسری جانب سے رعایتی کی
رقم کے پورا کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ عالمی مالیاتی رپورٹوں کے مطابق یہ جو اضافی سے وفاقی ادا
نہیں سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

پاکستان کی بدقسمتی اب یہ ہو گئی ہے کہ عوام سے دونوں سے برسر اقتدار آنے والی تمام
حقوق اور جمہوریت کی علمبردار جماعتیں اور معاشی میں امریکہ، آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی
طرف دیکھ کر ہی اقدامات یا فیصلہ کرتی ہیں۔ ان تینوں سے اشارہ ابرو پر چھپی ہو سکتا ہے۔ رسمی
عوام توجہ دینے کے بعد ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایسے کسی بھی فیصلے یا اقدام کے
وقت نہ پہلے نہ بعد میں ان سے نہ رائے لی جاتی ہے اور نہ انہیں اس کے لائق سمجھا جاتا ہے۔
چنانچہ جب اور جس چیز کی قیمت میں اضافہ کرنے کا ارادہ ہو یا اوپر سے حکم نازل ہو وہ ہو جاتی
جمہوری حکومت نہایت تابعداری سے اسے بجا لاتی ہے۔ عوام بلکہ رعایا چیختی رہ جاتی ہے۔ جب
سے موجودہ جمہوری منتخب حکومت برسر اقتدار آئی ہے۔ بس یہی تماشا ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے
پاکستان میں آئی ایم ایف کی حکومت قائم ہو چکی ہے۔

ویٹ کے نفاذ اس مسلسل نرالے کی تازہ قسط کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس بابت یہ پوچھنا بھی
فضول ہے کہ خود رہا جو 32 کھرب روپے کا ٹیکس ویسے ہی بھرتی ہے وہ کہاں جاتا ہے جو ان
مالی بلوں سے مزید قرضے وصول کیے جا رہے ہیں اور اس کے لئے ان کا ہر حکم تسلیم کر لیا جاتا
ہے یہ بھی کوئی نہیں بتا رہا کہ یہ قرضے واپس کس طرح کیے جائیں گے اور اس کے لئے ویٹ کا نفاذ
کرنے سے ملک و قوم کا رہا سہا دیوالیہ بھی نکال ہی دینا ہے تو فائدہ کس فریق کا ہو رہا ہے۔ کیا اس لئے
یہ سب ہو رہا ہے کہ یہ بھاری رقوم دراصل کہیں اور ہی جاتی ہیں اور یا پھر حکومت کو اپنے گھر واپس
سے کی بہت زیادہ جلدی معلوم ہوتی ہے؟

(مئی 2010ء)

معاشی ترقی کی حقیقت؟

انٹیٹ بینک کے مرکزی بورڈ آف ڈائریکٹرز نے اجلاس سے بعد فیصلہ کیا ہے کہ
ہاؤسز کے لئے شرح سود 12.5 فیصد برقرار رہے گی جبکہ مہنگائی کی شرح 12 فیصد رہے گی۔ یہ وفاقی
حکومت کو 2.6 ارب ڈالر روپے گرایا ہے جبکہ انٹیٹ بینک سے زرمبادلہ سے ذخائر 11 ارب
ڈالر ہے۔ رپورٹوں کے مطابق سبسڈی سے خاتمے سے قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ رپورٹ میں
مزید بتایا گیا ہے کہ حکومت نے رواں مالی سال کی پہلی ششماہی میں 110 ارب روپے کے بیرونی
قرضے لئے جس میں آئی ایم ایف کے 93 ارب روپے بھی شامل ہیں۔ 25 مارچ 2010ء
تک 1240 ارب روپے کے حکومتی قرضے لئے گئے جو کہ مالی سال کے ہدف 110 ارب روپے
زائد ہیں۔ اس کے بالکل ساتھ آنے والی دوسری رپورٹ کے مطابق بجلی فی یونٹ قیمت میں
2.65 روپے پیسے کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ نیپرا نے نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے جبکہ ایک اور رپورٹ
میں کہا گیا ہے کہ وفاقی حکومت نے رواں مالی سال کے لئے ٹیکس وصولیوں میں ممکنہ شارٹ فال
پورا کرنے کے لئے مہنگائی کا نیا طوفان برپا کرنے کی حکمت عملی طے کر لی ہے جس کے تحت 31
ارب روپے کی اضافی وصولیوں کا ہدف مقرر کیا گیا ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافے سے ٹیکس کی مد

میں 3 ارب روپے کا مزید ریونیو حاصل ہوگا۔ اس سلسلے میں ایف بی آر نے حکومت کو تجویز کیا ہے کہ بجلی کا بحران پیدا کرنے والے جو افراد بجلی چوری کرتے ہوئے پکڑے جائیں ان کے خلاف فوجداری مقدمات درج کرائے جائیں۔ ایف بی آر کے مطابق اس وقت پاکستان پر قرضوں کا مجموعی بوجھ 8 ہزار ارب روپے تک جا پہنچا ہے اور قوم پر مزید بوجھ نہ پڑنے دینے کے لئے یکم اپریل سے محدود پیمانے پر پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں مزید 7 فیصد اضافہ کیا گیا۔ دوسری طرف ملک بھر میں بجلی کی بدترین لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے۔ مظاہرے جاری ہیں۔ ادھر یکم اپریل سے گھڑیاں ایک گھنٹہ آگے کرنے کا نوٹیفکیشن واپس لے لیا گیا ہے۔ جبکہ ساتھ ہی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان سمیت دنیا بھر میں ایک گھنٹے کے لئے بتیاں بجھا کر ساعت ارض (آرتھ آور) منائی گئی اور یہ خبر اس ملک (پاکستان) سے بھی آئی ہے جہاں پچھلے دنوں تک آنے والی رپورٹوں کے مطابق لوڈشیڈنگ کا دورانیہ شہروں میں 16 سے 18 گھنٹے اور دیہات میں 20 سے 22 گھنٹے تک جا پہنچا تھا اور بجلی بحران نے صرف ایک سال میں 4 لاکھ اور ایک اندازے کے مطابق دس لاکھ کے لگ بھگ افراد کو بے روزگار کر دیا ہے۔ صنعتوں کو سالانہ 220 ارب کا نقصان ہو رہا ہے۔ پٹرولیم کی قیمتوں میں اضافے کا امکان ہے۔ مارچ میں پٹرول کی قیمتیں 4 ڈالر 49 سنٹ بڑھ کر 5 ڈالر 52 سینٹس ہو گئیں۔ ماہرین کے مطابق عالمی منڈی میں قیمتیں بڑھنے سے مقامی سطح پر بھی قیمتوں میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

یہ بجلی معیشت کا محض چند پہلوؤں سے اور صرف ایک سرسری جائزہ ہے۔ اس حوالے سے مزید جائزہ لیا جائے تو تازہ ترین اطلاعات کے مطابق پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے سے پہلے ہی سسکتی ہوئی صنعت و حرفت اور تجارت کی موت واقع ہو جائے گی۔ اس موقف کی تصدیق اس رپورٹ سے بھی ہو جاتی ہے کہ صرف گزشتہ ایک سال میں 4 لاکھ ہم وطن بے روزگار ہو گئے۔ گزشتہ دو سال سے اب تک یہ تعداد [illegible] 8 لاکھ شمار کی جا سکتی ہے۔ اس صورت حال کے فوری طور [illegible] سے بھی نہیں ہیں۔ اوپر سے حکومت نے محصولات عائد کرتی چلی جا رہی ہے

[illegible] ہونے والا نہیں۔ جبکہ ایران سے تین گنا سستی بجلی کی درآمد کے بارے میں معاہدہ کا ہونا بھی [illegible] کر دیا گیا ہے کہ ایران سے بجلی درآمد کرنے میں پانچ سال لگیں گے۔

پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کا سلسلہ تو ختم ہوتا نظر نہیں آ رہا۔ جبکہ یہ دونوں [illegible] معیشت کو زندہ اور رواں رکھنے میں تازہ خون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان دونوں [illegible] سے باہر رکھنے یا گراں سے گراں تر کرتے چلے جانے سے نہ صرف یہ [illegible] صنعت و حرفت بھی ختم ہو جائے گی کیونکہ اس بارے میں ایک صنعت کار نے کہا ہے کہ ایک عام اور با خواندہ مزدور تک جانتا ہے کہ اگر ان اشیاء کی قیمتیں بڑھ جائیں تو ان سے حاصل ہونے والی پیداوار خود بخود مہنگی ہو جائے گی۔ صنعت کار یہ بوجھ صارف کی طرف منتقل کر سکتا ہے لیکن ایک حد سے زائد نہیں اس کے بعد صارفین کی قوت خرید ختم ہو جائے گی اور وہ فیکٹری کی پیداوار پر جو نسبتاً کم قیمت ہوں گے، انحصار کریں گے جس سے مقامی صنعت کا بیٹھ جانے کا۔ یوں صنعت و حرفت جو ملک کا بیشتر روزگار فراہم کرنے والا شعبہ ہے، تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے اور مہنگائی میں جب حکومت خود اضافہ کر رہی ہو تو دوسروں کو کون روک سکتا ہے؟ مزید یہ کہ جب سستی بجلی مل رہی ہے تو اسے حاصل کرنے میں کیا امر مانع ہے۔

کوئی مجھے سمجھائے ریفنل پاور پراجیکٹ پراسرار کے کیا معنی ہیں اور کیا حکومت قوم کو بتائے گی کہ ان پراجیکٹس سے اب تک کیا کچھ حاصل ہوا ہے اور یہ خرچ کہاں سے پورا کیا گیا ہے؟ اور ان پر کیا خرچ آ چکا ہے کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ یا تو ہمارے حکمران کسی بھی چیز کو سنبھالنے کے اہل ہی نہیں اور وہ عوام کے مسائل اور مشکلات سے بالکل بے خبر ہیں یا پھر ان کو مال بنانے کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔ وزیراعظم نے ابھی پچھلے دنوں کہا کہ بجلی گیس وغیرہ کے ضمن میں عوام کو درپیش مشکلات اور ان کے حوالے سے روز افزوں گرانی کا احساس ہے، عوام کو جلد ریلیف دیں گے۔ اس ریلیف کی تازہ

قسط پڑے گا۔ صنعت و بجلی کی قیمتوں میں تازہ ترین اضافے کی صورت میں قوم اول بھی پہلی سے
اور قوم کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے۔ اسے کس قسم کے ریلیف دیے جا رہے ہیں اور اس کا تجزیہ
گزشتہ دو سال کی صورت حال سے آپ بھی اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔ صنعت ہی سے حاصل
سے صرف نیگا ٹاکس ہی دیکھ چکے ہیں تو یہ بھی بتا دیں کہ آخری اسٹیج پر پہنچ چکا ہے جو بجلی مہیا کرتا
و 46 فیصد زرمبادلہ فراہم کرتا ہے۔ اس کو پانی کی تباہی سے بچانا اور مختصر ترین وقت میں
ہمارے زرمبادلہ کی آمدنی میں یہ لگت 46 فیصد کمی واقع ہو جائے گی۔ جبکہ ہمارے اوپر صرف
غیر ملکی قرضوں کا حجم 55 ارب ڈالر سے تجاوز کر چکا ہے اور زرمبادلہ سے خالص 16 تا 17
ارب ڈالر تک جا رہے ہیں جبکہ تجارتی خسارہ و خالی وزیر تجارت بتائیں گے۔ زراعت سے
حاصل سے صرف یہ دیکھ چکے ہیں کہ ہمارے جن دریاؤں پر بھارت اندھا دھند ڈیم بنا کر ہمارے
آبپاشی کا ستیاناس کر رہا ہے اس کے نتیجے میں ہمارے دریاؤں میں کتنا پانی باقی رہ گیا ہے۔

واضح رہے کہ پاکستان کی تقریباً 70 فیصد آبادی زراعت پیشہ ہے اور صنعت سے بعد زرعی
شعبے کی بھی تباہی سے بعد ہمارے پاس کیا بچے گا؟ ابھی موجودہ حکومت سے 3 سال باقی
ہیں۔ گزشتہ سال میں 18 لاکھ افراد کی بے روزگاری کو سامنے رکھا جائے تو ایسے حالات میں آئندہ
تین برسوں میں مزید 18 تا 20 لاکھ نوجوان بے روزگار ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم فرماتے
ہیں کہ ہماری برآمدات پانچ سال بعد دگنی ہو جائیں گی۔ اس وقت تک یہ بے روزگار طبقہ کتنا
بے قابو ہو چکا ہوگا۔ یہ وزیر اعظم اور صدر مملکت اور وفاقی وزیر صنعت و پیداوار قوم کو
بتائیں گے۔ گزشتہ 7 سال میں صنعتی حجم میں کتنے کارخانے بند ہو گئے اور کتنے نئے حجم بھی ہے
ہیں۔ اس سے کتنی روزی روٹی سے بھی لگے پڑ گئے ہیں۔ وفاقی وزیر
صنعت کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کے سامنے یہ اعداد و شمار پیش کریں۔ پانی کی کمی کتنی ہو گئی ہے اور کتنے
ایکڑ زمین سے وہ اس سے کتنی کمی ہو گئی اپنے کام سے ساتھ ہی یہ بھی بتائیں

[illegible]

ہو گئی ہو تو اور بات ہے اور اب تک یہی ہوتا بھی آیا ہے) پیپلز پارٹی اپنے اتحادیوں سے ساتھ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر اقتدار میں آئی تھی۔ اس نے دو برسوں میں قوم کو جو کچھ دیا ہے وہ ان چند جملوں میں واضح ہے اور مستقبل کا نقشہ بھی ان ہی میں عیاں ہے۔ اب پیپلز پارٹی کو خود ہی فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے سنجیدگی سے اقدامات کرنا ہیں یا پھر وہ اپنے ہی خلاف ایک اور ہنگامہ خیز تحریک کا مقابلہ کرے گی؟

(مئی 2010ء)

اردو فونٹ
کیلئے

لوڈ شیڈنگ، مہنگائی، ہنگامہ آرائی

پاکستان شاید دنیا کا واحد ایسا ملک ہے جہاں کوئی بھی عام آدمی محفوظ نہیں۔ رشوت، ملاوٹ، اقربا پروری، اختیارات کا ناجائز استعمال، میرٹ کی خلاف ورزی، غرض بے لحاظ عہدہ جس شخص کا جتنا اختیار چلتا اور طاقت ساتھ دیتی ہے وہ اتنا ہی اس ملک اور اس کے مظلوم عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے۔ پالیسیاں، منصوبے، پانچ اور دس سالہ پروگراموں کے اعلانات صرف اخبارات اور کاغذوں تک محدود ہوتے ہیں جبکہ زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ پاکستان کے حالات دیکھ کر انسان خدا پر ایمان مزید پختہ اور مضبوط ہو جاتا ہے کہ واقعی کوئی طاقت ایسی ہے جو ایسی مملکت خداداد کو چلا رہی ہے، کیونکہ اس کا قیام ایک معجزے سے کم نہیں اور اس کا 63 سال تک چلنا ایک کرشمہ ہی ہے۔

امن و امان، لوڈ شیڈنگ، صنعتوں کی بندش، بیروزگاری، مہنگائی، تعلیمی حالت کی ابتری، پٹرولیم مصنوعات کے نرخوں میں آئے روز اضافہ، من مانے کرایوں کی وصولی، جعلی ہاؤسنگ سوسائٹیاں، اشیائے خورد و نوش کی چیزوں میں ملاوٹ، جعلی ادویات کی دھڑلے سے فروخت، ڈاکٹروں، افسروں، ٹھیکیداروں کی کمیشن کے چرچے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مہنگائی روز بارروز بڑھتی جا رہی ہے۔ جس کے نتیجے میں صرف اور صرف غریبوں کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مہنگائی میں کمی

سے متعلق سوالات کے جوابات سے بھی زور و شور سے جاری ہیں لیکن ان پر مجموعی توجہ صرف روزمرہ کی
فرج تک ہی محدود ہے۔ روزمرہ ضروریات کی جانب سے جاری کردہ نئے اعداد و شمار کے مطابق
8 اپریل 2010ء کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران انیسے خوردنوش کی قیمتوں میں گزشتہ ہفتے
کے مقابلے میں 4.18 اور گزشتہ ہفتے کی نسبت 79 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ایک ہفتے کے دوران
روزمرہ استعمال کی 53 اشیاء میں سے 21 کی قیمتوں میں اضافہ 8 میں کمی اور 20 میں استحکام رہا جبکہ
گزشتہ ہفتے پھل، انڈوں، دالوں، آلو، ٹماٹر اور لہسن کی قیمتوں میں اضافے کا رجحان رہا تھا
پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں کمی کے باعث ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں بھی کمی ہوئی ہے
لیکن ماہرین کے مطابق مہنگائی کی شرح میں کمی کا رجحان ابھی مستحکم نہیں ہوا ہے
اور آئندہ چند ہفتوں میں اس میں اتار چڑھاؤ کا امکان ہے۔ ان کے مطابق مہنگائی کی
موجودہ شرح کو مستحکم ہونے میں کم از کم 2 سال لگ سکتے ہیں لیکن اس کے بعد بھی معیشت
پر اس کے اثرات کئی سال تک محسوس کیے جاتے رہیں گے۔ ان ماہرین کے مطابق مہنگائی
کی موجودہ لہر نے جہاں صنعتوں اور کارخانوں کی بندش سے لاکھوں مزدور بے روزگار اور ہزاروں
کاروبار تباہ ہو گئے ہیں وہاں نچلے طبقے پر بھی کاروباری حلقہ پر پریشانیوں کا شکار ہے۔ حکمرانوں کی غفلت
اور پرانی منصوبہ بندی کے باعث بجلی کی شارٹ فال 5000 میگاواٹ تک پہنچ گیا ہے۔
موجودہ اور پرانی منصوبہ بندی کے مطابق پیپکو میں بجلی کی بچت نافذ کر دی گئی ہے۔ موجودہ
صورتحال کے مطابق بجلی کی طلب 15000 میگاواٹ جبکہ پیداوار 1000 میگاواٹ ہے جبکہ
حکومت نے طلب و رسد میں یہ خوفناک فرق بھی سنا دی ہے کہ اگلے مہینے سے بجلی کی صورتحال قدرے بہتر
ہو جائے گی۔ حکومت کی معاشی ترقی اور خوشحالی کے لئے بجلی دینے اور ایندھن کے دوسرے ذرائع کو
تلاش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ پیداواری عمل کے رکنے یا آمد و رفت کے ذرائع بڑھانے کے
لئے بجلی یا تیل کی فراہمی میں رکاوٹ ہے۔ بجلی پیدا کرنے کے دوسرے ایندھن سستے داموں اور
آسانی سے دستیاب ہیں تاکہ ان سے بجلی کی پیداوار ممکن ہو سکے اور روزگار

ہوتے ہیں ہر چیز مہنگی اور خوفناک ہوتی ہے۔ یہ وہ شعبہ ہے جہاں حکومتی کارکردگی کا جواب مطلوبہ ہوتا ہے
اس شعبے میں کوئی ٹھوس اقدامات اور منصوبہ بندی نظر نہیں آتی۔ ہر سال بجٹ میں کئی کئی اتھارٹیز
بنانے سے بھی عملی اقدامات آخر دن تک سامنے نہیں آتے۔ ہر سال بجٹ میں ہونے والی
بچت سے بھی کئی گنا زیادہ اضافی اخراجات کر لئے جاتے ہیں۔ ہر سال بجٹ میں
ہونے والی تنخواہوں میں اضافے کا بوجھ بھی عوام پر ہی ڈالا جاتا ہے۔ اس سال بھی
بجٹ میں اضافے کا بوجھ عوام پر ڈالا جائے گا۔ بجلی کی قیمتوں میں اضافے کی
وجہ سے ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں بھی اضافہ ہو گا۔ گیس کے نرخوں میں 20 فیصد اضافے کا
بھی امکان ہے۔ پیپکو سمیت سرکاری کارپوریشن کی جانب سے بجلی کی طلب سے بہت
زیادہ بجلی کی پیداوار کے انکار کے باعث مہنگی بجلی کے نرخوں میں 15 روپے فی یونٹ
اضافے کے تحت پہلے مرحلے میں 10 روپے فی کلو قیمت بڑھائی جائے گی جبکہ دوسرے مرحلے میں 5
روپے مزید اضافہ کیا جائے گا۔ عوام کو ریلیف دینے کی بجائے انہیں مشکلات کا شکار کرنے والے
فیصلے بلا خوف و خطر جاری ہیں۔ دوسری جانب سب سے زیادہ متاثر ہونے والی
تنخواہ دار طبقہ کی ہے جن کو صرف پے اینڈ پنشن کمیشن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کی رپورٹ کے اندر
مہنگائی 200 فیصد سے بھی بڑھ گئی ہے اطلاعات کے مطابق پے اینڈ پنشن کمیشن نے حکومت کو اپنی
رپورٹ پیش کر دی ہے جس میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں 50 فیصد اضافے کی سفارش کی
گئی ہے یہاں بھی سرکاری ملازمین کے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے اور اعداد و شمار کے ہیر پھیر کا گورکھ
دھندہ کھیلتے ہوئے یہ اضافہ 3 برسوں میں کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے جس کے بعد یہ حقیقت آشکارہ
ہو گئی ہے کہ 50 فیصد اضافے کا مطلب سالانہ 15 فیصد اضافہ ہے۔ 3 سال بعد مہنگائی کہاں تک
پہنچ چکی ہو گی حکمرانوں کو اس سے کیا غرض؟ دوسری جانب اگر صرف ریٹائرمنٹ کی صورتحال پر نظر ڈالتے
ہیں تو وہاں پر بھی پریشانی اور جمود کا عالم ہے۔ ملازمین کے باعث صرف ریٹائرمنٹ

سے متعلق شوکت خانم سے لاہور تک کی زور دار مہم سے بھی زور دار مہم چلائی ہیں لیکن ان پر مجموعہ آمد صرف زبانی جمع
خرچ تک ہی محدود ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات کی جانب سے جاری کردہ نئے اعداد و شمار کے مطابق
8 اپریل 2010ء کو ختم ہونے والے ہفتے کے دوران اشیائے خورد و نوش کی قیمتوں میں گزشتہ سال
اسی ہفتے کے مقابلے میں 18.4 اور گزشتہ ہفتے کی نسبت 19 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ایک ہفتے کے دوران
روزمرہ استعمال کی 53 اشیاء میں سے 27 کی قیمتوں میں اضافہ 8 میں کمی اور 20 میں استحکام رہا۔
گزشتہ ہفتے پٹرولیم مصنوعات میں تقریباً 4 روپے فی لیٹر اضافے سے ٹرانسپورٹ کے کرایوں میں اضافہ ہوا جبکہ ایل
پی جی کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوا تھا اور جلانے کی لکڑی سستی ہوئی۔ بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے ملک و
قوم کے بیشتر وسائل پر جو منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس کے بارے میں روزانہ پر تشدد واقعات سے
اپنی بے بسی اور نااہلی کے مطابق تصور دار سابقہ حکومتوں کو ہی قرار دے رہے ہیں موجودہ عوامی
حکومت کو برسر اقتدار آئے 2 سال ہو گئے ہیں لیکن اس نے بھی بحران کے حل پر سنجیدگی سے توجہ نہیں
دی یہی وجہ ہے کہ صنعتوں اور کارخانوں کی بندش سے لاکھوں مزدور بے روزگار اور ہزاروں
کارخانے بند ہو گئے ہیں۔ چھوٹی سطح پر بھی کاروباری طبقہ پریشانیوں کا شکار ہے۔ حکمرانوں کی غفلت
اور پرانی اور متروک بجلی کے باعث ہی آج بجلی کا شارٹ فال 5000 میگاواٹ تک پہنچ گیا ہے۔
وفاقی وزیر پانی و بجلی راجہ پرویز اشرف کے مطابق چھ ماہ میں ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی ہے۔ موجودہ
معاہدوں کے مطابق بجلی کی طلب 15000 میگاواٹ جبکہ پیداوار 1000 میگاواٹ ہے تاہم
ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر یہ خبر بھی سنا دی جائے کہ اگلے ماہ سے بجلی کی صورتحال قدرے بہتر ہو
جائے گی۔ صنعتی ترقی اور خوشحالی کے لئے بجلی، تیل اور ایندھن کے دوسرے وسائل کا
حصول ضروری ہے تاکہ پیداوار کے کارخانے کا نئے یا آمد و رفت کے ذرائع بڑھانے کے
لئے ضروری ہیں۔ بجلی، تیل اور ایندھن سستے داموں اور
وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں۔ لوگ برسر روزگار

ہوتے ہیں۔ چھوٹا کاروبار خوشحالی لاتا ہے۔ یہ ہمارا معاشی نظام ہے جس کا مقصد صرف
سے ملک میں دولت کا ارتکاز ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت کی جانب سے
ہیں اس سے عملی اقدامات آخر کب اٹھائے جائیں گے۔ اس کے علاوہ
کی وجہ سے مایوسی آفیسر اور عہدیدار اضافی بوجھ ہیں۔ یہ
اور بجلی سے قائم کی گئی آئل اینڈ گیس ریگولیٹری اتھارٹی کا ادارہ ہے
ہر دو قیمتوں میں اضافے کا براہ راست بوجھ عوام پر پڑتا ہے۔ ان
زیر سے متاثر ہوئے۔ گیس کے نرخوں میں 20 فیصد اضافے کا بوجھ بھی عوام پر
جبکہ پاکستان سٹوروز کارپوریشن کی جانب سے چینی کی درآمد میں تاخیر سے ہونے والے نقصان
اور چینی سے اسکارٹ کے باعث چینی کے نرخوں میں 15 روپے فی کلو اضافے سے عوام پر
جس کے تحت پہلے مرحلے میں 10 روپے فی کلو قیمت بڑھائی جائے گی جبکہ دوسرے مرحلے میں 5
روپے مزید اضافہ کیا جائے گا عوام کو ریلیف دینے کی بجائے انہیں مشکلات و مصائب میں مبتلا
کرنے والے تجربے بلا خوف و خطر جاری ہیں۔ دوسری جانب سب سے زیادہ متاثر سرکاری
ملازمین کو صرف پے اینڈ پنشن کمیشن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے جس کی رپورٹ کے انتظار میں
مہنگائی 200 فیصد سے بھی بڑھ گئی ہے اطلاعات کے مطابق پے اینڈ پنشن کمیشن نے حکومت کو اپنی
رپورٹ پیش کر دی ہے جس میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں 50 فیصد اضافے کی سفارش کی
گئی ہے یہاں بھی سرکاری ملازمین کے ساتھ الفاظ کی جادوگری اور اعداد و شمار کے ہیر پھیر کا گورکھ
دھندہ کھیلتے ہوئے یہ اضافہ 3 برسوں میں کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے جس کے بعد یہ حقیقت آشکارہ
ہو گئی ہے کہ 50 فیصد اضافے کا مطلب سالانہ 15 فیصد اضافہ ہے۔ 3 سال بعد مہنگائی کہاں تک
پہنچی ہو گی حکمرانوں کو اس سے کیا غرض؟ دوسری جانب اگر صرافہ مارکیٹوں کی صورتحال پر نظر ڈالتے
ہیں تو وہاں پر بھی پریشانی اور جمود کا عالم ہے عالمی سٹہ بازوں کے باعث صرافہ مارکیٹ مندی کا

توانائی کا بحران

صدیوں سے دنیا کی بحرانوں کا شکار رہے۔ کسی ملک میں سیاسی بحران ہے تو کہیں غذائی بحران ہے۔ کئی ممالک میں وقتاً فوقتاً بحران میں مبتلا ہیں مگر محنت میں مظلمت ہے۔ جاپانیوں، چینیوں اور کوریائیوں نے سخت محنت سے دو مقام حاصل کر لیا ہے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ ان ممالک کا ہر باشندہ ملک کے لئے سوچتا ہے۔ اپنی ذات سے بالاتر ہو کر ملک کے لئے کام کرتا ہے اور ہم ہیں کہ پہلے تریجھ دیتے ہیں اس کے بعد ملک کی سوچتے ہیں۔ جب تک اجتماعی سوچ پیدا نہیں ہو گی ملک بحرانوں کا شکار رہے گا۔ پاکستان کو قدرت نے بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ ملک کئی پیچیدہ فرسودگی سے دوچار ہے مگر ان کو تلاش کرنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ دنیا کی بہترین زرعی زمین ہمارے پاس ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا اور موثر نہری نظام ہمارے ملک میں ہے۔ زرعی پیداوار میں نصف صدی گزرنے کے باوجود آج بھی درآمد کرتے ہیں۔ ان میں سرفہرست خوردنی تیل اور بیج ہے۔ چینی کے پچاس کارخانے ملک میں ہیں مگر ہم چینی درآمد کرتے ہیں۔ دالوں کی پیداوار میں اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ اور تھور کے مسائل جوں کے توں ہیں۔ پالیسیوں پر عمل درآمد کرتے ہیں مگر ان میں بہتری لانے کا کام نہیں لیتے۔

اس وقت ملک انرجی یا توانائی کے بحران کا شکار ہے۔ ہم اکثر اوقات دیہاتوں میں پانی کی قلت کا سنتے ہیں کہ فلاں دیہات میں پانی کی سطح بہت نیچے چلی گئی ہے۔ یہ بات پہلے سے ذہن میں بھی ہوتی ہے کہ پانی کی کمی کا مسئلہ درپیش ہے۔ دیہاتوں میں توانائی کی کمی کس طرح اثر انداز ہو رہی ہے۔ اس توانائی کے بحران سے زرعی پیداوار کس حد تک متاثر ہوئی ہے اور مستقبل میں اس کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے بہت کم لوگ سوچتے ہیں۔ اکثر حضرات نے اس چیز کو اس طرح نظر انداز کیا ہوا ہے۔

پاکستان توانائی کے وسائل سے بھی مالا مال ہے۔ ان وسائل سے سستے داموں بجلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ قدرتی گیس سے وافر مقدار میں بجلی پیدا کی جا رہی ہے۔ یہ بجلی توانائی کی ضرورت کا بڑا حصہ پوری کرتے ہیں۔ تیل بھی موجود ہے مگر اس قدر نہیں ہے۔ تیل کی عمل نہ ہونے کی وجہ سے ہم اب ثابت ہو چکا ہے کہ ہم بہت بڑے ذخائر کے مالک ہیں مگر وہ مقدار میں نہیں ہے۔ دوسرے ملک میں آبی ذخائر بھی موجود ہیں اور آبی توانائی بھی موجود ہے۔ اس کے ذریعہ توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر قدرتی گیس ملک میں نہ ہوتی تو توانائی کی صورتحال بدترین ہوتی۔ اس وقت توانائی کا بحران ذیلوں کی وجہ سے ہے۔ ترجیحات کے بعد دوسرا بنیادی نہیں ہوا ہے منصوبہ بندی ہوتی رہی۔ اگرچہ کئی امکانات ہیں کہ آبی توانائی کا حصول ہو سکتی۔ دیرآید درست آید کے مصداق اب بھی موقع ہے کہ آبی ذرائع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کے لئے متبادل ذرائع بھی ہونے چاہئیں۔ بجلی، گیس، تیل اور کوئلہ سے بجلی پیدا کرنے کے کارخانے لگائے جائیں تاکہ بنیادی ضرورت بجلی وافر مقدار میں دستیاب رہے اور اس طرح ملک زرعی اور صنعتی ترقی کر سکے۔ ذیلوں کے ذریعہ بجلی پیدا کرنے کو ترجیح دی جائے اس کے چار پانچ فوائد ہیں اور ان کی تعمیری مدت پانچ سال سے بھی کم عرصہ میں حاصل ہو جاتی ہے بجلی پیدا کرنا ان کا اولین فائدہ ہے اس کے بعد زرعی ترقی ہے۔ پانی کی حسب ضرورت کھیتوں کو فراہمی اور جہاں نہری زمینیں نہیں ہیں وہاں پر ٹیوب ویلوں کے ذریعے پانی کی فراہمی وغیرہ۔ واضح رہے کہ ٹیوب ویل بجلی سے چلتے

ہیں۔ ان ذریعوں کی مدد سے صنعتی ترقی بھی ہوگی اور کارخانے بجلی کی مسلسل فراہمی کی وجہ سے دن
پیداوار دوبنی ہے۔ ہر سال ۱۵ فیصد پیداوار بجلی کی عدم دستیابی کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے جس سے قومی
برآمد میں کمی اور بے روزگاری بڑھتی ہے۔ بجلی کے کھمبے قوم کے ضائع ہو جاتے ہیں۔ ذریعوں سے بجلی
کرنا بھی تجدید پذیر توانائی کے زمرے میں آتا ہے کیونکہ قدرت پانی مسلسل نظام سے ذریعہ فراہم
فراہم کرتی رہتی ہے۔ ان میں کوئی خام مال استعمال نہیں ہوتا۔ صرف پانی اور پانی۔ ہمارے پہاڑ
برف کی شکل میں پانی محفوظ کرتے ہیں۔ اس طرح سے بجلی پیدا کرنے سے ماحول آلودہ نہیں ہوتا
ہے۔ ان ذرائع میں پن بجلی مسلمہ اثبوت توانائی ہے۔ ان ذرائع کو کئی ممالک میں بہت عرصہ پہلے
سے چلا کر بہت زیادہ مقدار میں بجلی حاصل کی جا رہی ہے۔ پن بجلی کے ذریعوں سے ذریعہ حسب
ضرورت پانی دریاؤں اور نہروں میں رواں کیا جاتا ہے۔ پانی بلاوجہ ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اس سے
ذریعے پانی کی سطح دریاؤں اور انہار کے اردگرد میں پھیلنے سے روکا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ
ذریعوں سے سیلاب کو بھی قابو کیا جاتا ہے۔ سیلابوں سے ہر سال کروڑوں روپے کا نقصان ہوتا
ہے۔ ذریعوں سے علاقہ کی آبادی نہیں ہوتی۔ پن بجلی پیدا کرنے کے لئے صرف پانی کی
ضرورت ہوتی ہے اور وہ استعمال کے بعد بھی کام آتا ہے۔ یعنی پن بجلی پیدا کرنے کے کئی فوائد
ہیں۔ لہٰذا وقت ضائع کیے بغیر پن بجلی کے منصوبوں پر عملی کام شروع کیا جائے۔ اس پر خرچ کیا ہوا
سرمایہ بہت کم عرصہ (یعنی پانچ سال سے بھی کم) میں وصول ہو جائے گا۔ مزید فضل زیادہ
اور مسلسل صنعتی پیداوار ملک میں خوشحالی لائے گی اور آلودگی سے بھی نجات مل جائے گی۔ سیلابوں کو
زیرکیا جا سکے گا۔ زرعی زمینوں کی بیماری بھی ختم ہو جائے گی۔ پانی ضائع ہونے سے بچ جائے
گا۔ پن بجلی سے روزگار کی وافر مقدار میں فراہمی سے بھی نجات مل جائے گی۔ اگر یہ ڈیم پہلے ہی تعمیر کر لئے
جاتے تو یہ بھی مد خرچ نہ ہوتا اور آج ہم توانائی کا بحران پیدا ہی نہیں ہونے دیتے اور اربوں ڈالر
ہر سال بچا چکے ہوتے۔ پن بجلی سے قدرتی گیس اور تیل کی بھی بچت ہوتی۔

رہی ہے اور مقامی صنعت کے لئے استعمال کر سکتے تھے۔ واضح رہے کہ گیس سے ملک میں
سالانہ بچت ہوتی ہے جو کہ اس سے متعلقہ دوسری صنعتی اہمیت کی اہمیت رکھتی ہے۔ اس طرح
ہی بجلی سے بھی ہم قدر سے سستی بجلی تیار کر سکتے تھے مگر چونکہ اس طرف توجہ نہیں دی گئی اور ہم
صنعتی ترقی سے محروم ہوتے چلے گئے۔ دوسری طرف سے ہمارے پاس وافر مقدار میں
موجود ہے۔ آج بھی موقع ہے کہ ہم پن بجلی سے فوائد حاصل کریں۔ ہمارے پہاڑوں
میں کئی مقام پر ایسے علاقے بھی پن بجلی پیدا کر سکتے ہیں جہاں سے ذریعہ حصول کی وجہ سے اور بہتی ہوئی
بجلی کو استعمال کیا جا سکے۔

اچھی قومیں مستقبل پر نظر رکھتی ہیں اور جو منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ امریکہ میں چھوٹے سے
چھوٹے شہر کی سڑکیں بڑے بڑے شہروں کی سڑکوں کے برابر ہوتی ہیں تاکہ آئندہ پچاس سال
میں بعد ان سڑکوں کو چوڑا کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اس طرح پانی کی لائنیں بھی اسی حساب
سے بچھائی جاتی ہیں کہ پچاس سال بعد بھی کارآمد ہوں اور موسمی اثرات سے محفوظ رہیں۔
چھوٹے چھوٹے قصبوں میں بڑے بڑے ریلوے اسٹیشن بس کے اڈے اور ایئرپورٹ ہوتے ہیں
تاکہ سالوں تک مزید توسیع کی ضرورت نہ پڑے۔ ہماری منصوبہ بندی کا یہ حال ہے کہ دس بارہ
سال میں ہی مزید توسیع کی ضرورت ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ناقص تعمیر کی وجہ سے بھی دوبارہ
تعمیر و مرمت کی ضرورت درکار ہوتی ہے۔

پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اور بیش قیمت نعمتوں سے نوازا ہے۔ قدرتی گیس سوئی کے
مقام پر 1952ء میں دریافت ہوئی تھی جو کہ صوبہ بلوچستان میں واقع ہے اور سب سے پہلا گیس
پلانٹ کراچی میں 1955ء میں روشن ہوا تھا۔ اس وقت اندازہ تھا کہ یہ ذخائر سو سال تک کارآمد
رہیں گے مگر استعمال کی رفتار سے اب اندازہ ہے کہ صرف 63 سال تک کے لئے کافی ہیں۔
بدقسمتی سے اب قدرتی گیس کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ قدرتی گیس سے کھاد تیار ہوتی ہے اور

بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ اس لئے مقام شکر ضرور ہے مگر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اگر
قدرتی گیس نہ ہوتی تو توانائی کی صورت حال بہت زیادہ خراب ہوتی۔ توانائی کی قومی ضروریات
پیدا نہ ہوتی ہے۔ اس وقت توانائی کے اخراجات کے لحاظ سے امریکہ سرفہرست ہے کیونکہ یہ
ریاست ہے متحدہ امریکہ دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے۔ امریکہ میں بجلی کے تسلسل سے فراہمی
کے بارے میں کوئی شخص سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر کبھی یہ خلل واقع ہو بھی گیا تو وہاں ہزاروں
ہو جائیں گے کیونکہ کثیر المنزلہ عمارتوں میں لفٹیں رک جائیں گی ہوائی اڈے بند ہو جائیں گے۔
زیر زمین ریلوے کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ ہزاروں آدمی دم گھٹنے سے موت کے منہ میں چلے
جائیں گے۔ تعریف تسلیس والا بجلی کا نظام بھی تو انسان ہی نے ترتیب دیا ہے۔ ہمارے ملک میں یہ
کیفیت نہیں ہے۔ قدرتی گیس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں پتھر کا کوئلہ، سنگ مرمر،
تیل، تانبہ، سونا، چاندی اور دیگر بیش بہا اور بیش قیمت معدنیات سے ہمارے ملک کو نوازا ہے۔
کوئلہ کافی مقدار میں تو مصنوعوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر اس کا استعمال سب سے کم ہے۔ اس کی کئی
وجوہات ہیں۔ ان میں روایتی سستی اور کاہلی کا بھی دخل ہے۔ کوئلے پر جس قدر تحقیق اور ترقی ہونا
چاہیے تھی نہیں ہو سکی۔ اب بھی موقع ہے کہ کوئلہ جیسے انعام خداوندی پر توجہ دی جائے۔ کوئلہ سے
مختلف اقسام کے کیمیکلز اور کیمیکلز تیار ہو سکتے ہیں۔ کوئلے کو گیس میں تبدیل کیا جا سکتا
ہے۔ [illegible] ذخائر 12.5 بلین ٹن ہیں جن میں سے 197.5 ملین ٹن کی پیداوار کی
جا چکی ہے۔ 188.1 بلین ٹن کی نشاندہی کی جا چکی ہے اور 663 ملین ٹن کا صحیح اندازہ ہے۔
[illegible] ہے اور "بی ایس پی" کے مطابق سندھ میں تھر دریافت کے ذخائر کو
[illegible] ہیں۔ یہ ذخائر ہماری توانائی کی پانچ سو سال کی ضروریات کے لئے کافی
[illegible] ہے ملک میں معدنی تیل نکالا جا رہا ہے۔ جس قدر تیل
[illegible] وقت تک ملک کی تیل کی ضروریات بڑھ چکی ہوتی ہیں۔ تیل

کی سالانہ درآمدات میں سات سے دس فیصد سالانہ اضافہ ہو جاتا ہے اس طرح پچھلے کئی سالوں سے تیل
کی درآمدات کا بل پچیس فیصد تک تیل کی ذرائع سے پورا کیا جاتا ہے۔ تیل کی دریافت
[illegible] پیداوار میں یا تو تیل اور گیس کی صورت میں درآمد ہوتا ہے اور تقریباً [illegible]
کی صورت میں درآمد ہوتا ہے جو کہ ملک کی دو تیل صاف کرنے والی ریفائنریوں میں پیدا ہوتا ہے
جو کہ گاڑیوں اور دیگر کاموں میں استعمال ہوتا ہے۔ پچھلے پچیس سالوں سے ملک میں کوئی نئی
ریفائنری نہیں لگائی گئی ہے اس لئے بھی ہمیں لازمی صاف تیل درآمد کرنا ہوتا ہے جس پر بھاری
زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک توانائی کے نئے ذرائع دریافت نہیں ہوں
گے ملک توانائی کے بحران سے نہیں نکل سکے گا بلکہ یہ مسائل دن بدن بڑھتے رہیں گے اس سے
[illegible] میں زرعی، صنعتی اور دیگر ترقی متاثر ہوتی رہے گی۔ توانائی ملک کے لئے رگوں میں خون کی حیثیت رکھتی
ہے۔ لہٰذا اس طرف بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے سب سے پہلے تو ذرائع پر توجہ دی جائے جو
کہ توانائی کا سب سے آسان اور سستا ذریعہ ہیں اور اس کی مہارت ملک میں دستیاب ہے۔ اس
کے بعد توانائی کا سب سے بڑا منبع کوئلہ ہے اس کے استعمال پر توجہ دی جائے۔ ہمارے مسائل
ہمیں ہی حل کرنا ہیں۔ ہمارے کوئلہ کے لئے بیرون ممالک کے ماہرین ہرگز نہیں کریں گے جو کہ ایک
پاکستانی کر سکتا ہے۔ کیونکہ پاکستانی کوئلہ کے مسائل پاکستانی ماہرین ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔
اس وقت ملک میں توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ کوئلہ ہے اس پر مزید تحقیق اور ترقی کی ضرورت
ہے۔

اس کے علاوہ غیر روایتی ذرائع سے بھی توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جس میں شمسی توانائی،
ہوائی توانائی، جنگلات کی ترقی، بائیو گیس، موجی توانائی اور آبی توانائی وغیرہ شامل ہیں۔
ویسٹ ریجن بھی ایک بہت عمدہ صفائی آلودگی سے پاک سستی اور سہل ترین توانائی ہے۔ پانی

اس آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ لیجیے

کے پیش کی۔ مذکورہ رپورٹ میں عوام کے ٹیکسز کی آمد میں مائدہ ناجائز مصولیوں کی نشاندہی کی گئی اور اسے غیر منصفانہ اور غیر ضروری قرار دیکر حکومت سے پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں نظر ثانی کی سفارشات پر مبنی رپورٹ پیش کی۔ تاہم حکومت نے پٹرولیم ڈویلپمنٹ لیوی کی مد میں ناجائز ٹیکس عائد کر دیا اور اعداد و شمار کی شعبدہ بازیوں اور الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے بدستور عوام کا خون نچوڑا جاتا رہا۔ ملک میں بدترین مہنگائی کی ایک وجہ جہاں ٹیکسوں کا بوجھ ہے وہاں حکومتی اہلکاروں، وزراء اور مشیروں کی عیاشیوں پر مبنی بیرونی دوروں اور اس کے نتیجے میں ہونے والے بھاری بھرکم اخراجات بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سال 2008ء اور 2009ء میں مہنگائی عروج پر رہی اور آئے روز کی مہنگائی و بے تحاشا اضافے نے عوام کا جینا دوبھر کیے رکھا ہے۔ جبکہ وزراء و مشیران اور انتظامی افسران نے اپنے اخراجات میں کوئی کمی نہیں کی۔

گزشتہ دو سالوں کے دوران موجودہ حکومت نے تعلیم اور صحت کی مد میں مختص کی گئی رقوم میں تخفیف کی ہے۔ 30 جون 2009ء کو ختم ہونے والے مالی سال میں یہ بالترتیب 1.1 اور 0.3 فیصد رہیں۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے تعلیم اور صحت کے میدان میں اس تناسب میں رقوم خرچ نہیں کی گئی تھیں۔ معاشی تجزیہ نگاروں کے مطابق 1990ء کی دہائی کو فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے دور میں سیاسٹ ملک نے بھی معیشت کے لحاظ سے ناکام دہائی قرار دی تھی۔ مگر اس دہائی میں بھی تعلیم کی مد میں 2.3 فیصد اور صحت کی مد میں 0.7 فیصد رقوم خرچ کی گئی تھیں۔ مالی سال 2009ء میں مجموعی قومی پیداوار کے تناسب سے تعلیم اور صحت کی مد میں خرچ کی جانے والی یہ رقوم افریقہ کے بہت سے انتہائی غریب ممالک کے مقابلے میں بھی انتہائی کم ہیں۔ جبکہ حکمران کے سرکاری خرچ اور فضول خرچی پر مبنی مذکورہ ممالک سے بھی زیادہ ہیں۔ وفاقی حکومت کی طرف سے تعلیمی بجٹ میں کٹوتی کا یہ رجحان موجودہ مالی سال میں بھی برقرار ہے۔ اساتذہ کے مسائل، پاکستان کے غریب عوام کی قوت خرید میں کمی اور مہنگائی کی وجہ سے شہروں میں یونیورسٹیز اور کالجز

میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد میں کمی کے ساتھ ساتھ تعلیم کے شعبے میں کرپشن کے بے پناہ رجحان کی وجہ سے یونیورسٹیز اور کالجز بھاری فیسوں سے عوام الناس کو مزید دور کر رہے ہیں۔ دیہاتوں میں رہائش کی سہولت نہیں دی جاتی جس کی وجہ سے ان علاقوں میں ڈاکٹرز تعینات نہیں ہوتے۔ نرسز، پیرا میڈیکل سٹاف اور رہائشی مسائل کی وجہ سے تعلیمی اداروں میں غیر حاضری کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ حکومت نے ان دو سالوں کے دوران پورے ملک میں تقریباً صفر فیصد اضافی اور ترقیاتی بجٹ میں بھی تعلیمات اور ملازمت پیشہ خواتین کے لئے ڈے کیئر سنٹرز اور رہائشی ہاسٹلز کی بنیاد نہیں رکھی۔ سرکاری اور نجی یونیورسٹیز اور کالجز میں طلباء سے وصول کی جانے والی فیسوں کا تعین بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اسی طرح صحت کا پیکج تقریباً 70 فیصد بیماریوں کا احاطہ نہیں کرتا۔ جبکہ ایچ آئی وی کی طرف سے ایڈز کے پھیلاؤ کے حوالے سے بھی حکومت کی طرف سے کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کیے جا رہے۔ وزارت صحت میں حکومتی عہدیداروں کی ساری کوشش اعلیٰ معیار زندگی سے بہتر مفت طبی سہولیات کی جانب راغب کرنے پر لگی ہوئی ہے جبکہ پاکستان میں بیرونی امداد پر ادویات کی فراہمی کثرت سے جاری ہے وہاں ادویات کی قیمتیں بغیر کسی حد و قیود کے مقرر کی گئی ہیں۔ ڈرگ ریگولیٹر اتھارٹی کنٹرول کمیٹی نہیں ہے جو ان ڈرگ کمپنیوں کو قیمتیں بڑھانے سے روک سکیں۔

گزشتہ 2 سال کے دوران کرپشن کے سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے گئے۔ کرپشن کی اجتماعی اور انفرادی ہر سطح پر حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔ قومی اداروں کو ذاتی جاگیر سمجھ کر لوٹا جا رہا ہے۔ نجکاری کے نام پر کی گئی سرمایہ کاری عدم تحفظ کا شکار رہی۔ وزارتوں اور دیگر سرکاری اداروں میں قواعد سے ہٹ کر بھرتیاں کی گئیں اور من پسند افراد کو نوازنے کا سلسلہ جاری رہا۔ سرکاری اداروں میں بھرتیوں کے حوالے سے اشتہارات تو دیئے گئے اور اس کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد میں تعلیم یافتہ نوجوانوں نے اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے درخواستیں بھی جمع کرائیں اور انٹرویو بھی دیئے۔ لیکن پہلے سے طے شدہ "فارمولے" کے تحت مخصوص لوگوں کو ہی نوکریوں سے نوازا گیا اور جو

"Pakistan Climbs 5 places to 42nd most ... ہے۔

corrupt country in 2009" اپنی رپورٹ میں ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل آگے چل

"Pakistani needs immediate enforcement good ... ہے۔

governance and a transparent administration to counter

the acute problems, the billion of rupees corruption

scams reported in the Pakistan Steel TDAP [illegible]

PIA, rentel power plants, KESC, NIC NHA [illegible]

PSO, PEPCO, CDA DP Division DHAs the NBP ...

many other organ...

...

...

...

بری طرح متاثر کیا گیا ہے۔ اسٹیٹ بنک کا ذخائر کا ذخائر ریٹ 15 فیصد ہے جس کی وجہ سے کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گئی ہے۔ 20 سے 24 فیصد سود پر قرضے لے کر کون کاروبار کر سکتا ہے؟ تیل کی قیمتیں عالمی منڈیوں میں 148 ڈالر فی بیرل سے کم ہو کر 40 اور 36 ڈالر فی بیرل تک گر گئیں لیکن حکومت نے تیل کی قیمتوں میں کمی کر کے عوام کو ریلیف فراہم نہیں کیا۔ ایک اندازے کے مطابق حکومت عوام سے پٹرولیم مصنوعات پر مختلف ٹیکسوں کے ذریعے 80 ارب روپے سے زائد کما رہی ہے۔

موجودہ حکومت نے اپنے قیام سے ہی عدلیہ کی آزادی کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ عوام کو دھوکہ دینے کیلئے تو متعدد بار عدلیہ کی آزادی کا اعتراف کیا گیا لیکن عملاً جس طریقہ سے 16 اکتوبر 2008ء کے دن عوام نے خود عدلیہ کو بحال کرایا (اس سے پہلے صدر صاحب نے خود کہا کہ عوام نے عدلیہ کی آزادی کے لئے ووٹ نہیں دیئے بلکہ روٹی، کپڑا اور مکان کے لئے ووٹ دیئے ہیں)۔ پٹرولیم مصنوعات اور چینی کی قیمتوں میں ناجائز اضافہ اور بحران کے خلاف سپریم کورٹ کے فیصلہ پر عملدرآمد کرنے کی بجائے پٹرولیم مصنوعات پر پٹرولیم ڈویلپمنٹ لیوی لگائی گئی اور چینی مافیا کے خلاف کسی قسم کی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ بلکہ سپریم کورٹ کے واضح حکم میں چینی کی متعین کردہ قیمت کے باوجود حکومت اور بالخصوص وفاقی حکومت کی طرف سے چینی مافیا کو اپنی صفوں سے نکالنے کے بجائے ان کی حمایت کی گئی اور اس طرح اس فیصلہ پر بھی عملدرآمد نہیں ہو سکا جس کے نتیجے میں آج چینی کی فی کلو قیمت 80 روپے تک پہنچ گئی ہے اور ملک بھر میں چینی کا شدید بحران ہے۔ عوام سنگین بحران کا سامنا ہے۔ این آر او جیسا کالا قانون جو پرویز مشرف نے اپنے پرستار پی پی پی اور ایم کیو ایم کو قومی چور بچانے کے لئے نافذ کیا تھا، اس کا دفاع کیا گیا اور [illegible] سے پوری قوت سے پیش کی گئی۔ تاہم شدید عوامی دباؤ کے باعث حکومت کو اپنی اس [illegible] میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور پارلیمنٹ نے اسے منظور کرنے سے صاف انکار [illegible]

(جون 2010ء)

لوٹ مار، دھونس دھاندلی کب تک؟

دو سال سے زائد عرصہ سے برسر اقتدار حکومت نے مثبت تنقید، اپنی چند غلطیوں اور بعض [illegible] ان کے نزدیک معتوب ہے جو حکومتی غلطیوں کی نشاندہی کرے۔ سیاست کے جو گُر سے جو گُن کھائے جا رہے ہیں اس سے تو پاکستانی بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں کیونکہ ہمارے حکمرانوں کا یہ مرغوب مشغلہ ہے لیکن معیشت کے حوالے سے پاکستان کو [illegible] تحت اثری کی جن گہرائیوں میں دھکیلا جا رہا ہے اس کا تصور بھی لرزا دینے والا ہے۔

عالمی بینک نے حال ہی میں جاری کی جانے والی اپنی رپورٹ میں پاکستان کو بدترین معیشت والے ملکوں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس سے قبل افغانستان اور نیپال اس فہرست میں موجود تھے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں دہشت گردی اور امن و امان کے مسائل گزشتہ چند سالوں سے کافی حد تک بڑھ چکے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کی معیشت بالکل تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ پاکستان میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات اب تک افغانستان کی نہج تک نہیں پہنچے ہیں مگر اس کے باوجود حالات اتنے خراب ہیں کہ آئندہ چند سالوں میں معیشت کی بحالی کے امکانات نظر نہیں آتے۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ نے جہاں معاشی ترقی کے حکومتی دعووں کی قلعی کھول دی ہے وہیں
دنیا بھر کے ترقی یافتہ ملکوں کو ایک خاموش پیغام بھی دیا ہے کہ وہ پاکستان میں سرمایہ کاری سے
بچیں بھارت اور سری لنکا جیسے ممالک میں سرمایہ کاری کو ترجیح دیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ
بھارت کی معاشی ترقی کی رفتار ترقی کی طرف گامزن ہے جبکہ سری لنکا کی معیشت بھی تامل ٹائیگرز
سے چھٹکارے کے بعد ترقی کے زینے چڑھ رہی ہے۔ عالمی بینک کی یہ رپورٹ ایسے وقت میں
جاری کی گئی ہے جب پاکستان کی حکومت اپنی کئی بڑی کمپنیوں کے بانڈز عالمی مارکیٹ میں
متعارف کرانے کا اعلان کر چکی ہے اور کئی روڈ شو بھی ان بانڈز کی مارکیٹنگ کے لئے متعارف
کرائے گئے ہیں جبکہ حکومتی سطح پر یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ ملک میں سرکاری اداروں کی نجکاری کا
عمل دوبارہ شروع کیا جائے گا جس کے تحت پہلے مرحلے میں بڑی انرجی کمپنیوں جس میں او جی
ڈی سی ایل اور پاکستان اسٹیٹ آئل شامل ہیں، کے بانڈز جاری کیے جائیں گے جس سے حکومت
کو خاطر خواہ آمدنی ہوگی۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ حکومتی سطح پر اب تک اس رپورٹ میں پاکستان کے خلاف جو زہر اگلا
گیا ہے، اس پر کوئی شور نہیں مچایا گیا اور نہ ہی حزب اختلاف کے نمائندوں نے اس پر کوئی آواز
اٹھائی ہے۔ عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں امن و امان کا جو منظر نامہ پیش کیا ہے،
زمینی حقائق اس کے برعکس ہیں۔ عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں پاکستان میں دہشت گردی کے
واقعات بڑھنے کی نشاندہی کی ہے مگر عالمی بینک کو یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ پاکستان کے یہ
حالات اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ یہ مسائل تو ہمیں امریکہ اور برطانیہ جیسے ترقی یافتہ
ممالک سے ملے ہیں اور ان حقائق تو یہ ہیں کہ پاکستان نے اپنے مستقبل کو داؤ پر لگا کر عالمی
دہشت گردی کے خلاف جنگ میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی مدد کی ہے مگر اس کے بدلے
میں [illegible] جو وعدے کیے گئے تھے، وہ ایک سال گزر جانے کے

باوجود پورے نہیں ہوئے۔ پاکستان میں دہشت گردی سے پہلے ہونے والے واقعات کی روک تھام
اور پاکستان کی معاشی ترقی میں حائل رکاوٹوں سے متعلق جب پاکستان فورم بھی بنایا گیا
تھا جس میں پاکستان سے پڑوسی ممالک سمیت کئی ترقی یافتہ ممالک بھی شامل تھے مگر اس فورم سے
آج تک زبانی جمع خرچ کے علاوہ پاکستان کی عملی مدد نہیں کی اور [illegible] امداد بھی کمی کی ہے تو وہ
[illegible] میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ سے سازش کی بو آ رہی ہے اور لگتا ہے ایسا اس پروپیگنڈے سے پڑوسی
ممالک کی لابی متاثر ہوئی ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی کے واقعات میں گزشتہ چند سالوں میں
اضافہ ضرور ہوا ہے مگر یہ دہشت گردی پاکستان کے چند حصوں تک محدود ہے جس میں اس وقت
سرفہرست سرحد اور بلوچستان ہیں جبکہ پنجاب کے بعض علاقے بھی اس سے جزوی متاثر ہوئے
ہیں اور پاکستان کی معیشت میں اہم ترین کردار ادا کرنے والے شہر کراچی میں آئے روز واقعات ہوئے
بھی ہیں تو وہ بہت کم ہیں مگر عالمی بینک کی رپورٹ میں اس امر کی کوئی نشاندہی نہیں کی گئی ہے کہ وہ
کون سے علاقے ہیں جو دہشت گردی سے زیادہ متاثر ہیں۔

عالمی بینک کی اس رپورٹ پر معاشی ماہرین بھی کچھ زیادہ خوش نظر نہیں آتے۔ ان کا کہنا ہے کہ
ہر مشکل میں ضرور ہیں لیکن اس کے باوجود ہماری معیشت کی شرح نمو اضافہ کی طرف گامزن ہے
اور رواں مالی سال میں بھی ملک میں جی ڈی پی کی ترقی کی شرح بڑھائی سے تین فیصد رہنے کا
امکان ہے جبکہ آئندہ سال اس ترقی کی شرح چار فیصد تک متوقع ہے۔ پاکستان کو معاشی طور پر جس
مسائل کا سامنا ہے۔ وہ بھی ہمارے نام نہاد دوست ممالک کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اس وقت
پاکستان کو سب سے بڑا مسئلہ توانائی کا ہے۔ جس کو حل کرنے کے لئے ہمارے دوست ممالک
جن کی خاطر ہم نے ایک نہ ختم ہونے والی جنگ شروع کر رکھی ہے۔ وہ بھی اس میں ہماری مدد کے
نے صرف اعلانات ہی کر رہے ہیں جبکہ عملی طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا جا رہا۔ معاشی ماہرین کے

بقول پاکستان کو چاہیے کہ وہ اس رپورٹ پر عالمی بینک کے پاس اپنا احتجاج ریکارڈ کرائے اور اس رپورٹ پر خاموش نہ بیٹھے بلکہ اس کو مجبور کرے کہ وہ اس رپورٹ میں سے پاکستان کا نام ہٹائے کیونکہ پاکستان اور افغانستان کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پاکستان میں امن وامان کے حالات کو افغانستان سے نہ ملایا جائے۔ پاکستان کی معیشت نامساعد حالات سے باوجود تراوٹ کی طرف نہیں ہے اور اب تک اس کی ترقی کی شرح مثبت رہی ہے۔ پاکستان میں نئی انڈسٹریاں اب بھی لگ رہی ہیں اور کئی غیر ملکی تارکین پاکستان میں بدستور نئی سرمایہ کاری کے منصوبے شروع کر رہے ہیں۔ عالمی مالیاتی ادارے آئی ایم ایف سمیت کئی ممالک پاکستان کی معاشی ترقی کا اعتراف کر چکے ہیں اور آئی ایم ایف نے حال ہی میں ایک بیان بھی جاری کیا ہے جس میں پاکستان کے معاشی حالات پر اطمینان کا اظہار کیا گیا ہے اور اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ پاکستان معاشی مسائل کے گرداب سے باہر نکل آیا ہے۔ عالمی بینک نے اپنی اس رپورٹ کی تیاری میں آئی ایم ایف کی ان رپورٹس کو بھی نظر انداز کر دیا ہے۔ عالمی بینک کا شمار دنیا کے چند بڑے مالیاتی اداروں میں ہوتا ہے جس کی رپورٹس کو دنیا بھر کے سرمایہ کار اہم نظروں سے دیکھتے ہیں لہٰذا اس کی جانب سے پاکستان کو معاشی بدحال ممالک کی فہرست میں شامل کرنا افسوسناک ہے۔ جس سے نہ صرف بچنا پر احتجاج کرنا چاہیے۔ معاشی ماہرین کے نزدیک اگر ایسی کوئی رپورٹ [illegible] سے نکالی جاتی تو بھارت نہ صرف اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتا بلکہ اس پر اتنا احتجاج کرتا کہ عالمی بینک کو اپنی رپورٹ پر نظر ثانی اور معافی مانگنا پڑتی مگر چونکہ ہمارے حکمران [illegible] مفادات کے حوالے سے [illegible] میں لگے ہوئے ہیں اس لئے اس رپورٹ پر کوئی آواز اب [illegible] سے [illegible] کی خراب کارکردگی اور ناکام سفارتکاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

[illegible] ہمارے اور چند [illegible] پیدا کردہ ہیں۔ ظاہر ہے ہمارا

[illegible] پاکستان کو ناکام ریاست قرار دلانے کے لئے ہر ممکن سازش کرے گا۔ عالمی کرپشن [illegible] ایک رپورٹ ہے جو ہم نے خود اپنے آپ داغدار اور جس نے کبھی معیشت و اندرونی اندر عوام کے رکھ دیا ہے۔

ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل پاکستان نے کہا ہے کہ ایک سال میں پاکستان میں کرپشن کی شرح 100 فیصد بڑھ گئی ہے۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق سال 2008-09ء کے دوران 323 ارب روپے خورد برد کر دیئے گئے ہیں جو صرف ریونیو پارٹ کی میں 2 ارب ڈالر کی کرپشن ہوئی ہے۔ اسٹیل ملز میں 29 ارب اور پی آئی اے میں 9 ارب کی کرپشن سامنے آئی ہے۔ ذخائر ارب روپے کی بے ضابطگیاں خلاف ورزی میں کی گئی ہیں جو کل گھپلوں کا 63.0 فیصد بنتی ہیں۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی اس رپورٹ میں اور بھی دل ہلا دینے والے اور رونگٹے کھڑا دینے والے انکشافات ہیں۔ اس رپورٹ میں سب سے زیادہ حیران کن انکشاف یہ کیا گیا ہے کہ سب سے زیادہ بے ضابطگیاں بورڈ آف ریونیو میں 116 ارب روپے کی گئی ہیں جبکہ وزارت پانی و بجلی کو "زبردست" ہونے کا "اعزاز" حاصل ہے۔ اس میں ایک سو تیرہ ارب روپے کی بے ضابطگیاں پائی گئیں۔ وزارت پٹرولیم و قدرتی وسائل کے حسابات میں 17 ارب پاکستان ریلوے کے کھاتوں میں 16 ارب کی گڑبڑ پائی گئی۔ پاکستان اسٹیل ملز کی انتظامیہ بھی آڈیٹرز کو 16 ارب روپے کا حساب کتاب پیش نہیں کر سکی۔ پاکستان بیت المال میں 94 کروڑ پورٹ قاسم میں 76 کروڑ اور پاکستان اسٹیٹ آئل کے پاس 66 کروڑ روپے کا کوئی حساب کتاب نہیں۔ باقی شعبوں کا حال بھی "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم" والا ہے۔

آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی یہ رپورٹ خود اپنے اوپر مکمل تبصرہ بھی ہے اور اپنی وضاحت آپ بھی! یہ حزب اختلاف کے کسی رہنما کا بیان نہیں بلکہ اس سرکاری ادارے کے سربراہ کی رپورٹ ہے جس کا وظیفہ ہی سرکاری اداروں میں کام کی شفافیت سے متعلق مستند حقائق پیش کرنا ہے۔ گویا

کہ یہ سرکاری محکموں اور وزارتوں میں ہونے والی بدعنوانیوں سے متعلق خود سرکار کا بیان ہے جس کو سرکاری ترجمان غلط قرار نہیں دے سکتے۔ اس رپورٹ نے سیاسی حلقوں اور ذرائع ابلاغ کی ان رپورٹوں کی تصدیق کر دی ہے جن میں بتایا جا رہا تھا کہ ملک میں کرپشن اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ کچھ عرصہ قبل پہلے عدالت عظمیٰ کے ایک معزز جج نے موجودہ صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں کرپشن صرف دو نہیں کر رہا ہے۔ جس کو موقع نہیں مل رہا۔ اس بیان کی سچائی آج بھی نہ صرف پوری طرح قائم ہے بلکہ حالیہ رپورٹ کو سامنے رکھا جائے تو یہ سچائی مزید کھل کر بلکہ مزید وسعت اور گہرائی کے ساتھ سامنے آجاتی ہے۔ اس رپورٹ میں چند بڑے اور نمایاں شعبوں اور ان میں کی جانے والی بدعنوانیوں کا جس طرح تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہ چشم کشا ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر محبوب الحق کی رپورٹ بھی یاد آجاتی ہے۔ ضیاء الحق کے دور میں ڈاکٹر محبوب الحق اہم منصب پر فائز رہے۔ انہوں نے اسی دور میں بتایا تھا کہ پاکستان میں سالانہ 600 ارب روپے کی کرپشن ہوتی ہے۔ آج عشروں بعد جب پاکستان کا بجٹ ضیاء الحق کے زمانے کے بجٹ سے چار گنا بڑھ کر 23 کھرب ہو چکا ہے۔ اس رپورٹ کے حوالے سے دیکھا جائے تو کم سے کم یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بجٹ کی رقم میں اضافے کے ساتھ کرپشن میں بھی اسی نسبت سے اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں اگر قوم کے صرف 20 فیصد مسائل ہی حل ہو گئے ہوتے، باقی 80 فیصد بے شک بیوروکریسی سمیت حکمران مل کر کھا جاتے تو عوام بلکہ رعایا صبر بھی کر لیتے لیکن صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف اتنی رقوم قوم کسی طرح حکومت کو کاروبار مملکت چلانے کے لئے دے رہی ہے۔ اس کے بدلے اسے 25 فیصد بھی نہیں مل رہا۔ اس رپورٹ میں جن وزارتوں کے بارے میں کرپشن کے کیس کئے گئے ہیں ان سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ شعبے کس قسم کے لوگوں کے حوالے کیے گئے ہیں اور وہ ان کا انتظام کس طرح چلا رہے ہیں کیونکہ اتنے بڑے پیمانے پر گڑبڑ [illegible] بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس سے بڑھ کر حیرتناک اور افسوسناک امر یہ ہے

کہ ان محکموں پر وزارت دفاع بھی شامل ہے۔ دوسرے شعبوں کا معاملہ [illegible] یہ ہے کہ جن ملک کا دفاع کرنے والے ادارے سے متعلق ہے اس پر قوم کو خوشی نہیں ہو رہی ہے اور سب سے دلچسپ امر یہ کہ ایف بی آر کے نام سے جو ادارہ قوم سے چند ہزار روپے ٹیکس وصول کرتا ہے اور ماچس کی ڈبیا تک اس کی "نظر کرم" سے محروم نہیں [illegible] وہ رقوم ابھی سے شروع ہو چکا ہے۔ خود اس ادارے سے اندر نہ صرف اتنے بڑے پیمانے پر کرپشن ہے کہ اس نے دوسرے تمام کے تمام اداروں کو گویا دھندلا دیا ہے۔ یہاں صرف یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے پیمانے پر گھپلوں کے بعد ایف بی آر قوم سے محنت کش طبقے سے ٹیکس وصول کرنے کا کیا اور کتنا حق ہے اور حکومت کو بھی بتانا چاہیے کہ اس رپورٹ پر اس کا کیا تبصرہ ہے اور اس کو لوٹے ہوئے قومی خزانے کو واپس کرنے کے لئے اس کے پاس کیا پروگرام ہے۔

اس وقت ملک میں بجلی کا بحران ہر روز بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ مذکورہ بالا رپورٹ سے تناظر میں دیکھا جائے تو اس بحران کی اصل وجہ بھی بدعنوانی ہی قرار پاتی ہے۔ رپورٹ کے مطابق رینٹل پاور پروجیکٹ کے نام پر 2 ارب ڈالر کی کرپشن ہوئی ہے۔ اس سے ان لوگوں کا موقف درست معلوم ہونے لگتا ہے جن کا خیال ہے کہ ملک میں بجلی کا بحران مصنوعی طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ اب یہ سوال لاحاصل ہے کہ بجلی ہی نہیں ہوگی تو صنعت و حرفت کا پہیہ کس طرح رواں ہوگا اور معیشت کس طرح ترقی کرے گی۔

یہ سارے اللے تللے ایسے وقت میں جاری ہیں جب ملک پر بیرونی قرضوں کا بوجھ حد سے تجاوز ہوتا جا رہا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق آئی ایم ایف سے مزید ایک ارب 20 کروڑ ڈالر قرض لیا جا رہا ہے جبکہ عالمی بینک کے حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ پاکستان کو بجلی کی فراہمی کے لئے 90 کروڑ ڈالر یعنی تقریباً ایک ارب ڈالر قرض دے گا۔ گویا ان دو ہی مدات میں پاکستان پر سوا دو ارب ڈالر کا مزید قرضہ چڑھ جائے گا۔ جبکہ ماہرین معیشت ہی خبردار کر چکے ہیں کہ یہ

صورتحال جاری رہی تو آئندہ چند برسوں میں پاکستان پر غیر ملکی قرضوں کا بار 60 ارب ڈالر سے تجاوز کر جائے گا۔ واضح رہے کہ اس وقت بھی پاکستان پر صرف غیر ملکی قرضوں کا بار 50 ارب ڈالر سے متجاوز کر چکا ہے جبکہ تجارتی خسارے کے بارے میں حکمران بالکل چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حکمرانوں کے لئے ہوش کے ناخن لینے اور سنبھلنے کا وقت ہے۔ اگر ملک میں سیاسی سطح پر کرپشن اور بدعنوانی کا یہ سلسلہ جاری رہا اور عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا رہا تو نہیں کہا جا سکتا کہ حکمرانوں کو کس قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ بدقسمتی کی بات تو یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے کسی ایسے اقدام کا جواب ہی نہیں دیا جاتا اور ضد کی سی کیفیت طاری کی جا رہی ہے جو ملک کو سوائے تباہی کی طرف لے جانے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے رہی۔

(جون 2010ء)

جھوٹ کا دھندہ کب تک؟

دودھ میں ملاوٹ، کھانے پینے کی چیزوں اور مسالوں میں ملاوٹ جتنی کہ دواؤں میں ملاوٹ چلی آ رہی تھی، لیکن موجودہ حکومت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اعداد و شمار میں ملاوٹ کے ذریعے معاشی ترقی کا ایک نادر کارنامہ انجام دیا ہے۔ معاشیت کے سارے ماہرین عام تجربات کی گواہی کی روشنی میں یہ کہہ رہے تھے۔ 2010-2009ء پاکستان کی معاشی تاریخ میں بہت ہی مشکل سال رہا ہے۔ معیشت، جن مشکلات سے دوچار رہی، ان میں بجلی اور گیس کا بحران، صنعتی پیداوار اور برآمدات میں کمی، سرمایہ کاری کی سست روی، مہنگائی کا طوفان، بے روزگاری میں اضافہ، روپے کی مالی قیمت میں کمی قابل ذکر ہیں۔ اور ان سب عوامل کی وجہ سے خود اسٹیٹ بنک کی مارچ 2010ء تک کی تمام ہی رپورٹوں میں معیشت میں شرح نمو (Growth rate) کے بارے میں اندازہ تھا کہ وہ 5, 2 اور 3 فی صد کے درمیان ہوگی اور بہت زور لگایا تو شاید 3.5 فی صد ہو جائے۔ لیکن کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ بجٹ سے ایک دو پہلے مئی 2010ء میں حکومت یہ انکشاف کرے گی کہ سال رواں میں جی ڈی پی میں شرح نمو 4.1 فیصد ہوگا۔ نیشنل اکاؤنٹس کمیٹی نے یہ اعلان کر کے سب کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا

لیکن جب اس محیر العقول تبدیلی کا سبب دریافت کیا گیا تو یہ حیران کن بات سامنے آئی کہ اس سال شرح نمو میں اضافہ دکھانے کے لئے گزشتہ دو سالوں کی شرح نمو پر نظر ثانی کی گئی ہے تاکہ اس کی بنیاد (base) کو نیچے لے جا کر سال رواں میں ترقی کی رفتار کو زیادہ دکھایا جا سکے۔

پہلے دعوی کیا گیا 2007-08ء میں 4.1 فی صد ترقی کا جو دعوی کیا گیا تھا وہ صحیح نہیں تھا۔ بلکہ اصل اضافہ 3.7 فی صد تھا۔ پھر نیا دعوی کیا گیا کہ یہ 3.7 فیصد نہیں 3.3 فیصد تھا اور اسی طرح 2008-09ء میں اضافہ 2 فیصد نہیں تھا بلکہ صرف 1.2 فیصد تھا۔ اعداد و شمار میں اس ردوبدل کے نتیجے میں 2009-10 کے بارے میں دعوی کیا گیا کہ متوقع اضافہ 3 فیصد نہیں، بلکہ 4.1 فیصد ہے۔ گویا 2008-09 کے مقابلے میں ساڑھے تین گنا اضافہ ہوا ہے جسے ایک عظیم کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

جب پوچھا گیا کہ معیشت کے تمام بڑے بڑے مراکز تو کوئی اچھی صورت حال ظاہر نہیں کر رہے اور خصوصیت سے توانائی کے بحران کی وجہ سے پیداوار میں یہ اضافہ قابل فہم نہیں ہے۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ اصل اضافہ تعمیرات کے شعبے (contruction industry) کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے سال رواں میں 15 فیصد کے حساب سے ترقی کی ہے حالانکہ اسٹیل اور سیمنٹ دونوں جو اس صنعت کے اہم ترین بنیادی اجزاء ہیں، وہ تو مشکلات کا شکار رہے ہیں، پھر اس کے باوجود اس صنعت میں 15 فیصد اضافہ کیسے ہو گیا؟ اس سوال کا کوئی معقول جواب پیش نہ کیا جا سکا۔ اسی طرح ایگریکلچر سیکٹر میں بھی دگنا اضافے کا دعوی کیا گیا ہے۔ یوں اعداد و شمار کے ہیر پھیر سے معاشی ترقی کی رفتار میں اضافے کا شعبدہ دکھا دیا گیا۔ پاکستان کے کئی معروف ماہرین معیشت [illegible] ایس اکبر زیدی (ڈان، 24 مئی 2010ء) اور ڈاکٹر اشفاق حسین [illegible] 18 مئی 2010ء) اور [illegible] شاہد حسن صدیقی (جنگ 25 مئی 2010ء) نے اس [illegible] نے [illegible] نے بڑی دردمندی سے ملکی معیشت کے ذمہ

داروں کو بڑا مفید مشورہ دیا ہے لیکن ہم یہ ناظرین کرتے ہوئے ہم بھی صورت حال پر ان سے اس طرح زاد کار ماتم پر اور دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ان تمام عوام کو دیکھتے ہوئے جنہوں نے گزشتہ [illegible] میں پاکستانی معیشت [illegible] ہے۔ ان میں سے صرف چند کو بیان کیا ہے۔ کوئی ایسا راستہ نظر نہیں آتا [illegible] پاکستانی معیشت میں [illegible] تی معجزانہ بہتری رونما ہو سکے۔ اگر ایسا ہوا ہے جیسا کہ پاکستانی معیشت سے [illegible] داں وہ ہوں ہے کہ ہوا ہے، تو ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے معاشی اعتماد کی بحالی کو [illegible] کو مستحکم ثابت کر دیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اپنے کارناموں کے ثبوت مہیا کریں تاکہ [illegible] بھی یکھ سکیں۔ (روزنامہ ڈان، 24 مئی 2010ء)

حکومت نے آئندہ مالی سال 2010-11 کے وفاقی بجٹ کا اعلان کرتے وقت کہا ہے کہ ملک کی آمدنی دو اعشاریہ تین ٹریلین یعنی تین ہزار دو سو اکسٹھ روپے ہوگی جبکہ بجٹ میں خرچ کیے گئے اخراجات کا تخمینہ تین ٹریلین لگایا گیا ہے۔ گویا یہ بچہ سو پچھتر ارب روپے کے خسارے کا بجٹ ہے، یعنی آمدنی اور خرچ روپیہ، لیکن آمدن اور خرچ کے فرق کو کون پورا کرے گا؟ کہیں سے تقریباً سات سو بلین روپے، حکومت ایک ہی سانس میں اس کا حل بھی بتا رہی ہے کہ اس فرق کو قرض کی رقم سے پورا کر لیا جائے گا لیکن یاد رکھو جو قرض لیتا ہے اپنی آزادی گنوا بیٹھتا ہے۔

آیئے پہلے اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ حکومت کو آمدن کیسے ہوتی ہے، وزارت خزانہ کے ذرائع کے مطابق براہ راست ٹیکسوں سے 35 فیصد اور بالواسطہ ٹیکسوں سے 65 فیصد، اس کا مطلب یہ ہوا کہ 65 فیصد ٹیکس عوام پر لگایا جاتا ہے۔

عوام ٹیکس دینے کی سکت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں یہ ٹیکس مختلف اشیائے صرف کی قیمتوں میں شامل کر کے زبردستی وصول کر لیا جاتا ہے، یا مختلف قسم کی سروسز کے ساتھ ملا کر وصول کر لیا جاتا ہے، یعنی غریب آدمی کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ اشیائے خورد و نوش اور مختلف قسم کے یوٹیلٹی بلز ادا

کرنے پر صرف ہوتا ہے، اس لئے غریب آدمی کو اپنی آمدنی کے حساب سے زیادہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے
ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اس بجٹ کو غریب عوام کا بجٹ (Pro- Poor budget) کہا جا
رہا ہے۔ واہ کیا کہنے، لگتا ہے حکومت غریبوں کو مار کر غربت مٹاؤ پروگرام پر عملدرآمد کر رہی ہے۔
دوسرے الفاظ میں غریبوں کی اصل دشمن تو ان کی غربت ہے نہ کہ حکومت۔

اب ذرا حکومت کے اپنے اخراجات کی بات ہو جائے۔

ایوان صدر کے سٹاف کا خرچہ، الاؤنسز اور گھریلو اخراجات روزانہ کا کل خرچ دس لاکھ روپے
یعنی سالانہ 36 کروڑ پچاس لاکھ روپے۔

وزیراعظم سیکرٹریٹ روزانہ خرچ بارہ لاکھ روپے، سالانہ خرچ 43 کروڑ روپے تقریباً۔

قومی اسمبلی روزانہ خرچ چالیس لاکھ روپے۔

سینیٹ آف پاکستان روزانہ ستراب یا بیس کروڑ روپے، کیبنٹ سیکرٹریٹ سالانہ ستراب یا
بیس کروڑ روپے روزانہ خرچ۔ حکومت کے خرچ دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ غریبوں کی جیبوں سے
ٹیکسوں کے ذریعے جس قدر روپیہ نکال سکتے ہو نکال لو اور بدلے میں صرف طفل تسلیاں دلاسے
اور امیدیں دو کیونکہ غریب انہی چیزوں کے سہارے زندہ ہیں۔ اور تیار ہو جاؤ کہ ویٹ یعنی ویلیو
ایڈڈ ٹیکس کا استعمال بھی کرنا ہے۔ ایک اور بالواسطہ ٹیکس حکومت کا خیال ہے کہ اس ٹیکس سے ستر
ارب روپے اکٹھے ہوں گے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا کیونکہ امیدیں اور توقعات صرف بیوقوفوں کے
ہونے کا چرچا ہے، حقیقت یہ ہے۔ ملک کی آمدنی اور اخراجات میں بہت بڑا فرق ہے اور
یہ فرق ہی بالآخر وہ رقم ہے جو ہمارے صدر سے لے کر نچلی سطح تک حکومت
کے اخراجات پورا کرتے ہیں لیکن چنداں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ
ہمیں قرض لینے کا طریقہ ہمیں آتا ہے، کشکول لے کر بھیک مانگیں گے اور پھر
ہمارے بچے اور ہماری آنے والی نسلیں بھی ہمارا ہاتھ

بٹائیں گی، قرض اتاریں گی ملک سنواریں گی۔

آخر راتوں کو اکیلے میں خوف کے مارے چلاتے ہوئے بیدار ہو جاتا ہوں، دراصل اس
آدمی کا دکھ درد سچا ہے جو اکیلا ہے اور کوئی اس کا پرسان حال نہیں، ہاں ایک اچھی خبر بھی آئی ہے، وہ
یہ کہ پاکستان میں پہلی بار حصص کے کاروبار پر بھی ٹیکس عائد کر دیا گیا ہے، لیکن بڑے بڑے
سٹہ بازوں اور کمرشل پراپرٹی کا کاروبار کرنے والوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، ان چیزوں پر ٹیکس
کیوں نہیں لگایا جا سکتا، کرنے کے کام تو اور بھی بہت سارے ہو سکتے ہیں، مثلاً وزیراعظم، صدر، جناب
سپیکر، چیف جسٹس، وزراء اور وزیراعظم محترم سید یوسف رضا گیلانی ایک جگہ اپنے ملک میں کیوں نہیں رہ
سکتے، یہ دونوں شخصیات کیوں ہوائی دوروں پر رہتی ہیں اور ہمارے وزیراعلیٰ رحمان ملک بدھا نومی
وزیراعظم ذیوڈ کیمرون کی طرح بس میں سفر کیوں نہیں کرتے کیوں اکیلے ہیلی کاپٹر میں اڑتے
پھرتے ہیں۔

ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے؟ نہ امریکہ نہ اسرائیل نہ بھارت بلکہ ہماری حکومت کی ہوائی جواپنی
معدن پر قناعت نہیں کر سکتی۔

پچھلے تریسٹھ سالوں سے ہم بڑے بڑے ڈھول پیٹ رہے ہیں، ہم پاکستان میں ہر برائی کے
پیچھے سی آئی اے، اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد اور بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کو ہوٹ کر دیتے
ہیں، یاد رکھیں کہ بے وقوف کی مثال بڑے ڈھول کی سی ہے جو بجتا تو خوب ہے لیکن اندر سے کھوکھلا
ہوتا ہے۔

اس بجٹ کے ذریعے ستر ہ کروڑ عوام میں سے صرف اسلام آباد میں بیٹھے ہوئے وزراء یا
مشیروں میں بیٹھے ہوئے دو سو وزیروں کو فائدہ ہوا جبکہ بقیہ سولہ کروڑ ننانوے لاکھ کے قریب عوام
اس وقت سخت بھوک، طیش اور غربت میں مبتلا ہیں۔

میرے ہم وطنو! غصہ مت کرو کیونکہ پاک وطن میں اب غصے میں آنا بھی عیاشی سے کم نہیں،

کیونکہ کبھی کبھی غصہ بہت برا پڑتا ہے۔ حکومت کے وعدوں میں کوئی وعدہ سچا ہے تو وہ ٹیکس لگانے کا وعدہ ہے۔ سزاؤں پر مبنی والی موت کا وعدہ، مجھے پیسوں کی جب بھی ضرورت پڑی تو مجھے بتایا گیا کہ قرض لینا آسان ہے لیکن چکانا مشکل ہے قرض لینے کے لئے وہ شخص تیار رہتا ہے جو جھوٹ بولنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ پس ہمارا نیا والی سال بھی خیرات اور قرض مانگ کر شروع ہو رہا ہے اللہ خیر کرے جیسا شرمناک آغاز ویسا شرمناک انجام۔

ہمارے وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی کا وفد برسلز میں ہوٹل کا خرچ 60 یورو، لیموزین گاڑیوں کا خرچ ایک لاکھ بارہ ہزار یورو، ڈنر کا خرچ ڈھائی ہزار یورو۔

قرض کی رقم سے دو کروڑ خرچ ہو گئے۔

اللہ اللہ خیر صلا!

(جولائی 2010ء)

آپ کے دعوے اور زمینی سچائیاں

بجٹ آنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی حکومت کی طرف سے اس حوالے سے جتنے دعوے کیے گئے تھے جتنی بڑھکیں ماری گئی تھیں وہ سب حسب روایت محبوب کے وعدوں کی طرح دھرے کے دھرے رہ گئے ہیں اور زمینی سچائی یہ ہے کہ تمام تر حکومتی دعوؤں اور بلند آہنگ اعلانات کے باوجود مہنگائی کی شرح میں اضافے کا تسلسل جاری ہے۔ مئی 2010ء کے دوران افراط زر کی شرح 13 رہی۔ سرکاری ادارے وفاقی ادارہ شماریات کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق جولائی 2009ء تا مئی 2010ء کے دوران افراط زر کی شرح 11.4 فیصد ریکارڈ کی گئی تھی جو گزشتہ برس سے تقریباً نصف ہے۔ گزشتہ ماہ اشیاء ضروریہ کی قیمتوں میں 14.8 فیصد اضافہ دیکھا گیا ہے۔ ان سرکاری اعداد و شمار کے مطابق اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں میں 26.2 فیصد اضافہ ہوا۔ جبکہ وفاقی برزنی تجارت نے اعتراف کیا ہے کہ ملکی معیشت مشکل ترین حالات سے دوچار ہے۔ یورپی یونین اور امریکہ عالمی مالیاتی بحران کے باعث پاکستان کو تجارت میں رعایت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ سیکرٹری تجارت نے انتہائی حیران کن انکشاف بھی کیا کہ وزارت تجارت کا فنڈ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں استعمال ہو رہا ہے جبکہ 3 سالہ تجارتی پالیسی کا فریم ورک ابھی تک

منظور نہیں ہوگا۔

اگر کسی کو اب بھی شبہ ہے کہ حکومت کی معاشی و اقتصادی پالیسیوں کے بابت میڈیا جو کچھ بیان کر رہا ہے وہ محض حکومت کی مخالفت میں ہے اور اس کا مقصد کسی بھی نوع کی اصلاح کا نہیں تو اسے صرف ان دو ہی رپورٹوں کو توجہ سے پڑھ لینا چاہیے۔ وفاقی ادارہ برائے شماریات خالص سرکاری ادارہ اور وفاقی سیکرٹری تجارت سو فیصد سرکاری ملازم ہیں۔ وہ اپنے "باس" یا "باسوں" کے خلاف بیان دے ہی نہیں سکتے۔ اس کے باوجود انہوں نے کمال جرات سے کام لے کر یہ بیان دیا ہے تو اس سے حکومت کی پوری کی پوری اقتصادی پالیسی بے نقاب ہو جاتی ہے۔ جس حکومت نے ڈھائی برسوں میں تجارتی پالیسی کا فریم ورک تک منظور نہیں کیا اور اس وزارت کا فنڈ تک اخبار کی جنگ میں جھونک رہی ہے اور اگر خود وفاقی سیکرٹری تجارت یہ انکشاف نہیں کرتے تو قوم کو شاید کبھی بھی اس زبردست دھاندلی کا علم نہیں ہو پاتا۔ وہ حکومت قومی معیشت و اقتصادیات کی بحالی اور بہتری کے لئے کیا کچھ کرے گی اور کب؟ جبکہ بجلی کا بحران اور اس کے نتیجے میں صنعتوں کی بندش کا سلسلہ بھی رکنے میں نہیں آرہا۔ اس کے باوجود ہمارے وزیر خارجہ سے لے کر وزیر اعظم اور صدر صاحب تک سب کی چیخ رہے ہیں کہ اس جنگ میں پاکستان کا 40 ارب ڈالر کا نقصان ہو گیا ہے۔ ہماری معیشت تباہ برباد ہو گئی ہے۔ ہمی برادری یہ کھلا پرچار کرے! جب ہمارے اپنے حکمرانوں کا یہ حال ہے تو امریکہ، یورپی یونین یا کسی اور ادارے یا ملک کو سر میں درد ہوا ہے جو ہمارے معاشی معاملات میں دلچسپی لینے لگے۔

صنعتی و تجارتی مرکز کراچی کے اسٹاک ایکسچینج کی تازہ ترین صورت حال بھی اپنی جگہ بہت سے سوالیہ نشان کھڑے کرتی ہے۔ اس پر مزید اضافے کی فی الحال ضرورت نہیں ہے۔ عالمی ادارہ خوراک نے پاکستانیوں کی معاشی حالت کی جو تصویر پیش کی ہے، اس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔

عالمی ادارہ خوراک نے پاکستان کے حوالے سے بتایا ہے کہ پاکستان میں خوراک کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور گزشتہ ایک سال کے دوران اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں میں 100 فیصد اضافہ ہوا ہے جس کے سبب اشیاء خورد و نوش کی قیمتوں میں ریکارڈ اضافہ ہوا ہے۔ عالمی ادارہ خوراک کے مطابق 2009ء سے 2010ء کے دوران چینی کی قیمت 30 روپے فی کلو سے بڑھ کر 70 روپے فی کلو ہو گئی جبکہ گھی اور کوکنگ آئل کی قیمتوں میں 100 روپے سے 500 گرام کے پیکٹ کی قیمت میں 50 روپے اضافہ ہوا ہے جبکہ 25 روپے سے 35 روپے فی کلو تک کھلے بازار میں فروخت ہو رہا ہے۔ عالمی ادارہ خوراک سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق قیمتوں میں حالیہ ہفتوں کے دوران 50 فیصد سے زائد اضافہ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان کے لوگوں کی قوت خرید 80 فیصد تک کم ہو گئی ہے۔ عالمی ادارہ خوراک نے خبردار کیا ہے کہ ملک کی کل آبادی کے 62 فیصد عوام غریب ہو گئے ہیں اس تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سبب عام آدمی صرف کھانے پینے کی اشیاء کی خریداری تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ دریں اثناء پیٹرولیم سنورز میں چینی سمیت دیگر اشیاء کی قیمتوں میں پانچ سے دس فیصد اضافہ ہوا ہے جبکہ تازہ ادارہ شماریات کے اطلاع کے مطابق عام مارکیٹ میں بھی چینی کی قیمت میں 5 روپے کلو کا اضافہ ہو گیا ہے۔

پیٹرولیم سنورز پر ملنے والی اشیاء پر جیسی تیسی رعایت یا زر تلافی (وغیرہ وغیرہ) تھے۔ وہ تو حکومت کے بجٹ میں ختم کر دیئے گئے ہیں، اب ان میں اور عام دکانوں میں کوئی بھی فرق باقی نہیں رہا اور ایک تہائی سے یہ سنورز کسی سہولت کی فراہمی کی بجائے آٹا، چینی جیسی بنیادی ضروریات کے لئے بھی پبلک کو پریشان کرنے اور تکلیف دینے کے مراکز بن کر رہ گئے ہیں۔ ان سنورز سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا ان کے حوالے سے اب کسی بھی سرکاری موقف میں کوئی جان یا وزن نہیں ہے۔ واضح رہے کہ گیلپ سروے نے بھی سامنے لایا ہے کہ روز افزوں مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لئے 51 فیصد پاکستانیوں نے اپنے اخراجات میں کمی کر دی ہے۔ دونوں رپورٹوں

سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ حکومت نے دعووں کے برعکس قوم کا کم از کم اوسطاً پچاس فیصد سے بھی زائد حصہ اسلام دے کی زندگی سے بھی نیچے جا چکا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی اطلاع ہے کہ لوگوں نے بینکوں سے قرض لینا چھوڑ دیا ہے۔ زیادہ شرح سود کے باعث 3 ماہ میں کمرشل بینکوں سے قرض لینے والوں کی تعداد 10.7 فیصد کم ہو گئی۔ اسٹیٹ بنک نے بھی کہا ہے کہ امن وامان کی خراب صورت حال اور بڑھتا ہوا کریڈٹ رسک بینکاری نظام کے لئے چیلنج ہے۔ اب اس مسئلے سے کس طرح نمٹا جائے گا۔ یا اسٹیٹ بینک حکام ہی قوم کو بہتر بتا سکتے ہیں۔

حکومت کی جانب سے جنرل سیز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے نتائج بھی سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں۔ میڈیا رپورٹوں کے مطابق مارکیٹوں میں (حسب روایت) ضروری اشیاء کی قلت پیدا کر دی گئی ہے۔ (یہ بھی حسب روایت اور بالکل معمول کے مطابق ہے) اور قیمتیں بھی بڑھ گئی ہیں۔ اس میں بھی کوئی نئی بات نہیں ہے، سوائے قیمتوں میں اضافے کے۔ بتایا گیا ہے کہ ذخیرہ اندوزوں نے نئے ریٹ کے سبب مارکیٹوں میں مال دینا بند کر دیا ہے۔ دکاندار من مانے دام وصول کرنے لگے ہیں۔ چینی، گھی، تیل، مشروبات، صابن، پرفیوم اور ادویہ سمیت کئی اشیاء کی قلت پیدا ہوئی ہے (یا پیدا کر دی گئی ہے) مزید بتایا جا رہا ہے کہ کھانے پینے کی پیک کردہ اشیاء کی قلت سے سب شہری کھلی ہوئی اشیاء خورد و نوش خریدنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

حکومت نے جو یہ کہا تھا کہ جنرل سیز ٹیکس میں ایک فیصد اضافے کے حوالے سے ہی نہیں، بلکہ اس میں کسی بھی شے کی قیمت میں اضافے کے حوالے سے قوم کا بہت پرانا تجربہ ہے کہ کوئی بھی شے [illegible] صارف تک پہنچتے پہنچتے کئی "مستحقین" بھی دامن [illegible] ہیں۔ پتا چلا ہے کہ مشہری یعنی صارف تک پہنچنے تک اس شے کی قیمت کچھ سے [illegible] پتا چلا ہے کہ مین اقتصادیات کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ صرف اس [illegible] حکومت [illegible] یا اور رقم جمع کر لے گی۔ لوگوں کو رفتہ رفتہ معلوم ہو گا

کہ یہ بجٹ دراصل کتنا بھاری ہے۔ واضح رہے کہ ابھی [illegible] نافذ نہیں ہوا ہے کہ [illegible] ہے کہ اکتوبر سے نافذ ہو جائے گا اور [illegible] ہے کہ [illegible] سے متعلق اس سے [illegible] بجلی 20 فیصد سے 30 فیصد بڑھ جائے گی اور [illegible] بجلی کا [illegible] سے کاروبار میں [illegible] صورت بھی یہی بنتی ہے۔ تعلیم اور صحت سے [illegible] سے مختص کردہ رقم سے [illegible] ہے [illegible] ہے۔ حکومت کو [illegible] اور فیصد کر لینا چاہئے۔ یہ اوپر [illegible] نصف صدی [illegible] ہے یا اسے گھر جانے کی بہت جلدی ہے!

(جون 2010ء)

ٹرانزٹ ٹریڈ اور بھارتی راہداری

18 جولائی کی شام جب ہیلری کلنٹن چک لالہ ایئر پورٹ پر لینڈ کر رہی تھیں تو ان کے استقبال کے لئے جو تین وفاقی وزیر تجارت انوار الحق نمایاں تھے جنہوں نے ہیلری کلنٹن کو چک لالہ پر اترتے ہی یہ خوشخبری سنا دی کہ ان کے تجارتی مذاکرات کامیاب رہے ہیں جس کے بعد یہ تقریب برے دستخط منعقد ہوئی تو تالیاں بجانے والوں میں صدر زرداری، بالبروک اور ہیلری کلنٹن بھی شامل تھے۔ یہ بات شاید قارئین کے لئے باعث حیرت ہو کہ مارچ میں امریکہ میں ہونے والے سٹریٹیجک ڈائیالاگ (جن میں اپنے مخدوم شاہ محمود قریشی صاحب ہیلری کلنٹن کا ہاتھ خاصی گرمجوشی سے دبا رہے تھے) میں دیگر مسائل کے علاوہ جو اہم ترین مسئلہ زیر بحث آیا وہ بھارت کو پاکستان سے افغانستان تک راہداری دینے کا تھا اور امریکی وائسراؤں نے پاکستان سے ہاتھ ہمارے وفد کو روانہ کیا تھا کہ جلدی اس قضیے کا خاتمہ کیا جائے جس پر اب تک تین دفعہ میں مخدوم امین فہیم (وزیر اعظم فہیم) نے اچانک پاکستانیوں کو یہ کہہ کر حیرت زدہ کر دیا تھا کہ افغانستان کو ممکن تجارتی سہولت بہم پہنچانے کا عزم کر رکھا تھا اس لئے [illegible] زمینی راستے کے ذریعے افغانستانی ٹرک میوہ

جات اور مقویات لے کر واہگہ تک جایا کریں گے اور واپسی راستے کے ذریعے بھارتی ویجیٹیبل سامان بردار ہوائی جہاز پاکستانی تباہی کا سامان لے کر کابل آیا کریں گے۔ البتہ فخر صاحبہ امریکہ بھی خوش۔ عوام بھی راضی کہ چلو بھارت کو تو اپنے ٹرک بذریعہ واہگہ کابل لے جانے کی اجازت نہیں دی ناں۔

مخدوم امین فہیم کبھی کبھی بڑی سادگی سے ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو اخبار "نیشن" کان جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں موصوف فرماتے ہیں کہ ہم نے جواب میں افغانستان سے راستے سنٹرل ایشیا تک رسائی کا پروانہ حاصل کر لیا ہے شاید انہیں یاد نہیں (بادشاہ آدمی ہیں)۔ 2001ء میں افغانستان، پاکستان، قازکستان اور چین کے درمیان یہ معاہدہ پہلے سے موجود ہے لیکن ایسا بھی ٹرک آج تک افغانستان کے راستے سنٹرل ایشیا اس لئے نہیں پہنچ سکا کہ کابل سرکار کی عملداری صدارتی محل کے دس پندرہ کلومیٹر آگے پیچھے تک ہی محدود ہے اس کے لئے نہ تو محفوظ راستہ ہے اور نہ سرحدیں۔ اگر طالبان سے معافی بھی مل جائے تو وادی پنج شیر پر بیٹھے شمالی اتحاد کے احمد مسعود گروپ والے بھارت نواز ایک ٹرک تو کیا ایک پاکستان بار بردار گدھا بھی وہاں سے گزرنے نہیں دیں گے۔ اس لئے مخدوم امین فہیم کی یہ "کامیابی" تو مشکوک ہی رہے گی۔ البتہ ان کی مہربانی سے بھارت کا دیرینہ خواب پورا ہو گیا اسے افغانستان کے راستے بندر عباس تک رسائی میسر آ گئی۔ جبکہ پہلے ہی ممبئی اور چنائی سے بحری جہازوں کے قافلے ایرانی بندرگاہ چاہ بہار کی طرف رواں دواں رہتے ہیں جس کے ذریعے بھارتیوں کو شمالی افغانستان تک رسائی میسر رہتی ہے۔

پیپلز پارٹی کا کمال یہ ہے کہ وہ خود کو ہمیشہ "عقل کل" سمجھتے ہیں اور اپنے ہر اقدام کو "عوامی مینڈیٹ" بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر جناب بابر اعوان سی ون تھرٹی پر چڑھ کر سارے پاکستان کی بار کونسلوں کو نقد عطیات سے نوازنے لگیں تو وہ عین جمہوریت اور بمطابق آئین پاکستان ہے۔ سپریم کورٹ کے احکامات کے باوجود سوئس عدالت کو خط نہ لکھنا بھی آئین کے عین مطابق وغیرہ

...فیرہ کی طرح امید ہے۔ بھارت کو پاکستانی فضاؤں سے ...دگاتے ہوئے کامل تک پہنچا گیا
...ی سینڈیکٹ سے منسوب ہو چکے گا کیونکہ عوام بھارت سے اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔
...بھارت کرے جیسے تعلقات چاہتا ہے اس پر چند روز پہلے بھارتی وفد کی نشست برخاست ہوئی ہے
...مثال کافی ہے جس پر اور ہی خواجہ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف چہل قدمی کرنے یا ہوا خوری
...نے بھارت نہیں جا رہے کیونکہ بھارتی مذاکرات کو سیریس نہیں لے رہے۔

...ر موتی والا کراچی کے معروف تاجر اور اس مذاکراتی ٹیم کے رکن ہیں جو افغان ٹرانزٹ ٹریڈ
...مذاکرات میں حصہ لے رہی تھی ان کا کہنا کہ ان کے ساتھیوں نے وزیر تجارت مخدوم امین فہیم کو
...بھارتی رویہ داری کے حوالے سے اپنے خدشات اور اس معاشی تباہی سے مکمل آگاہی دے دی تھی
...جس سے پاکستان دوچار ہوگا لیکن ان کی باتوں کو بڑے غور سے سننے کے بعد بھی مخدوم صاحب
...نے اپنا ٹک ہو سر پر اڑا دیا ہے وہ واقعی حیران اور پریشان کن ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری کہ ایران
...نے ایک بین الاقوامی پروازکو جو دبئی جا رہی تھی بزور ایران میں اتار کر اپنے ایک مطلوب ملزم
...بھیل ریگی کو گرفتار کر کے اسے پھانسی چڑھا دیا ہے۔ بھارتی نیوی نے پاکستان آنے والے ایک
...بھارتی بین الاقوامی سمندروں میں روک کر قبضے میں کر لیا تھا اور یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ یہ پاکستانی
...شپ ہے جو ...ہو رہا تھا۔ کیا مخدوم صاحب کی ''عوامی حکومت'' اس اپل سے کہ دہلی سے
...بھارتی ہوائی جہازوں میں اڑنے والے تباہ کن اسلحے سے بھرے کسی بھی ہوائی جہاز کو پاکستان
...میں ...ہیں رہنے دیا جائے گا؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے حکومتی بڑھکیں ایک طرف۔ سوال یہ
...ہے ...ریکی خوشنودی میں ہم کہاں تک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ کیا یہ ملک برائے
...ت ...ہے جیسے چاہے اور جب چاہے اس کے اداروں اور سلامتی کو کوزیوں
...

...ے فرخندہ و چہ ارزاں فرخندہ

...ہی ملاقات ایک طرف اور حقائق ایک طرف ...وں لمحوں کا تاثر ...ہے کہ ...
...داری اپنے ...ن وقت کی ملاقاتی سے لے اس ...میں یہ ...سے آ گیا ہے ...بھارت
...ہ کے راستے کامل تک رسائی دیں تب اب ...اس کی ...
افغان ٹرانزٹ معاہدے کی گونج ابھی فضاؤں میں تھی ...
لے آئیں ان کے دورے سے پہلے ...معمول ...پاکستان میں ...
ہیری ...صاحب نے پاکستان کے لئے جن مصروفیات کا ...ہے وہ ...
دینے کے مترادف ہیں۔ اپنی روایتی بلیک میلنگ پالیسی کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا
ہے کہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر پاکستان میں چھپے ہوئے ہیں اور وہ لوگوں کو ان کے ٹھکانوں کا
علم بھی ہے۔ ظاہر ہے اس نوعیت کی باتیں جن کی کوئی تک نہیں بنتی پریشان کن ہوتی ہیں
جو ...ہیں۔ لیکن تا ...کے۔

افغان ٹرانزٹ معاہدہ اور ہیلری کلنٹن کا تازہ دورہ ہمیں یہ سمجھانے کے لئے کافی ہے کہ ہر
اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ کے لئے جس حد تک بھی چلیں جائیں امریکن ہم سے خوش نہیں
ہوں گے وہ ہر مرتبہ ایک نیا بہانا تلاش کر ہم پر پریشر بڑھائیں گے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری
رہے گا جب تک کہ امریکہ افغانستان میں انڈیا کو اپنا تو ...مقام نہ بنا دے جب امریکہ اس
...ؤ نے منصوبے میں کامیاب ہو گیا تو وہ حسب روایت اپنا گھوڑا بھی تبدیل کر لے گا۔

(اگست 2010ء)

معاشی گورکھ دھندہ

آج چند نمبر آپ کی خدمت میں پیش ہیں، پہلے ایک نیم معاشی معمہ ملاحظہ ہو، اس کے راوی ہماری برادری کے ایک محترم متوازن، معتدل اور سنجیدہ لکھنے والے ہیں جو ایک ایک لفظ تول کر استعمال کرتے ہیں اور تہذیب کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ ایک طرف بابائے اردو سے لے کر مقتدرہ قومی زبان تک نے اس کوشش میں سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے کہ اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دیا جائے کیونکہ اس میں جدید طریقوں کی ادائیگی کے ذرائع موجود ہیں۔ دوسری طرف ابتدائی عہد میں یہ کچھ مہاتماؤں کی زبان رہ چکی ہے، جو بعد میں تعصب کی بناء پر خارج کر دی گئی۔ ریاست جموں، حیدرآباد اور بعض دوسری ریاستوں میں یہ ہائیکورٹ تک استعمال ہوتی تھی۔ جموں کی بابت یہ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ ایک مقدمے میں قائداعظم وکیل تھے، فریق مخالف سے وکیل نے مقدمے کی بحث کا آغاز کیا تو قائداعظم کو پتہ تھا کہ ریاست کی عدالتی زبان اردو ہے اور قائد کی [illegible] ہے، لہٰذا انہوں نے مقدمے میں پہلا سوال انگریزی میں ہی کیا کہ "آر یو پلیڈ بیرسٹر کس [illegible]" قائد نے بڑا مختصر جواب دے کر ان کا منہ بند کر دیا۔ "It depends upon [illegible]" (تفصیل کے لئے دیکھئے اخبار اردو، مقتدرہ قومی زبان

[illegible] کی طرف خواجہ الطاف حسین حالی سے کہ انہوں نے ایک بزرگ کی [illegible] اور درخواست گزاروں، وفد والوں، معافی سے خواست گاروں اور مطلب [illegible] پشتی خادموں اور تابعدار قسم خواروں کی زبان ہے" (ص [illegible] ہے۔ اس قسم کی درخواستوں، اپیلوں، معافیوں، التجاؤں، گزارشوں سے ایسا [illegible] مطابق "اردو زبان میں حضور فیض گنجور جیسے الفاظ کی [illegible] اضافی نوٹ بھی نہیں لکھا جا سکتا۔ یہ صوف میری ہی [illegible] حاصل رہا ہے۔ پھر بھی بزرگی کا احترام کرتے ہوئے ایسے [illegible] ہی بھٹو شہید کی پہلی کابینہ کے پہلے وفاقی بجٹ کی تقریر سنی اور مقدمہ [illegible] نے اردو میں تنقید نو کی بنیاد رکھی، کو کس خانے میں رکھا جائے؟

میرا پچھلا کالم جو وفاقی اور صوبائی بجٹوں پر مشتمل تھا اس پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک صوبے کا بجٹ متوازن رہا اور تین صوبوں میں خسارہ بہت نمایاں رہا جو مالیاتی فارمولے کی بناء پر ان کو پہلے کے مقابلے میں وفاق سے دو چند سے زائد فنڈ ملیں گے۔ کسی غیر معمولی پروجیکٹ کا بھی ذکر نہیں پھر بھاری خسارہ کیوں؟ اور یہ کس طرح پورا ہوگا۔ وفاق سے تو کچھ ملنے کی امید نہیں، سندھ کو تھرپارکر کے کوئلے کے لئے، خیبر پختونخوا کو گیس کے لئے پنجاب کو بجلی ترقی کے لئے بعض بین الاقوامی اداروں سے کچھ قرض ملنے کی امید ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ وہ کن شرائط پر ملے گا اور کیا صوبے مجوزہ شرائط پوری کر سکیں گے۔

ایک اور نکتہ سامنے آیا کہ ڈگری اصلی ہو یا جعلی ڈگری ہی رہتی ہے۔ ایک جاب جعلی ڈگری والے اور اکیس میں کھلبلی مچ گئی ہے دوسری طرف جعلی ڈگریاں بنانے والوں کے ہاں گھی کی چراغ جل رہے ہیں ان کے ہاں ڈگری تو نقلی ہے مگر گھی خالص ہے۔ غالب عموں کے دل باغ باغ ہو گئے اب ان کو موٹی موٹی کتابوں میں سر کھپانے، راتوں کو جاگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ رہے

کاؤنٹر پر جس طرح مقررہ نرخ پر لاہور، پشاور یا کوئٹہ کا ٹکٹ خریدا جا سکتا ہے اسی طرح مقررہ
فیس دے کر بی اے، ایم اے، بی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ڈگری فروشوں
میں مسابقت شروع ہو جائے گی۔ ان کی طرف سے ایسی ترغیبوں کی اطلاعات ملیں گی کہ ہم سے
رابطہ پر تو 70 فیصد ڈگریوں سے گیارہ ڈگریوں سے 70 فیصد امیدوار بامراد
ہوش سے اسی مقامات بھی منتخب ہو گئے۔

ایک باپ نے بیٹے کو کالج سے خبردار رہنے پر ٹوکا اور پوچھا تم کئی روز سے کالج نہیں جا
رہے، بیٹا کہتا ہے کہ ابو جان اب کالج جانے کی ضرورت نہیں، آپ 40 ہزار کا بندوبست کر دیں،
میں بی اے سیکنڈ ڈویژن کی سند آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔ سرکاری سطح پر جعلی ڈگریوں کا اثر
دوسرے جعلی کاروبار پر بھی پڑے گا۔ امراض قلب کے لئے چونے کی ٹکیاں، اصلی گھی کی بجائے نقلی
گھی، دودھ میں پانی کی ملاوٹ کے بجائے پانی میں دودھ کی ملاوٹ ہوا کرے گی اور جب کوئی
ڈرگ انسپکٹر چیکنگ کے لئے آئے گا کہ ٹکیاں، گھی اور دودھ میں ملاوٹ ہے اور یہ جعلی اشیاء ہیں تو
جواب ملے گا اصلی سچی مگر چیزیں تو موجود ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ اصلی یا مصنوعی اور
جعلی۔ اور پرائم منسٹر کئی مرتبہ اشارہ دے چکے ہیں کہ وہ اپنی کابینہ میں کمی کرنے والے ہیں پہلے یہ
اطلاع تھی کہ سات نئی وزارتوں کے بعد تخفیف ہو گی، پھر یہ اطلاع آئی کہ بجٹ سے پہلے یا اس
کے بعد ہی ہو گی، یہ دونوں ادوار بھی گزر گئے، کمی کے بجائے تین مزید مشیروں کا اضافہ کر لیا گیا، وہ
وزن [illegible] کابینہ میں تخفیف سے روک رہا ہے۔

[illegible] باقاعدہ سرکاری ملازم تو نہیں مگر ان کو جو بھاری مشاہرے اور مراعات ملتی ہیں وہ
[illegible] کہ وہ متعلقہ اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کیا کریں گے اور ان کو دوران
[illegible] سے پینے کا پانی میں بیٹھنے یا باں میں جھپکی لینے کی عام اجازت ہو گی۔ غیر
[illegible] پر پرائم منسٹر نے اس کی توجیہ یوں فرمائی کہ طویل اجلاسوں میں عدم

[illegible] کی ہو جاتی ہے کہ ایک اجلاس سے اٹھ کر دوسرے [illegible] جاتا ہے [illegible]
[illegible] سے وہ اجلاس میں شرکت نہیں کر سکتے [illegible] ان کو اجلاس سے
[illegible] ہیں۔ ہمارے پاس اراکین سے متعلق [illegible] ہیں [illegible]
ہیں مگر اس طرح ان کو ایک الاؤنس سے قریب محروم کیا جاتا ہے اس سے وہ مختلف مراعات [illegible]
بھی حاصل ہیں ہے ان کو اسلام آباد میں سرکاری رہائش مہیا کی جاتی ہے جس [illegible] سے
ہیں ان کو کرایہ، ایک خاص حد تک بجلی اور ٹیلیفون سے [illegible] میں [illegible]
[illegible] ڈیزل پر مقررہ حد تک پٹرول کی فراہمی، جہاز [illegible] سے [illegible]
[illegible] کے لئے سفری و اوچر، دفتر اور گھر کی ٹیلیفون [illegible] سے [illegible]
[illegible] کا الاؤنس الگ ملتا ہے پھر بھی زیر باری کا [illegible] سمجھ میں نہیں آتا۔

[illegible] کے تازہ اعلان کے مطابق ایک روپے سے کم قیمت والے تمام [illegible] بازار سے
[illegible] لے لئے جائیں گے گویہ اعلان اب ہوا مگر عملی طور پر [illegible] تین سال سے چھوٹے سکے بازار سے
[illegible] ہیں۔ یہ صرف پٹرول کی مصنوعات یا سگریٹ کی قیمتوں میں نظر آتے ہیں اس میں صارف
ہمیشہ نقصان میں رہتا ہے اور پمپ والے یا دکاندار فائدے میں رہتے ہیں مثلاً اس وقت مٹی کے
تیل ایک لیٹر کی قیمت 65.38 روپے ہے، دکاندار تو 38 پیسے چھوڑنے سے رہا، خریداری،
62 پیسے زائد دینا ہوں گے کیوں نہ ان کی قیمتوں کو مکمل روپے میں تبدیل کر دیا جائے، سگریٹ
کی مختلف اقسام کے درمیان بھی ردوبدل کا امکان ہے تاکہ صارف کو زیر باری سے بچایا جا سکے
اس معمہ کو حل کرنا ضروری ہے۔

(اگست 2010ء)

اقتصادیات کا جنازہ

مہنگائی اس وقت پوری دنیا کا مسئلہ ہے لیکن دنیا کے دیگر ممالک اپنی اقتصادی پالیسیاں اتنی خوش مرتب کرتے ہیں کہ مہنگائی کے اثرات عام صارف کو زیادہ متاثر نہ کر سکیں جبکہ پاکستان میں ہر اقدام سے عام صارف ہی متاثر ہو رہا ہے۔ فیڈرل بورڈ آف ریونیو کا ریکارڈ شاہد ہے کہ بجٹ میں ریونیو میں 60 فیصد بالواسطہ ٹیکس عام شہری ادا کرتا ہے جس میں کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس، فیڈرل ایکسائز ڈیوٹی وفاقی جبکہ صوبائی سطح پر بھی حکومت کے ہر ٹیکس کا بوجھ عام شہری پر ہی پڑ رہا ہے۔ تھوک 40 فیصد براہ راست ٹیکس بھی کارخانہ دار اور دکاندار اپنے خریداروں کو منتقل کر دیتا ہے۔ اس طرح صورتحال میں کہ صرف غریب ہی کی چوٹ رہی ہے۔ دراصل مہنگائی کو [illegible] کیا جا سکتا ہے۔ سیاسی، معاشی اور صنعتی بحران سب اصطلاحیں اس قدر [illegible] ہیں کہ اب تو یہ بھی معمول کی کارروائی سمجھی جانے لگی ہیں۔ پٹرولیم مصنوعات، بجلی، گیس [illegible] میں اضافہ روزمرہ کی بات ہے ان عوامل کی وجہ چاہے جو کچھ بھی [illegible] ہو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ڈیزی مصنوعات، سبزیاں، [illegible] کی قیمتیں بڑھ جاتا بتایا جاتا ہے لیکن جب عالمی منڈی

میں تیل کی قیمتیں کم ہوتی ہیں تب اس شرح تناسب سے [illegible] ہوں تیل کی قیمتوں میں کمی نہیں آتی۔ پہلی کے نرخوں میں اضافہ معمول کی بات ہے چاہے [illegible] کی وافر پیداوار کی بتائی جاتی ہے۔ دراصل مہنگائی کا عذاب [illegible] اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ اور عوام [illegible] طبقہ اشرافیہ ہر طرح کے عیش و آرام سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ حقوق [illegible] کا باپ اٹھتی ہے۔ وطن عزیز میں بسنے والوں کو کبھی [illegible] تھا لیکن اب پاکستان صرف دو طبقوں والا ملک بنتا جا رہا ہے [illegible] غریب۔ مڈل کلاس طبقہ مدت ہوئی لوئر مڈل کلاس سے ہوتا ہوا غریب ہو چکا ہے۔ اب [illegible] وقت کی رو نی کے چکر میں ہے۔ عوام کی قوت خرید اس قدر کم ہو گئی ہے کہ لوگ اب بازار [illegible] لیکن خریداری کے لئے نہیں بلکہ ونڈو شاپنگ کیلئے۔ پرچون دکانوں اور اشیاء صرف کی [illegible] قیمتوں نے عوام سے بازار یا مارکیٹ کا رخ کرنے کی سہولت چھین لی ہے۔ وطن عزیز اپنے قیام سے لے کر آج تک دنیا میں رائج تین معاشی نظام مختلف ادوار میں مختلف حیثیتوں سے دیکھ چکا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے خدوخال کو ذوالفقار علی بھٹو نے سوشلسٹ نظریے کے ساتھ تبدیل کرنے کی کوشش کی اور بہت سارے ادارے حکومتی عمل داری میں آ گئے جس کے نتیجے میں مارکیٹ کا کنٹرول بھی سرکار کے ہاتھ آ گیا۔ کیپٹل ازم اور سوشلسٹ نظریے کے ساتھ ساتھ [illegible] اکانومی بھی چلتی رہی لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہم بروز میں تجربات کی نذر ہوتے رہے ہم نے ایک وقت میں اداروں کو قومی تحویل میں لیا تو دوسرے عرصے میں مزید اداروں کو حکومتی کنٹرول میں لینے کی بجائے انہیں کھلی بولی کے ذریعے نیلام کیا۔ ہم نے گھی کارپوریشن آف پاکستان بنا کر خوردنی تیل اور گھی کی صنعت سرکاری کنٹرول میں لے لی تو دوسری جانب گھی کے کارخانوں کو اتنا آزاد چھوڑا کہ چند سرمایہ دار ایک بزنس گروپ اکٹھے ہو کر گھی مہنگا اور سستا کرنے

تھے اور حکومت کا زخموں سے متعلق ادارہ تماشائی ہی بنا رہا۔ اسی طرح سرمایہ دار اپنی مرضی سے
مصنوعات کے نرخ بڑھا دیتے ہیں۔ ذوالفقار بھٹو نے چینی کے نرخوں میں برائے نام اضافے کو
بہانہ بنا کر فیلڈ مارشل ایوب خان کے خلاف چلنے والی قومی تحریک کا گلا گھونٹ دیا اور اقتدار سنبھالتے ہی شوگر مز
کے مالکان کو جیل ڈالی لیکن آج پارلیمنٹ کے اندر بیٹھے ہوئے چند شوگر مز مالکان غریب اور متوسط طبقے
کو معاشی طور پر بری طرح متاثر کر رہے ہیں حکومتی مشینری ان کو کسی قاعدے قانون کا پابند بنانے
میں بری طرح ناکام ہو رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مہنگائی ایک عالمگیر مسئلہ ہے
پٹرولیم مصنوعات، خوردنی تیل کی قیمتیں اور کرنسی کے ریٹ عالمی منڈی میں طے ہوتے ہیں۔
حکومت صرف ان اشیاء کی طلب اور رسد میں توازن ممکن بنا کر مارکیٹ میں بروقت اور عالمی
منڈی کے نرخوں کے ساتھ مطابقت قائم رکھتے ہوئے فراہمی کی ذمہ دار ہے، تاہم مقامی پیداوار کی
رسد اور فراہمی کے ساتھ ان کے نرخوں پر کنٹرول انتظامیہ ہی کا کام ہے جو وفاقی، صوبائی اور ضلعی
سطح پر ایگزیکٹو سیٹ اپ میں طے شدہ طریقہ کار کے تحت ہی سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ سابق وفاقی
وزیر خزانہ شوکت ترین کرپشن کو مہنگی معیشت کے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دے چکے ہیں ملک
میں کرپشن کا حجم 103 کھرب روپے تک پہنچ چکا ہے یہی وجہ ہے کہ ملک کا پورا انتظامی سیٹ اپ
مل کر بھی مہنگائی کے جن کو قابو کرنے میں ناکام رہا ہے۔ وفاقی ادارہ شماریات اس امر کی تصدیق کر
رہے کہ گزشتہ ہفتے مہنگائی کی شرح میں 18.82 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ سرکاری رپورٹ کے
مطابق 21 اشیاء کی قیمتیں بڑھی ہیں جن سے 7 ماہ کے دوران 163 ارب روپے سیلز ٹیکس ادا
[illegible] مہنگائی پورے ملک میں ہے اور ہر پاکستانی اس کا
[illegible] شہری 1979ء سے 2010ء تک افغانستان کی
[illegible] اشیاء خورد و نوش کی بڑی مقدار سرحد پار چلی
[illegible] جائیداروں کی آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

[illegible] فرانزٹ ٹریڈ کے نام پر سمگلنگ کی شکل میں ہونے والا [illegible] معیشت کا کھوکھلا کر رہا ہے
[illegible] کی تجوریاں بھر رہا ہے لاکھوں افغان مہاجرین کی آمد اور پاکستان خصوصاً خیبر
پختونخواہ میں تیار ہونے والی اشیاء کی افغانستان ترسیل سے ہمارے صنعت کاروں اور تاجروں کی منڈیوں
پر بھی قبضہ ہو گیا ہے لیکن اس سب کے باوجود ہی کارخانہ اور دوکاندار عوام سے [illegible] پیسے وصول کرنے والا ٹیکس دہشت گردی کے نام پر حکومت سے [illegible] صورت وصول کر رہا ہے۔ ملک میں
مہنگائی کے ساتھ یوٹیلٹی بلوں نے غریب اور متوسط طبقے کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ بجلی، گیس
کے نرخ بڑھانے والے ادارے قرضوں کی ادائیگی کے نام پر حکومت سے کسی اور صورت ریلیف دینے کی مخالفت کر رہے ہیں اور نرخوں میں کمی کا اضافے کا مطالبہ کر رہے
ہیں۔ سٹیٹ بینک کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان کا ہر فرد اوسطاً 24 ہزار 412 روپے
کا مقروض ہے جو بھارت کے مقابلے میں 75 فیصد زائد ہے۔ بینک کے اعداد و شمار کے مطابق
اس وقت مجموعی غیر ملکی قرضوں کی مالیت 50 ارب ڈالر ہے جبکہ آبادی 17 کروڑ ہے۔ اس کے
مقابلے میں بھارت کا جائزہ لیا جائے تو اس کے مجموعی قرضوں کی مالیت 222 ارب ڈالر جبکہ
آبادی تقریباً ایک ارب 25 کروڑ ہے۔ اس طرح بھارت کا ہر شہری اپنی آبادی کے اعتبار سے 8
ہزار 880 روپے کا مقروض ہے جو پاکستان کے مقابلے میں 75 فیصد کم ہے۔ دوسری جانب آئی ایم
ایف نے پاکستان کو شرح سود میں کسی قسم کی کمی نہ کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ ملک میں مہنگائی کا
طوفان مزید بڑھنے والا ہے۔ آنے والے دنوں میں تیل کی قیمتیں بڑھنے پر پاکستان کی معیشت
میں جب کا رجحان مزید بڑھ جائے گا۔ بیرونی قرضوں سے عوام کو براہ راست کوئی فائدہ نہیں۔
فیکٹری پراجیکٹس اور دیگر منصوبے ابتداء ہی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ پروجیکٹس کے سربراہ کمیشن
سفارشوں کی بنیاد پر نااہل افراد کا تقرر کیا جاتا ہے جو پراجیکٹ کو عوام کے مفاد میں چلانے اور جس
مقصد کے لئے یہ پراجیکٹ قائم کیا گیا ہے اس کے ثمرات سے عوام کو مستفید کرنے کی بجائے نئے

ماڈل کی گاڑیوں کی خریداری، دفاتر میں غیر ضروری تزئین و آرائش اور فی اے ڈی اے پر سماری
رقوم خرچ کر دیتا ہے جس کا خمیازہ عوام کو بھگتنا پڑتا ہے اور اس طرح عوام ایک ایسے قرضے کے
دیتے چلے جا رہے ہیں جو ان پر سرے سے خرچ ہی نہیں ہوا۔ ماہرین اقتصادیات کا موقف ہے کہ
حالت جنگ ہو یا امن گھی، آٹے، چاول، دال چینی کا استعمال کم نہیں ہوتا لوگ زندہ رہنے کے لئے
خوراک حاصل کرتے ہیں پھر کارخانہ دار کس چیز سے متاثر ہو رہا ہے اگر چند غیر ضروری اشیاء کے
استعمال میں کمی آئی بھی ہے تو وہ بہت معمولی ہے۔ صرف ایک بینک نے گزشتہ 5 سال کے دوران
19 ارب روپے کے قرضے معاف کیے ہیں۔ قرضے معاف کرانے والوں میں وہ ادارے بھی
شامل ہیں جو مالی طور پر مستحکم قرار دیئے جا رہے ہیں اس لوٹ مار میں سرمایہ دار مزید مستحکم جبکہ
غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے جس کے لئے زندگی کی گاڑی کو رواں رکھنا بھی ممکن نہیں
رہا۔ حکومت کے انتظامی سیٹ اپ میں مقامی مارکیٹ کنٹرول کرنا ڈسٹرکٹ سطح کی مینجمنٹ کا کام
ہے۔ انگریز سرکار نے اپنے ریونیو کلکٹر یعنی ڈپٹی کمشنر کو بے انتہا اختیارات دے رکھے تھے جن میں
ایک مارکیٹ کنٹرول بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ قیمتوں کو مستحکم رکھنے کے ساتھ اشیاء ضروریہ کی
طلب اور رسد سے متعلق معاملات کا بھی نگران ہوتا تھا لیکن سابق صدر پرویز مشرف کے متعارف
کروائے گئے ضلعی نظام حکومت میں ضلعی اختیارات ناظمین کو سونپے گئے اور ڈسٹرکٹ مینجمنٹ کا
ذمہ دار افسر منتخب ناظم کے زیر سایہ کام کرنے لگا اس دوران مارکیٹ چیک اینڈ بیلنس سے آزاد ہو
گئی تاہم اس نظام کے خاتمے کے باوجود مہنگائی کا جن قابو میں نہیں آ رہا۔ تمام تر حکومتی دعوؤں اور
قیمتوں کے باوجود گزشتہ دو برسوں کے دوران اشیائے خورد و نوش سمیت یوٹیلیٹی بلز کی قیمتوں میں
100 سے 120 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ معاشی ماہرین کے مطابق افراط زر کی شرح میں
اضافے کی وجہ سے اسٹیٹ بنک آف پاکستان نے رواں مالی سال کے پانچویں مانیٹری پالیسی
میں شرح سود کی کمی سے انکار کرتے ہوئے اس ماہ کے آخر تک برقرار رکھنے کا اعلان کیا

سٹیٹ بنک آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق تمام اشیائے خورد و نوش کی قیمتوں میں
ڈیزل اور اسٹیمل کی دیگر اشیاء کی قیمتوں میں رکارڈ اضافہ ہوا ہے۔ مذکورہ سال کے دوران صرف
ڈیزل کے نرخوں میں تقریباً 100 فیصد اضافہ ہوا، ڈیزل 37.9 روپے فی لٹر سے بڑھ کر 73.62
روپے اور پٹرول 53.8 روپے فی لٹر سے 69.84 روپے ہو گیا ہے۔ مارکیٹ ذرائع کے مطابق
پٹرولیم مصنوعات کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے پیداواری لاگت بڑھ گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ
شعبہ اسی کی بنیاد پر تمام مقامی سطح پر تیار ہونے والی اشیاء کی قیمتیں بڑھا رہا ہے۔ بجلی کی قیمتوں میں
دو سال کے دوران اوسطاً 120 فیصد اضافہ ریکارڈ ہوا ہے اور گھریلو فی یونٹ 7 روپے سے قریب
جبکہ کمرشل یونٹ 19 روپے تک پہنچ گیا ہے۔ جو قبل ازیں 3 روپے اور 9 روپے تھا۔ سوئی گیس فی
یونٹ 115.4 روپے سے بڑھ کر 286.3 روپے فی ایم بی ٹی یو، ایل پی جی 11.8 کلو
گرام سلنڈر 792 روپے سے بڑھ کر 1061 روپے، گندم 17 روپے فی کلوگرام سے بڑھ کر
27 روپے فی کلوگرام، آٹا 18 روپے سے بڑھ کر 36 روپے فی کلوگرام، باسمتی چاول 25
روپے سے بڑھ کر 54 روپے فی کلوگرام، بڑا گوشت 100 روپے سے بڑھ کر 200 روپے فی
کلوگرام، چھوٹا گوشت 250 روپے سے 380 روپے فی کلوگرام، مرغی کا گوشت 125 سے بڑھ
کر 150 روپے فی کلوگرام، انڈے 37 روپے سے بڑھ کر 60 روپے فی درجن، چینی 30 سے
بڑھ کر 65 روپے فی کلوگرام، گڑ 31 روپے سے بڑھ کر 73 روپے فی کلوگرام، تازہ دودھ 30
روپے سے بڑھ کر 50 روپے فی لٹر، کوکنگ آئل کی قیمتوں میں 31 روپے فی لٹر اور گھی کی قیمت
میں 30 روپے فی کلوگرام، اضافہ ہوا ہے۔ چائے کی پتی 276 روپے فی کلوگرام سے بڑھ کر
516 روپے فی کلوگرام، آلو 10 روپے سے بڑھ کر 30 روپے فی کلوگرام، پیاز 12 روپے سے
بڑھ کر 30 روپے فی کلوگرام، ادرک 43 روپے سے بڑھ کر 180 روپے فی کلوگرام، دال ماش
ثابت 50 روپے سے 160 روپے فی کلوگرام، دال ماش دھلی ہوئی 71 روپے سے 134 روپے

فی کلو گرام اصل ہوتی ہے جو 52 روپے سے 85 روپے فی کلو گرام تک مل جاتی ہے۔ دال چنا 42 روپے سے 57 روپے فی کلو گرام اور مرغی 137 روپے سے 165 روپے فی کلو گرام ہو گئی ہے۔ اس مہنگائی میں اگلے مالی سال کے دوران مزید 30 تا 60 فیصد اضافہ ہوا ہے جنہیں سرکاری سطح پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ صابن، شیمپو اور روزمرہ استعمال کی تمام چیزوں کی قیمتوں میں 50 فیصد سے زائد اضافہ ہوا ہے۔ معاشی ماہرین کے مطابق سبزیوں کو ویلیو ایڈڈ آئٹمز میں تبدیل کرنے کے بعد روزمرہ استعمال کی اشیاء میں مزید اضافہ خارج از امکان نہیں ہے۔ مثلاً دودھ کا عالم یہ ہے کہ ۔۔۔ میں پانی صاف ہونے کا پتہ کر لیتا ہے لیکن آج کل پانی کے ساتھ انتہائی مضر کیمیکل ملائے جا رہے ہیں ۔۔۔ گوشت کا معیار چیک کرنے کے لئے ذبح خانوں میں ۔۔۔ کی موجودگی ہوتی ہیں جبکہ مشاہدہ یہ ہے کہ انتہائی لاغر اور بیمار جانور روزانہ ذبح کر کے ۔۔۔ سے جاتے ہیں۔ چس غذا عام آدمی کی پہنچ سے دور ہیں سبزیوں کے نرخ بھی کاندار ۔۔۔ سے باہر ہیں۔ ہماری زیور کریسی کا اب تک یہ کہنا تھا کہ پورا انتظام منتخب لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ اب سب کچھ بیوروکریسی کے ہاتھ میں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ ایڈمنسٹریٹو ۔۔۔ کب تک پاکستان کو منتخب لوگوں کی طرح مصلحت کا شکار ہو کر خاموش تماشائی بنے ۔۔۔ ہیں۔ یہ بات تو طے ہے کہ منتخب لوگوں سے تعلق توہین ہوتا ہے کہ کسی منتخب بندے کے لئے امن و امان قائم ۔۔۔ سے بہت قلیل عرصہ میں ممکن نہیں ہوتا یہ عمل اپنی نوعیت کے اعتبار سے وقت طلب ہوتا ہے لیکن اب ۔۔۔ میل اور ۔۔۔ کی ۔۔۔ کا امتحان ہے۔ تاہم اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ان ۔۔۔ 6 ۔۔۔ پر مشتمل خاندان کے لئے ماہانہ کم از ۔۔۔ روپے ہونی چاہئیں۔ اس خاندان کے ماہانہ اخراجات کی مد میں 8 ہزار سے 10 ۔۔۔ 1500 روپے، گیس بل 500 روپے، پانی بل 125

۔۔۔ اخراجات ملا کر مجموعی تخمینہ 15 ہزار روپے سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس سے اخراجات میں ہنگامی حالات مثلاً بیماری، شادی بیاہ وغیرہ کے اخراجات شامل نہیں ہوتے۔ رمضان المبارک، عید الفطر، عید الاضحیٰ اور محرم الحرام میں اخراجات شامل نہیں ہوتے۔ ایسے چار ماہ سیلیل سے دوگنا زائد اخراجات ہوتے ہیں۔ مزید 17 ۔۔۔ ایک ملازم پیشہ کی تنخواہ بھی مقررہ ۔۔۔ پوری ہو جائے تو بھی ان اخراجات سے بمشکل نپٹ سکتا ہے جبکہ ایک نچلے طبقہ یا مزدور پیشہ سے تعلق رکھنے والے سرکاری ملازمت کے اوقات میں رکشہ اور ٹیکسی چلاتے ہیں۔ پرائیویٹ اداروں میں ملازمت کرتے ہیں اور اپنے گھر کا چولہا جلانے کے لئے ایڈیشنل آمدنی حاصل کرتے ہیں جبکہ بہت سے علاقوں میں خواتین بھی مختلف قسم کے گھریلو کاموں سے بھی بہت کچھ کماتی ہیں جبکہ ایسے ادارے بھی ہیں جن سے متعلق شکایات ملتی ہیں کہ وہ اپنے ملازمین کو تنخواہیں نہیں دیتے اور تنخواہ دینے کے معاملے پر فریب ملازمین کو ملازمتوں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری سے جرائم، چوری، راہزنی اور قتل و غارت اس مالی بحران کے خاص اجزائے ترکیبی ہیں جبکہ موجودہ صورتحال میں خواتین پر بھی کام کرنے کے لئے دباؤ خواتین بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہیں۔ اشیاء صرف کے بعد پہناوے جس میں جوتی اور کپڑے شامل ہیں خریداری زندگی میں شامل ہیں۔ اگر گرمیوں اور سردیوں میں صرف ایک فرد کے تین سوٹ بنائے جائیں تو ایک خاندان میں 18 جوڑے کپڑوں کے بنتے ہیں جبکہ خواتین کے کپڑوں کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا کپڑا لان 450 روپے سے 500 روپے اور کاٹن بریزہ 700 روپے فی سوٹ ہے۔ یوں اوسطاً ایک خاندان میں 10 سے 15 سوٹ خواتین کے بنتے ہیں جن پر اوسطاً 9 ہزار سے 17 ہزار روپے ماہانہ خرچ آتا ہے اس طرح مردانہ ورائٹی میں کاٹن کم از کم 600 روپے فی سوٹ کھدر 800 روپے، شلوار اینڈ ویسٹ 500 روپے اور جوگی 3 ہزار روپے میں ملتا ہے۔ جینز ایک اوسط درجے کا

ماہانہ 28 سے 35 ہزار روپے کپڑوں کی مد میں خرچ کرتا ہے البتہ ان میں بچوں کے
کپڑے شامل نہیں۔ عوامی حلقوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے پیپلز پارٹی کو مینڈیٹ اس لئے دیا
تھا کہ وہ شہید جمہوریت ذوالفقار علی بھٹو کے نعرے روٹی، کپڑا، مکان کو عملی جامہ پہنائے گی تاہم
گزشتہ ڈھائی سال سے اس نعرے کے برعکس اقدامات اٹھائے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ
ان کی مالی سال 2010-11 کے بجٹ سے کافی امیدیں وابستہ تھیں لیکن انہیں مایوسی ہوئی۔ پیپلز
پارٹی کے سامنے دیہاڑی کے انتظار میں بیٹھے مزدوروں کا کہنا تھا کہ انہیں 250 روپے سے
350 روپے تک دیہاڑی پر کام ملتا ہے وہ بھی ہفتے میں تین یا چار دن ہی ہوتا ہے ایسے میں دو
وقت کی روٹی تک کیلئے پیسے نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر دوپہر تک انہیں کہیں روزگار نہیں ملتا
تو وہ خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں ایسے میں دو وقت تو درکنار ایک وقت کی روٹی بھی نہیں
خریدی جا سکتی۔

(اگست 2010ء)

پاک افغان تجارتی معاہدہ

18 جولائی کو ہونے والے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کو دو ہفتے ہو گئے ہیں۔
معاہدے پر دستخط کی تقریب کے بعد سے اب تک خیبر پختونخوا سمیت ملک بھر کی بزنس کمیونٹی نے
جس بھرپور انداز میں معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے احتجاج کیا اور اپنے خدشات ریکارڈ پر لائی
اس سے یہ امکانات روشن ہو گئے ہیں کہ کابینہ یا پارلیمنٹ کے لئے اس معاہدے کی منظوری تحی
آسان نہیں رہی۔ پاکستان اور افغانستان کے مابین دوطرفہ تجارت میں افغانستان کے لئے پاک
افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا نیا معاہدہ اور بالخصوص بھارت کو سہولیات کی فراہمی واضح طور پر امریکی دباؤ کا
نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔ معاہدے کے ڈرافٹ میں پاکستان نے افغانستان کو اپنی مصنوعات بھارت
برآمد کرنے کے لئے واہگہ بارڈر تک جانے اور پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کی اجازت
دی ہے۔ تاہم بھارت کو پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے
بدلے افغانستان پاکستان کو وسطی ایشیائی ریاستوں تک راہداری فراہم کرے گا۔ معاہدے میں
بھارت کو واہگہ بارڈر پر افغانستان جانے والے سامان کو ان لوڈ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔
جہاں سے افغان ٹرک بھارتی سامان افغانستان لے جا سکیں گے۔ معاشی ماہرین نے پاک افغان

ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ کو بھی مفادات کے صرف قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان کی معیشت پر بہت برے اثرات مرتب ہوں گے۔ معاہدے کا مقصد بھارت و افغانستان پہنچانا ہے اور معاہدہ امریکی دباؤ میں کیا گیا۔ معاہدے سے ملک میں اضافہ ہوگا اور یہ معاہدہ کسی بھی پہلو سے پاکستان کے حق میں نہیں۔ معاہدے سے پاکستان کی معیشت پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ حکومت نے یکطرفہ طور پر افغانستان کو بہت زیادہ رعایت دی ہے جس سے بھارت براہ راست طور پر مستفید ہوگا۔ بھارت ہمیں نیپال اور تبت تک راہداری دینے کے لئے تیار نہیں۔ ادھر بزنس کمیونٹی نے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے نئے معاہدے کو مسترد کرتے ہوئے اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا ہے بزنس کمیونٹی کا موقف ہے کہ اس معاہدے سے پاکستان میں ٹرانسپورٹ کا شعبہ بری طرح متاثر ہوگا جبکہ مال برداری سے ہونے والی پاکستان ریلوے کی آمدنی بند ہونے سے ساتھ ہزاروں افراد بے روزگار ہو جائیں گے۔ بزنس کمیونٹی کا کہنا ہے کہ معاہدے کے تحت اگر افغانستان کے ٹرانسپورٹرز کراچی سے مال افغانستان لے کر جاتے ہیں تو پاکستان کے ٹرانسپورٹرز ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں گے جبکہ افغان ٹرانسپورٹرز کی آمد سے امن و امان کی صورتحال متاثر ہونے کا بھی خدشہ ہے۔ یہاں پر نئے افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے سے ممکنہ معیشت پر منفی اثرات کی تفصیل سے قبل موجودہ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ بین الاقوامی قوانین اور کنونشن کے تحت جس ملک میں سمندر نہیں ہوگا اس کا ہمسایہ ملک اس کو سمندری سہولیات فراہم کرے گا اور سمندر سے محروم ملک کے لئے دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ ہمسایہ ملک اپنی بندرگاہ سے دوسرے ملک کی سرحد تک راہداری کی سہولت فراہم کیا۔ جیسے بھارت نیپال کو یہ سہولت مہیا کر رہا ہے۔ پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ 45 سال [illegible] 1965ء میں [illegible] کے تحت عمل میں لایا گیا جس کے تحت پاکستان اپنی بندرگاہ یعنی [illegible] افغانستان کو [illegible] فراہم کر رہا ہے۔ افغانستان سمیت دیگر ممالک سے آیا مال

[illegible] سے ٹرانزٹ کی جاتی ہے۔ کراچی سے پشاور تک ٹرانزٹ [illegible] پاکستان ریلوے سالانہ 3 ارب [illegible] پشاور تک [illegible] ایک ویگن (بوگی) پر 22 ٹن تک مال لادا جاتا ہے [illegible] پشاور تک 48 ہزار روپے بنتا ہے جبکہ این ایل سی کا کرایہ 75 ہزار روپے تک ہے [illegible] کے ذریعے مال پشاور تک تین سے پہنچتا ہے جبکہ این ایل سی سے [illegible] کے ذریعے پشاور تک پہنچایا جاتا ہے اور ریلوے کی بہت مدت میں پہنچتا ہے۔

افغانستان کو راہداری کی سہولت دینے سے متعلق پاکستان افغانستان کی معیشت سے جڑی ہوئی ہے۔ کوئلہ سے چونکہ قندھار نزدیک پڑتا ہے اس لئے وہاں کی پیداوار اور [illegible] کے راستے بھارت اور دیگر ممالک کو پہنچایا جاتا ہے جبکہ خیبر پختونخوا میں پاک افغان سرحد کے قریب مزار شریف ہے جہاں کی پیداوار فریش اور ڈرائی فروٹ کے [illegible] پشاور کے راستے بھارت پہنچایا جاتا ہے۔ افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے سے متعلق ٹرانزٹ کا [illegible] ٹیکسوں سے مستثنیٰ ہوتا ہے لہذا حکومت پاکستان کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا جبکہ اس [illegible] کے ذریعے فریٹ کی سہولیات کی مد میں پاکستان ریلوے سالانہ 3 ارب روپے کماتا ہے [illegible] وہ صرف کراچی میں 3 ہزار کسٹم کلیئرنگ ایجنٹ کام کر رہے ہیں اور ہر ایجنٹ کے پاس [illegible] سے 20 افراد پر مشتمل عملہ ہے جبکہ کراچی پورٹ ٹرسٹ (کے پی ٹی) پر کریٹ اور دیگر بھاری [illegible] پر کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اسی طرح صوبہ خیبر پختونخوا میں [illegible] کسٹم کلیئرنگ ایجنٹس کی تعداد 300 ہے۔ 60 بارڈر ایجنٹ ہیں ان کے پاس بھی 10 سے

15 افراد پر مشتمل عملہ ہے جس میں 8 افراد ان کارگو ٹریکنگ ایجنٹس کے دفاتر میں 8 ہزار ٹن کارگو کی ٹرانزٹ رپورٹ 2 ایئر پورٹ اور 4 سیورٹم وارڈز پر خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان ہزاروں افراد کا روزگار ٹرانزٹ ٹریڈ سے وابستہ ہے۔ نئے معاہدے کی رو 2009ء کے آخر میں ہموار کی گئی ورلڈ بینک نے پاکستان اور افغانستان کو 1965ء میں کیے جانے والے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے میں ترامیم کرنے کی خواہش ظاہر کی اور نیا پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ عمل میں لانے کے لئے 13 جنوری کو اسلام آباد میں پاکستان اور افغانستان کے ٹرانزٹ ٹریڈ سے وابستہ تاجروں کے لئے ایک روزہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ کانفرنس کے تمام انتظامات ورلڈ بینک نے کیے تھے حیران کن بات تو یہ ہے کہ معاہدہ پاکستان اور افغانستان کے مابین ہونے جا رہا تھا اور دونوں ممالک کی تجارت و وزارتوں کے بجائے اس کے لئے بات چیت کا انعقاد ورلڈ بینک کر رہا ہے اور اس معاہدے کو حتمی شکل دینے پر زور دے رہا ہے۔ (1965ء میں پاک افغان معاہدہ دونوں ممالک کی وزارتوں کے درمیان ہوا اور اس میں کوئی تیسرا فریق شامل نہیں تھا) 13 جنوری کی تقریب میں ورلڈ بینک کے نمائندوں کے علاوہ افغانستان کے اس کاروبار سے وابستہ افراد نے شرکت کی جبکہ صوبہ خیبر پختونخوا سمیت پاکستان کے کل 110 تاجر شامل ہوئے۔ تقریب کے پہلے سیشن میں ورلڈ بینک نے نئے افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے حوالے سے بریفنگ دی جبکہ دوسرے سیشن میں اس کاروبار سے وابستہ افراد نے اپنی تجاویز دیں جبکہ خیبر پختونخوا کی نمائندگی کرنے والے تاجروں نے پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ میں بعض ترامیم پر اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا اس وقت نئے ٹرانزٹ معاہدے میں جو چیدہ چیدہ نکات شامل کرنے کی تجویز ورلڈ بینک نے دی تھی ان میں افغانستان کی [illegible] ورلڈ بینک سے [illegible] کے لئے ایک مالی نیشنل کمپنی کی [illegible] افغانستان کا قیام عمل [illegible] پاک افغان بارڈر پر پہنچائے گی جبکہ [illegible] سے اپنی ٹرانزٹ [illegible] استعمال کرے گی۔ دوسرا اہم نقطہ یہ

[illegible] کے بعد بھارت کا افغانستان کے لئے بھجوایا گیا مال جو واہگہ سے ہوتا ہوا براہ راست اپنے ٹرکوں اور ٹرینوں سے افغانستان پہنچ جاتا ہے۔ بارڈر لانگ روٹ سے براہ راست اپنے ٹرکوں اور ٹرینوں سے افغانستان پہنچ جاتا ہے۔ معاہدے میں تیسرا انتہائی منفی پہلو یہ شامل ہوگا کہ معاہدے میں افغانستان سے Agree جبکہ پاکستان کیلئے ضامن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی افغانستان معاہدے سے [illegible] dis agree کرسکتا ہے لیکن پاکستان چاہ کر بھی ضامن ہونے سے انکار نہیں کرسکتا اس مجوزہ ڈرافٹ پر بزنس کمیونٹی نے سخت تحفظات کا اظہار کیا اور کہا کہ ان [illegible] سے پاکستان پر انتہائی منفی اثرات پڑیں گے پہلا انتہائی اہم پوائنٹ یہ ہے کہ ٹرانسپورٹ کی ذمہ داری دینا جس سے کراچی، کوئٹہ اور صوبہ خیبر پختونخوا کے 3300 ٹرانسپورٹرز متاثر ہوں گے۔ ٹرانسپورٹرز کے پاس کام کرنے والا عملہ جس کی تعداد ہزاروں میں بنتی ہے بے روزگار ہوجائے گا دوسرا انتہائی منفی پہلو ٹرانزٹ کے لئے استعمال ہونے والی ٹرانسپورٹ وجہ سے چھن لینا ہے۔ کمپنی کی اپنی گاڑیاں استعمال ہونے سے صرف پاکستان ریلوے کو سالانہ 3 ارب روپے کا نقصان اٹھانا پڑیگا جو پہلے ہی اربوں کے خسارے کا شکار ہے۔ تیسرا منفی پہلو بھارت کو پاکستان کے راستے افغانستان تک راستہ دینا ہے جو کسی طور بھی مناسب نہیں ہے۔ [illegible] ہے کہ 13 جنوری کو اسلام آباد میں ہونے والی کانفرنس میں شامل بزنس کمیونٹی نے اپنے شدید تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے تحریری طور پر حکومت کو آگاہ کردیا تھا پاکستانی سرمایہ داروں کا شدید مطالبہ رہا ہے کہ اگر ہم افغانستان کو راہداری کی سہولت بغیر کسی رکاوٹ کے دے رہے ہیں تو یوں نہ پاکستان کو بھی افغانستان کے ذریعے وسطی ایشیائی ممالک تک رسائی ملے اور پاکستانی مصنوعات بھی افغانستان کے ذریعے 6 آزاد ریاستوں اور یورپی ممالک کو سپلائی کرسکیں۔ دوسری اہم بات یہ کہ اگر بھارت واہگہ کے ذریعے افغانستان کو مال سپلائی کرنے کی اجازت دی ہوئی ہے تو یوں نہ پاکستانی مصنوعات بھی بھارت کے راستے بنگلہ دیش اور یورپی ممالک تک

پہنچائی ہو گی۔ یہ ان کن باتوں کا نتیجہ ہے کہ روس تک کی پہلی کاغذ میں پاکستان سے تجارت
ازراہ کو پیش کی گئیں کیا گیا۔ بعد ازاں سوویت پیٹرولیم کی برآمد کنندگان نے 15 روپے فی بیرل
آصف علی زرداری سے ملاقات کے دوران بھی نئے افغان ٹرانزٹ معاہدے پر اپنے شدید
تحفظات کا اظہار کیا تھا جبکہ صدر نے ان سے خدشات دور کرنے کی بھی یقین دہانی کرائی تھی۔

اگر ہم ترجیحی ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کی کارکردگی کا جائزہ لیں تو اس حوالے سے پاکستان اپنے مؤقف
پر نظر ثانی کرتا اور بھارت کو ٹرانزٹ ٹریڈ کی سہولت سے انکار کی پالیسی سے رجوع کر کے اور پہلے
سے سہولت فراہم کی گئی ہے۔ اصل بات بھارتی سامان کی افغانستان اور وسطی ایشیائی ریاستوں
تک فراہمی ہے جس کے مواقع ملنے سے بھارت کو اپنے مال کی کھپت کے لئے ایک بڑی منڈی
میسر آ گئی ہے اور ہمیں اس سے ہمسایہ ملک کی رہداری کے چند سکے ہیں گے۔ افغانستان کی جانب سے
پاکستان کو اس سہولت سے بھی وسطی ایشیائی ریاستوں تک رہداری کی سہولت دینے سے
پاکستانی معیشت اور تجارت پر کوئی قابل ذکر مثبت اثر پڑنے کا زیادہ امکان نہیں۔ بھارتی سستا مال
بھی بہت جلد ان منڈیوں تک پہنچنا شروع ہو جائے تو مارکیٹ میں مقابلہ کی جو فضا پیدا ہو گی اس کا
مقابلہ کرنا پاکستانی صنعتوں کی بندش کے شکار ملک کے صنعت کاروں کے لئے آسان نہ ہو
گا۔ بھارتی مال کے لئے نئی منڈیاں کھلنے سے بھارت کو اپنے مال کی کھپت بڑھانے کے
مواقع ملیں گے جس سے پاکستان کے اندر بھارتی معیشت پر جو منفی اثرات مرتب ہوں گے
ان کا مقابلہ بھی افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کا جو مال اس وقت منتقل ہو کر پاکستان واپس
آنے پر کسٹم ڈیوٹی سے بچ جاتا ہے وہ بچت نہیں ہو گی۔ یہ صورتحال پہلے ہی ملکی صنعتوں اور
تاجروں کے لئے مشکلات پیدا کر رہی ہے اور اس سے بھارتی مال کی بھی سمگلنگ کے
ذریعے کھپت بڑھنے کا خدشہ ہے۔ اس صورتحال کا مقابلہ کیسے کیا جائے گا اس پر تو
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہونے والے سامان کو ان لوڈ کرنے کی اجازت ہوگی جہاں سے افغان ٹرک بھارتی سامان
افغانستان لے جا سکیں گے۔ پاکستان سے ملتے ہوئے افغانستان میں یہ آف لوڈ پوائنٹ (ایل سی)
طورخم کی اجازت دی گئی ہے۔ افغان ٹرک ڈرائیوروں اور عملے کو ویزے جاری کیے جائیں
گے۔ تمام بین الاقوامی قوانین و ضوابط کا نظم رکھا جائے گا اور پاکستان افغانستان سے ٹرانزٹ گارنٹی
لے گا تاکہ سرحد تک کی روانگی سے لے کر واپسی تک اصول کی پابندی ہو سکے۔ افغانستان و پشاور سے
کراچی تک ٹرک سے جانے کی اجازت دی گئی ہے۔

پاک افغان ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کے نقصانات

۔ افغان ٹرانسپورٹ سے ہٹنے سے پاکستان ریلوے کو 3 ارب روپے کا نقصان ہوگا
(ریلوے کو پہلے ہی 40 ارب روپے خسارے کا سامنا ہے)۔

۔ این ایل سی (نیشنل لاجسٹک سیل) کو دو ارب روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑے گا اس
روزگار سے وابستہ تقریباً 5 ہزار افراد بے روزگار ہو جائیں گے۔

۔ افغان ٹرک مفت ایندھن لیتے ہیں جو سمگلنگ ہونے کے خدشات بھی ہیں۔

۔ افغانستان سے ٹرک بھارتی سامان لے کر پاکستان کے راستے ہی کابل اور آگے وسط ایشیا
تک جا سکیں گے جس سے بھارت افغانستان اور وسطی ایشیا کی مارکیٹ سے بھی پاکستان آؤٹ ہو
جائے گا۔

۔ پاکستان کی معیشت میں ڈیڑھ ارب کی سمگلنگ کے خدشات بھی ظاہر کیے گئے۔

افغان ٹرانزٹ سے ہونے والے نقصان اور اس کی بڑی وجہ پاکستان پر آمانی پہنچانی ہو

(تاریخ 2010.)

کرپشن کا بھوت ناچ جاری ہے

ن سالوں میں کہ جب ساری قوم پر معاشی عذاب نازل ہوا ہے اور قوم سسک رہی ہے
ہوئی غربت کی لکیر سے نیچے یا اوپر زندگی گزار رہے ہیں اشرافیہ کی عیاشیوں میں
ہیں چل رہا ہے۔ ملازمتیں سر پر ہاتھ رکھے رو رہے ہیں۔ تنخواہوں سے پوری نہیں پڑتی
ہوئی اور قحط کے خوف نے ذہنی مریض بنا رکھا ہے۔ ہیں جبکہ حکمران طبقہ
جی ہے جس کا کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ یہ ہیں پاکستان سے
ن کے اثاثہ جات میں گزشتہ چھ سال سے دوران ملازمت تین گنا اضافہ ہوا ہے
ہوا ہے۔ یہ بات محل نظر رہے کہ شاید ہی دنیا میں ایسا پارلیمنٹیرین ہو جس نے اپنے
ظاہر کیے ہوں لیکن اس کے باوجود ان میں اتنا اضافہ ہوا ہو

ہے۔

گزشتہ دنوں جب سیلاب زدگان پر مصیبت "عظیم" کی ہوئی تھی تو یہ سب سے زیادہ
محل اس بات پر رو پڑا کہ انہیں "وقت رسید" کیوں کہا جا رہا ہے۔ اللہ یہ سب نصیب نہیں کرے
یوں پر آفت لائے اور وہ یہ دن دیکھنے کو مقدر ہوں۔ ہم تو اس پر

...ات کے ارکان اسمبلی کون ہے؟

...پلڈاٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق اراکین اسمبلی اپنی تنخواہوں و مراعات کی مد میں گزشتہ 6 سال کی مدت میں تین گنا سے زائد اضافہ کر چکے ہیں۔ مطابق ان کے اثاثہ جات میں 6 سال کی مدت میں تین گنا سے زائد اضافہ ہوا ہے۔ سال 2002-03ء میں اراکین کے اوسط اثاثے 27 لاکھ روپے کے تھے جو کہ 2008-09ء میں بڑھ کر 81 لاکھ روپے ہو گئے۔ پیپلز پارٹی کے اراکین محبوب اللہ جوئیہ 3 ارب 28 کروڑ روپے کے اثاثوں کے ساتھ سب سے امیر اور سعید اقبال چوہدری غریب ترین ہیں۔ پلڈاٹ کی جاری کردہ رپورٹ کے مطابق اوسط اثاثوں میں سال 2007-08ء کی نسبت 9.5 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ قومی اسمبلی کے 35 20 اراکین کے اثاثہ جات رکھتے ہیں جو کہ اراکین کے اثاثہ جات کی اوسط سے 75 فیصد زیادہ ہیں۔ قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے این اے 23 بلوچستان سے رکن قومی اسمبلی محبوب اللہ جوئیہ 3 ارب 28 کروڑ 80 لاکھ روپے کے اثاثہ جات کے ساتھ سب سے زیادہ امیر ہیں۔ این اے 1 ارب 62 کروڑ 70 لاکھ روپے کے اثاثوں کے ساتھ راولپنڈی سے مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی شاہد خاقان عباسی دوسرے نمبر پر ہیں۔ مسلم لیگ (ق) کے جہانگیر ترین 1 ارب 9 کروڑ 50 لاکھ روپے کے اثاثہ جات کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔ سعید احمد مظفر 1 ارب 3 کروڑ روپے کے اثاثوں کے ساتھ قومی اسمبلی کے ارکان میں سب سے امیر رکن قومی اسمبلی مسلم لیگ (ن) کی نزہت صادق ہیں جو 912.81 ملین روپے کے اثاثہ جات رکھتی ہیں۔ سال 2007-08ء میں قومی اسمبلی کے ارکان نے اپنے اثاثہ جات کی جو تفصیلات دی تھیں اس کے مطابق محبوب اللہ جوئیہ کے 25 20 کروڑ روپے کے اثاثوں کے مالک تھے جبکہ نزہت صادق 1 ارب 51 کروڑ روپے کے اثاثہ جات کی مالک تھیں۔ چوہدری زاہد اقبال کے اس وقت اثاثہ جات 81 کروڑ روپے کی مالیت کے تھے جنہوں نے قومی اسمبلی کی رکنیت کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے

...ید اقبال چوہدری رکھتے ہیں جو کہ 29 ملین روپے کے اثاثہ جات کے مالک ہیں۔ قومی اسمبلی کے بعد راشد ارین خان 20 کروڑ روپے کے اثاثوں کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔ قومی اسمبلی کے نزہت صادق کے بعد دوسری امیر ترین خاتون رکن اسمبلی ہیں جو کہ 515.25 ملین روپے کی مالک ہیں۔ بیگم نسرین جلیل 298.50 ملین روپے کے اثاثہ جات کے ساتھ تیسرے نمبر پر ہیں۔ قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کروڑ پتی ہے۔ جن 342 ارکان نے اثاثہ جات کی تفصیلات جمع کرائی ہیں ان میں سے 202 ارکان کے اثاثہ جات 12 کروڑ روپے سے زائد ہیں۔ 9 ارکان کے اثاثہ جات 100 کروڑ روپے سے زائد ہیں۔ سب سے زیادہ امیر اراکین اسمبلی مسلم لیگ (ق) کے ہیں جن کی فی رکن اسمبلی اوسط 239 ملین روپے بنتی ہے۔ نیشنل پیپلز پارٹی کے اراکین اسمبلی 122 ملین روپے، آزاد اراکین 108 ملین روپے، پیپلز پارٹی کے اراکین 102 ملین روپے، مسلم لیگ (ن) 75 ملین روپے، مسلم لیگ (ق) کے 62 ملین روپے، ایم کیو ایم کے 61 ملین روپے، پیپلز پارٹی شیر پاؤ کے 37 ملین روپے، ایم کیو ایم کے 25 ملین روپے، پی این پی 14 ملین روپے، اے این پی کے اراکین اسمبلی 6 ملین روپے کی اوسط رکھتے ہیں۔

رپورٹ کے مطابق 2002ء سے 2006ء کے دوران پاکستان تحریک انصاف کے واحد رکن قومی اسمبلی عمران خان دولت کے لحاظ سے پہلے نمبر پر ہیں جن کے اثاثوں کی مالیت 85 ملین روپے تھی جبکہ مسلم لیگ (ن) 61 ملین کے ساتھ دوسرے، مسلم لیگ (ق) 56 ملین کے ساتھ تیسرے اور پیپلز پارٹی کے ارکان 34 ملین کے اوسط اثاثوں کے ساتھ چوتھے نمبر پر رہے۔

رپورٹ کے مطابق 2008-09ء میں اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے ارکان اسمبلی کے اثاثوں کے حوالے سے پہلے نمبر پر رہے جبکہ خیبر پختونخوا، پنجاب، فاٹا، سندھ اور بلوچستان کا نمبر اس کے بعد

ہے۔ 2007-08ء میں بھی اسٹیٹ بینک کے ارکان کی فہرست سے مجموعی اثاثوں کی مالیت سے حوالے سے پنجاب 54 فیصد کے ساتھ پہلے نمبر پر رہا تاہم ان میں 2002ء سے 2006ء کے دوران 73 فیصد کی ہوئی۔ خیبر پختونخوا 31، سندھ کا حصہ 10 فیصد، فاٹا تین فیصد، اسلام آباد ایک فیصد اور بلوچستان ایک فیصد اثاثوں کا مالک رہا۔

کاش پاکستان کے بہ قسمت عوام پر جان سکتے کہ ہمارے معزز اراکین پارلیمنٹ کے پاس وہ کون سی جادو کی چھڑی ہے جس کے چھونے سے ان کے کاروبار دن دگنی رات چوگنی ترقی کررہے ہیں اور نہ تو ملکی اقتصادیات کا جنازہ نکل چکا ہے اور ایک مستند رپورٹ کے مطابق عالمی بینک نے پاکستان کو علاقہ بجلی کے بے فنڈز کی فراہمی روک دی ہے بینک کے نائب صدر برائے جنوبی ایشیا نے جو گزشتہ دنوں پاکستان آئے تھے 10 ستمبر کو روزنامہ "ڈیلی ٹائمز" کو بتایا کہ سرمایہ ضائع کرنے والا بجلی کا شعبہ پاکستان کے بجٹ اور بینکنگ کے اہداف کیلئے سنگین خطرہ ہے۔ کیونکہ گردشی قرضہ۔ ۔ ۔

زلزلہ آیا ہے کہ خود حکومتی ذرائع بھی کہتے ہیں کہ 5 ارب ڈالر سے زیادہ کا نقصان ہوا ہے۔ اس مقصد کے لئے ان کمپنیوں نے جن سے پہلے ہی بھاری ٹیکس وصول کیا جا رہا ہے، اس مقصد کے لئے ان علاقوں میں فراہمی کرنے کی ضرورت ہے۔ وزیر اعظم گیلانی نے کہا کہ وزیرستان اور صارفین سے اربوں روپے کے بقایا جات کی وصولی کے لئے ہدایات جاری کر دی ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ بجلی چوری کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ بجلی کی چوری کی وجہ سے ہر سال 200 ارب روپے کا نقصان ہوتا ہے اور یہ بوجھ ان لوگوں پر ڈالا جاتا ہے جو بجلی کے بل باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ وزیر اعظم نے کہا کہ بجلی چوری کرنے والوں کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ جو بجلی چوری ہوتی ہے اس کا بوجھ غریب صارفین پر ڈالا جاتا ہے

حامد
اردو فیچر
کیلئے

(2) اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

مکتی باہنی سے آپریشن بلیو سٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

[illegible] پر بھارتی فوج کے [illegible] کے خلاف [illegible] پر [illegible] تحقیق۔

[illegible] حکومت کی [illegible] سے [illegible]

[illegible] مکتی باہنی [illegible] پاکستان کے خلاف بھارتی [illegible]

[illegible] کی [illegible]

[illegible] مصنف [illegible] سے نکال کر آپ

تک پہنچا ہے۔

قیمت 250/- روپے [illegible] 16۔ [illegible] فون 042-36361089

CHADWICK
Coronation Road, N
by Secco Co
B C
PLANNING
حامد
اردو فینز
کیلئے

② اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

کمتی باہنی سے اپریشن بلیو سٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

☆ گولڈن ٹمپل پر بھارتی فوج کے حملے اور سکھوں کے خلاف کی جانے والی بربریت پر ایک ناقابل فراموش پراز حقائق تحقیق۔

☆ اُن خون آشام واقعات کی تفصیلات جو تاریخ کی گرد میں دبتے چلے جا رہے تھے۔

☆ کمتی باہنی کیوں بنائی گئی؟ بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کس نے کیا؟ شیخ مجیب الرحمٰن کو کیوں قتل کیا گیا؟ پاکستان کے خلاف بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی وحشیانہ کارروائیوں کی کہانی۔

☆ ممتاز مصنف، صحافی طارق اسمٰعیل ساگر نے گولڈن ٹمپل پر حملے کے ایک ایک لمحے کو تاریخ کے مدفون صفحات سے نکال کر آپ تک پہنچایا ہے۔

قیمت 250/- روپے ساگر پبلی کیشنز 16۔ ای ٹمپل روڈ موہنہ سٹریٹ صفانوالہ چوک لاہور فون 042-36361089

پاکستان پر عالمی دہشت گردوں کا حملہ

حامد

اردو فینز

کیلئے

② اہم کتابیں

پاکستان کے خلاف عالمی ریشہ دوانیوں کو سمجھنے کے لئے

کمتی باہنی سے اپریشن بلیو سٹار تک۔ طارق اسمٰعیل ساگر

☆ گولڈن ٹمپل پر بھارتی فوج کے حملے اور سکھوں کے خلاف کی جانے والی بربریت پر ایک ناقابل فراموش پراز حقائق تحقیق۔

☆ ان خون آشام واقعات کی تفصیلات جو تاریخ کی گرد میں دبتے چلے جا رہے ہیں۔

☆ کمتی باہنی کیوں بنائی گئی؟ بنگالی مسلمانوں کا قتل عام کس نے کیا؟ شیخ مجیب الرحمٰن کو کیوں قتل کیا گیا؟ پاکستان کے خلاف بھارتی خفیہ ایجنسیوں کی وحشیانہ کارروائیوں کی کہانی۔

☆ ممتاز مصنف، صحافی طارق اسمٰعیل ساگر نے گولڈن ٹمپل پر حملے کے ایک ایک لمحے کو تاریخ کے مدفون صفحات سے نکال کر آپ تک پہنچایا ہے۔

قیمت 250/- روپے ساگر پبلی کیشنز 16۔ ای ٹمپل روڈ ہیرا منڈی سنٹر بیرون صفانوالہ چوک لاہور فون: 042-36361089

پاکستان پر عالمی دہشت گردوں کا حملہ

مصنف: طارق اسمٰعیل ساگر

☆ پاکستان میں خصوصاً 9/11 کے بعد بھارتی دہشت گردی کا پس منظر اور پیش منظر۔

☆ تحقیقی اور تاریخی دستاویز آپ کو وہ کہانی سنائے گی جس پر شاید آپ مشکل ہی سے یقین کریں۔

☆ جہاد افغانستان سے اپریشن پراسرار تک پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کا مکمل احوال۔

☆ گرفتار افسران، ہندو تنظیمات اور پاکستانیت کے حامیوں کے لئے خصوصی تحفہ۔

☆ پاکستان کے خلاف کی گئی [illegible] سازشوں کو سمجھنے کے لئے ایک اہم دستاویز۔

قیمت 300/- روپے صفحات 368

[illegible] قارئین کے لئے خصوصی رعایت

رابطہ 16۔ [illegible] 042-36361089 موبائل 0300-9468248